توحید کے بنیادی اصول
www.KitaboSunnat.com
ڈاکٹر ابو امینہ بلال فلپس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

توحید کے بنیادی اصول

ڈاکٹر ابوامینہ بلال فلپس

ترجمہ

ڈاکٹر محمد عبدالعزیز (ایم بی بی ایس)، محمد حسن ثنیؔ، محمد شبیرؔ

I have no objection to the translation and free distribution of my book "The Fundamentals of Tawheed".

Dr. Abu Ameenah Bilal Philips
23/06/01

نام کتاب ———— توحید کے بنیادی اصول

مؤلف ———— ڈاکٹر ابو امینہ بلال فلپس

مترجمین ———— ڈاکٹر محمد عبدالعزیز (ایم بی بی ایس)، محمد حسن مثنی، محمد شبیر

اشاعت اول ———— 1423ھ (2002ء) تعداد دو ہزار

اشاعت دوم ———— 1425ھ (2004ء) تعداد دو ہزار

ہدیہ ———— دعائے خیر

رابطہ ———— مکان 525، سٹریٹ 18، جی۔ایٹ/ون، اسلام آباد

E-mail: musanna29@hotmail.com

مصنف کی دوسری کتابیں

Salvation Through Repentance
Funeral Rites In Islam
Islamic Rules On Menstruation
Ibn Taymiyyah's Essay on the Jinn
The Ansar Cult
The Evolution of Fiqh
The Purpose of Creation
The True Message of Jesus Christ
Usool at-Tafseer
Arabic Reading and Writing Made Easy
Did God Become Man?
Dream Interpretation
Hajj and Umrah
Polygamy in Islam
Tafseer Soorah al-Hujuraat
The Best in Islam
The Exorcist Tradition in Islam
The Quran's Numerical Miracle
The True Religion of God
Arabic Grammar Made Easy

Fax: 971-6-5323724
Email:fld3@hotmail.com Website:http://members.xoom.com/FLD

مندرجات

ڈاکٹر بلال فلپس

تعارف

ڈاکٹر ابوامینہ بلال فلپس جمیکا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت کینیڈا میں ہوئی جہاں 1972ء میں اسلام قبول کیا۔ مدینہ میں عربی زبان میں ڈپلوما لیا اور مدینہ اسلامی یونیورسٹی کے اصول الدین کالج سے 1979ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ 1985ء میں ریاض یونیورسٹی کے کالج آف ایجوکیشن سے اسلامیات میں ایم اے کیا۔ 1994ء میں یونیورسٹی آف ویلز کے اِدارہ علوم اسلامی سے اسلامیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ریاض کے پرائیویٹ سکولوں میں دس سال تک اسلامیات اور عربی پڑھاتے رہے۔ فلپائن کی اسلامک یونیورسٹی کے اِدارہ علوم اسلامی میں تین سال تک ایم اے ایجوکیشن کے لیکچرار رہے۔ 1994ء سے دبئی میں اسلامک انفارمیشن سینٹر کی بنیاد رکھی اور اُس کے ڈائریکٹر رہے۔ شارجہ میں ڈیپارٹمنٹ آف فارن لینگوئجز' دارالفتاح اسلامک پریس قائم کیا۔ دبئی امریکن یونیورسٹی میں کئی سال سے عربی اور اسلامیات پڑھاتے رہے ہیں۔

اشاعتِ دوم

دو سال کے عرصے میں ڈاکٹر بلال فلپس کی کتاب کا یہ ترجمہ پاکستان میں اور دوسرے ملکوں میں جہاں جہاں بھیجا جاسکا اتنا مقبول ہوا کہ اشاعتِ ثانی کی ضرورت پیش آئی۔ مسودے پر ہم نے نہایت غور سے نظرِ ثانی کی ہے۔ کچھ اہلِ علم کی جانب سے مناسب ترامیم تجویز کی گئیں جو شاملِ اشاعت کر لی گئیں۔ جن اصحاب نے مالی اعانت کی اُن کے ہم ممنون ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔

مترجمین

محرم الحرام ۱۴۲۵ھ (مارچ ۲۰۰۴ء)

پیش لفظ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ نُصَلِّی وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ط

ڈاکٹر ابو امینہ بلال فلپس کی مختلف تالیفات وتراجم میں سے زیرِ نظر گراں قدر کتاب "The Fundamentals of Tawheed" اُن کے توحید کے مبادی کی تشریح پر ریاض کے مِنارٹ اسلامی سکول میں دیئے ہوئے لیکچروں پر مبنی ہے جو انہوں نے انگریزی بولنے اور پڑھنے والوں کے لئے 1990ء (۱۴۱۰ھ) میں تالیف کی۔

مترجمین نے ایک تو یہ محسوس کیا کہ ۱۹۷۲ء میں اسلام قبول کرنے والا مسلمان کس طرح مشیئتِ الٰہی سے سات سال کے عرصے میں مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی سے دینی علوم میں مہارت حاصل کرتا ہے' پھر ان علوم میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کرتا ہے' دینی علوم پڑھاتا ہے' اور گراں مایہ دینی کتب تالیف کرتا ہے۔ دوسرے اس کتاب کا موضوع' اس کے ابواب کے عنوان اور اُن پر پیش کئے گئے مواد نے دل کو گرویدہ کیا اور یہ خیال آیا کہ عقائد کی درستی کے ساتھ دین کے احیاء کا جو عمل اس دور میں دیکھنے میں آرہا ہے' جس کی ابتدا امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے نویں صدی عیسوی میں کی اور اس خطے میں جس کی تائید حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اور اُن کے ساتھیوں کی دینِ اکبری کے خلاف جدوجہد سے ہوئی' اس میں حصّہ لینے کی خاطر حق کے متلاشی اُردو پڑھنے والوں کے لئے اس کتاب کا ترجمہ پیش کیا جائے۔ کیونکہ ہمیں بھی

توحید کے مبادی کی پہچان جیسی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کرائی' کی اسی قدر ضرورت ہے جتنی انگریزی پڑھنے والے مخاطبین کو۔ اِسی بنیادی پہچان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے گرد ہی تو دین کا علم اور اس پر عمل گردش کرتا ہے۔ تیسرے کتاب کا اعلیٰ معیار اور اعلیٰ اندازِ تالیف وتحریر محسوس کیا گیا کہ مدینہ منورہ کی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل' ایک منجھے ہوئے وسیع المطالعہ ریسرچ سکالر نے قرآن پاک کی آیات اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث پر مبنی مستند حق بات کہی ہے اور دنیاوی علوم میں دلچسپی رکھنے والوں کے لئے تحقیق شدہ تاریخی کتب اور انسائیکلو پیڈیا کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ خوبصورت اور نمایاں انداز یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ عقائد میں جو بگاڑ آیا اس کی درستی کے لئے بغیر لگی لپٹی سیدھی سچّی بات کہی ہے۔ کتاب کے ہر صفحے پر ہی حوالہ جات دے دیئے گئے ہیں تاکہ کوئی شک وشُبہ ذہن میں آ ہی نہ سکے اور ہر بیان کا حق ہونا وہیں پر واضح ہو جائے۔

ہم نے کتاب کے پیغام کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''بلغوعنّی ولوآیۃ'' (مجھ سے سیکھ کر پہنچا دو چاہے ایک بات ہی ہو) کے تحت دین کی اشاعت کے لئے ڈاکٹر بلال فلپس کی اجازت سے اس کتاب کے ترجمے کا بیڑا اٹھایا اور حق جاننے کا شوق رکھنے والوں کو پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ اس ترجمے کی نظرِ ثانی انعام الحق غازی صاحب' ایم۔فل۔(عربی)' اسسٹنٹ پروفیسر (عربی' اسلامیات)' فیکلٹی آف مینجمنٹ سائنسز' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد نے کی۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو ہمارے لئے اور اشاعت میں مدد کرنے والوں کے لئے' جن کے ہم مشکور ہیں' صدقۂ جاریہ اور توشۂ آخرت بنا دے۔ اس کے لئے ہم قارئین سے دعا کے خواستگار ہیں۔ ترجمہ عام فہم سہل زبان میں کیا گیا ہے' اس میں کسی قسم کی کوتاہی یا کتابت میں خامی پائی جائے تو درخواست ہے کہ اس سے آگاہی دی جائے تاکہ اِسے آئندہ دور کیا جا سکے۔

اسلام آباد — الداعیان الی الخیر

ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ (جون ۲۰۰۲ء) — مترجمین

ابتدائیہ

یہ ہر خاص و عام کو معلوم ہے کہ مذہب اسلام کی بنیاد توحید پر مرکوز ہے اور یہ بالکل واضح طور پر اس کلیے میں بیان کی گئی ہے: لا الہ الا اللہ (کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے) جس کا مطلب ہے کہ صرف ایک ہی سچا اللہ ہے اور صرف اسی کی ذات عبادت کے لائق ہے۔ یہ بظاہر سادہ سا کلّیہ ہی اسلامی اصولوں کے مطابق ایمان اور کُفر کے درمیان حدِ فاصل قائم کرتا ہے۔ توحید کے اسی اصول کی وجہ سے اسلام میں اللہ پر ایمان توحید پرستی سمجھا جاتا ہے اور اسلام کو یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ ایک اللہ کو ماننے والوں کا مذہب شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن توحید کے اسلامی تصور کے مطابق عیسائیت ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننے والا مذہب قرار دیا گیا ہے اور یہودیت کو ایک پُراسرار قسم کی بُت پرستی سمجھا جاتا ہے۔

چنانچہ توحید کا اصول بہت گہرے مطالب کا حامل ہے اور اس کی مزید وضاحت مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ یہ نکتہ اس حقیقت سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ کچھ مسلمان ابنِ عربی[1] کی طرح توحید کا مطلب یہ سمجھنے لگے کہ اللہ ہر چیز میں ہے اور ہر چیز اللہ ہے' یہ کہ وجود صرف ایک ہی ہستی کا ہے' جو اللہ ہے۔ تاہم صحیح عقیدہ مسلمانوں کی اکثریت نے اس کو وحدت الوجود کا نظریہ اور کُفر قرار دیا ہے۔ معتزلہ[2] کی طرز کے مسلمانوں کے مطابق توحید کا مطلب ہے

---

[1] محمد ابن علی ابن عربی ۱۱۶۵ء میں سپین میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۰ء میں دمشق میں فوت ہوئے۔ اُن کا دعویٰ تھا کہ اُن کے پاس باطنی نور ہے اور اللہ کے اسم اعظم کا انہیں علم ہے اور وہ خود کو خاتم الاولیاء کہتے تھے جو اُن کے مطابق نبوت سے بڑا درجہ ہے۔ ان کی وفات کے بعد آنے والی صدیوں میں ان کے ماننے والوں نے اُن کو ولی کا بلند درجہ دیا اور ان کو الشیخ الاکبر (سب سے بڑا آقا) کا خطاب دیا' لیکن مسلمان فقہا کی اکثریت نے اُن کو مُلحد قرار دیا۔ اُن کی خاص بنیادی کتابیں یہ ہیں: 'الفتوحات المکیہ' اور 'فصوص الحکم' (ایچ۔ اے۔ آر۔ گِب اور جے۔ ایچ۔ کریمرز 'شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' اتھاکا' نیویارک: کورنیل یونیورسٹی پریس ۱۹۵۳ء' صفحہ ۱۴۶۔۱۴۷)

[2] عقلیت پسند فلسفے کا مکتب جسے واصل ابن عطا اور عُمر و ابن عبید نے اموی دور (آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل) میں قائم کیا۔ اس مکتب فکر کو عباسی دور میں حکومت میں سو سال سے زیادہ بہت اثر و رسوخ حاصل ہوا اور یہ بارھویں صدی عیسوی تک اسلامی فکر پر اثر انداز رہا۔ ('شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' صفحہ ۴۲۱۔۴۲۶)

اللہ تعالیٰ کو اُس کی تمام صفات سے محروم کرنا اور یہ اصرار کرنا کہ وہ ہر چیز میں اور ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن صحیح عقیدہ مسلمانوں نے توحید کی اس تعریف کو بھی رد کر دیا اور اس کو الحاد قرار دیا۔

درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک تقریباً تمام مختلف مُلحدانہ فرقے جو اسلام کے مرکزی وجود سے علیحدہ ہوئے اُن سب نے اپنی علیحدگی کی ابتدا نکتۂ توحید ہی سے کی۔ اُن تمام لوگوں نے جنھوں نے اسلام کی تباہی اور اس کے پیروکاروں کی گمراہی کے لئے کام کیا' توحید کے اصول کو بے اثر کرنے کی کوشش کی' کیونکہ یہ اسلام کے اُس خُدائی پیغام کی اصل روح کو پیش کرتا ہے جو تمام انبیاء لے کر آئے۔ مُلحدوں نے اللہ کے متعلق ایسے تصورات پیش کئے ہیں جن کا اسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں' یہ تصورات انسان کو صرف اکیلے اللہ کی عبادت سے دُور کرنے کے لئے بنائے گئے۔ ایک دفعہ اگر لوگ اِن بُت پرستانہ فلسفوں کو مان لیں تو وہ آسانی سے ان بے شمار منحرفانہ خیالات سے متاثر ہو جاتے ہیں جو ان کو قبول کرنے والوں کو بالآخر اللہ کی سچّی عبادت کے لبادے میں مخلوق کی عبادت کی طرف لے جاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسلمانوں کو صاف طور پر اُن انحرافات سے بچنے کیلئے متنبہ کیا جن کا اُن سے پہلی قومیں شکار ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اس راستے پر قائم رہنے کی حوصلہ افزائی فرمائی جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود چلے تھے۔ ایک دن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بیٹھے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹّی میں ایک سیدھی لکیر کھینچی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس لکیر میں سے دونوں طرف نکلتی ہوئی کئی لکیریں کھینچ دیں۔ جب صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن شاخوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس زندگی میں مختلف قسم کی گمراہیوں والے راستے ظاہر کرتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ ان راستوں کے ہر سرے پر ایک شیطان بیٹھا ہوتا ہے جو لوگوں کو اس پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیان والی سیدھی لکیر کی طرف اِشارہ کر کے فرمایا یہ اللہ والے راستے کو ظاہر کرتی ہے۔ جب صحابہ کرامؓ نے مزید وضاحت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی میرا راستہ ہے اور مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی:

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ

''اور یہ کہ یہی ہے میری راہ جو سیدھی ہے' سو اسی پر چلو اور مت چلو (دوسرے) راستوں پر کہ پراگندہ کر دیں گے تم کو ہٹا کر اللہ کی راہ سے[1]'' [2]

چنانچہ یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ توحید کو واضح طور پر سمجھا جائے جس طرح اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا اور صحابہ کرامؓ نے سمجھا۔ ورنہ انسان آسانی سے گمراہی کے راستوں میں سے کسی ایک پر پہنچ سکتا ہے جب کہ وہ توحید کا دعویٰ بھی کرتا ہو' نماز بھی پڑھتا ہو' زکوٰۃ[3] بھی ادا کرتا ہو' روزے بھی رکھتا ہو اور حج بھی کرتا ہو۔ اللہ نے جو سب سے بڑا حکمت والا ہے قرآن میں اس حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ

''اور نہیں لاتے ایمان ان میں سے اکثر اللہ پر مگر اس طرح کہ وہ (اس کے ساتھ دوسروں کو) شریک ٹھہراتے ہیں۔''[4]

تاہم انگریزی پڑھنے والا جب نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج یا اسلام کے سیاسی اور معاشی نظام پر لکھی ہوئی بے شمار کتابوں کا موازنہ توحید کے موضوع پر لکھے ہوئے ایک آدھ صفحے یا کتابچے سے کرتا ہے تو وہ عورت یا مرد اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ توحید کی اسلام میں بہت کم اہمیت ہے۔ اس مفروضے کو مزید تقویت پہنچتی ہے جب اسلام کے بارے میں دیگر جامع کتابوں میں بھی توحید کے متعلق عام طور سے تقریباً نصف صفحے پر بحث ختم ہو جاتی ہے' جبکہ باقی تمام کتاب میں اسلام کے دیگر ستونوں کی تفصیل بیان ہوتی ہے۔ حالانکہ توحید ہی اسلام کی اصل بنیاد ہے جس پر دوسرے

---

[1] سورہ الانعام ۶:۱۵۳

[2] روایت کیا ابن مسعودؓ نے اور بیان کیا النسائی' احمدؒ اور الدارمیؒ نے۔

[3] سالانہ لازمی خیرات

[4] سورہ یوسف ۱۲:۱۰۶

ستون اور اصول قائم ہیں۔ اگر کسی کی توحید ہی صحیح نہیں تو اس کے باقی اسلام کا حاصل جاہلانہ بُت پرستی کی رسومات کے علاوہ کچھ نہیں رہتا۔ بلاشُبہ توحید کے بارے میں بہت کچھ لکھنے اور ترجمہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس خلا کو پُر کیا جائے اور ان غلط اعتقادات کی درستی ہو جو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں یکساں طور پر شدّت سے موجود ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں ایک عاجزانہ کوشش کی گئی ہے کہ انگریزی پڑھنے والوں کے لئے توحید کے اسلامی علم کے بڑے شعبوں کا بنیادی تجزیہ پیش کیا جائے۔ اگرچہ یہ کتاب علم التوحید پر عربی میں لکھی ہوئی مستند کتابوں جیسے 'العقیدۃ الطحاویہ'[1] کی طرز پر مبنی ہے' تاہم میں نے جان بوجھ کر مستند کتابوں میں پائے جانے والے مذہبی مسائل کو پیش کرنے سے اجتناب کیا ہے جن کی موجودہ زمانے کے انگریزی پڑھنے والوں کے لئے موزونیت نہیں ہے۔

اس کتاب کے لئے میں نے زیادہ مواد اُن اسباق سے حاصل کیا ہے جو میں نے ساتویں جماعت سے لے کر بارہویں جماعت کے طلباء کیلئے توحید کے موضوع پر منارات الریاض انگلش میڈیم اسلامک سکول کے لئے تیار کئے اور پڑھائے۔ اس لئے اس کی زبان پیچیدہ نہ ہونے کا خیال رکھا گیا۔ ان میں سے بہت سے اسباق اور ان کے علاوہ فقہ' حدیث اور تفسیر کے موضوعات پر دوسری تحریریں امریکا اور ویسٹ انڈیز کے مسلمانوں میں تقسیم کی گئی ہیں۔ مثبت ردِعمل اور ایسے مواد کی مزید طلب کے پیشِ نظر میں نے توحید کے ابواب پر نظرِ ثانی کر کے اور کچھ نئے موزوں عنوانات شامل کر کے ان کو کتابی شکل دینے کا فیصلہ کیا۔ میری دعا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور سب پڑھنے والوں کو اس سے حقیقی فائدہ حاصل ہو کیونکہ آخر کار صرف اللہ کی قبولیت ہی اہم ہے اور کامیابی صرف اللہ کی رضا سے ہے۔

ابوامینہ بلال فلپس

رمضان ۱۹۸۲ء

ریاض' سعودی عرب[2]

---

[1] ابن ابی العزّ الحنفی 'شرح العقیدۃ الطحاویہ' (بیروت: المکتب الاسلامی' آٹھواں ایڈیشن' ۱۹۸۴ء)

[2] کچھ مالی اور سماجی مشکلات کی وجہ سے میں اس کتاب کو اس سال (۱۹۸۹ء) سے پہلے شائع نہ کر سکا۔ تاہم مسودے کی اشاعت کے لئے تیاری کے دوران کچھ اضافی اور اصلاحی تبدیلیاں کی گئی ہیں جو ان شاءاللہ اس کتاب کی اہمیت میں اضافہ کریں گی۔

پہلا باب

توحید کے پہلو

لغوی طور پر توحید کا مطلب ہے ''ایک بنانا'' یا ''اِکائی پر اصرار کرنا'' اور یہ عربی لفظ وَحّد سے لیا گیا ہے جس کا مفہوم ہے ایک کرنا' متحد یا مضبوط کرنا۔[1] بہر حال جب لفظ توحید اللہ کے حوالے سے استعمال کیا جاتا ہے (توحید اللہ)[2] تو اس کا مطلب ہوتا ہے انسان کا تمام اعمال میں' جو بالواسطہ یا بلا واسطہ اللہ سے متعلق ہوں' اللہ کی وحدانیت کی سمجھ رکھنا اور اسے قائم رکھنا۔ یہ اس پر ایمان ہے کہ اللہ ایک ہے' اُس کی بادشاہی میں اور اُس کے کاموں میں اُس کا کوئی ساتھی نہیں (ربوبیت)' اُس کی ذات جیسی اور صفات جیسی کوئی اور ہستی نہیں (اسماء والصفات)' اور اُس کی خُدائی اور عبادت میں کوئی اُس کا مدِ مقابل نہیں (الوہیت/عبادت)۔ یہ تین پہلو اُن اقسام کی بنیاد ہیں جن میں علمِ توحید کی عام طور پر درجہ بندی کی جاتی ہے۔ یہ تینوں پہلو ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور اس حد تک لازم وملزوم ہیں کہ اگر کوئی ان میں سے کسی ایک پہلو کو بھی نظر انداز کرتا ہے تو وہ توحید کے تقاضے پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ مندرجہ بالا پہلوؤں میں سے کسی ایک کو چھوڑ دینا شرک کہلاتا ہے یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنا' جو کہ اسلام کے نقطہ نظر سے اصل میں بُت پرستی ہی ہے۔

---

[1] J.M. Cowan, 'The Hans Wehr Dictionary of Modern Written Arabic' (Spoken Language Services Inc., New York, 3rd ed.,1976), p.1005

[2] لفظ توحید حقیقت میں نہ تو قرآن میں آیا ہے اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ تاہم جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ ابن جبل کو ۹ ہجری میں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: ''تم عیسائیوں اور یہودیوں (اہلِ کتاب) کے پاس جا رہے ہو۔ اس لئے سب سے پہلی بات جس کی دعوت تم اُن کو دو گے وہ اللہ کی وحدانیت ہے (یُوَحِّدُ واللہ)۔ روایت کیا ابن عباسؓ نے اور جمع کیا البخاریؒ نے (محمد محسن خان' صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' ریاض: مکتبہ الریاض الحدیثہ' ۱۹۸۱ء' جلد ۹' صفحہ ۳۴۸۔۳۴۹' نمبر ۴۶۹) اور مسلمؒ نے (عبدالحمید صدیق' صحیح مُسلم' انگریزی ترجمہ' لاہور: شیخ محمد اشرف پبلشرز ۱۹۸۷ء' جلد ۱' صفحہ ۱۴۔۱۵' نمبر ۲۷)۔ اس حدیث میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کا فعل حال استعمال فرمایا جس سے اسم توحید بنا۔

توحید کے اِن تینوں پہلوؤں کو عام طور پر مندرجہ ذیل عنوانات کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ توحید الربوبیت (اللہ کے حاکم اعلیٰ اور رب ہونے کی یکتائی کو قائم رکھنا)
۲۔ توحید الاسماء والصفات (اللہ تعالیٰ کے ناموں اور صفات کی یکتائی کو قائم رکھنا)
۳۔ توحید العبادت (اللہ تعالیٰ کی عبادت کی یکتائی کو قائم رکھنا)[۱]

توحید کی اس کے جزیات میں درجہ بندی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی اور نہ اُن کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کی' کیونکہ ایمان کے اس بنیادی اصول کا اِس طریقے سے تجزیہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم اس درجہ بندی کے بنیادی ستونوں کی طرف اشارے قرآن کی آیات میں موجود ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارک اور صحابہ کرامؓ کی بتائی ہوئی تفاصیل سے عیاں ہیں' جیسا کہ پڑھنے والے پر ظاہر ہوگا جب ہر ایک درجہ بندی اِس باب میں تفصیل سے بیان کی جائے گی۔

اصولِ توحید کا تجزیہ اور تشریح کرنے کی ضرورت اُس وقت محسوس کی گئی جب اسلام مصر' بازنطین' فارس اور ہندوستان تک پھیل گیا اور ان علاقوں کی ثقافت کو جذب کر لیا۔ یہ توقع کرنا قدرتی بات ہے کہ ان علاقوں کے جو لوگ مسلمان ہوئے' اپنے پہلے اعتقادات کے کچھ بچے کھچے اثرات ان کے ساتھ باقی رہے۔ جب ان نئے مسلمانوں میں سے بعض نے تقریر اور تحریر میں اللہ تعالیٰ کے تصور کے متعلق اپنے اپنے فلسفے بیان کرنا شروع کیے تو ایک اُلجھن پیدا ہو گئی جس میں اللہ کی وحدانیت کے صاف ستھرے اور سادہ اسلامی اعتقاد کو خطرہ لاحق ہوا' کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے مگر اندر ہی اندر اسلام کے خلاف عمل پیرا تھے اور اسلام کو اندرونی سازشوں سے ختم کرنا چاہتے تھے' کیونکہ وہ عسکری طور پر ایسا کرنے کے اہل نہیں تھے۔ اس قسم کے لوگوں نے دانستہ اور عملی طور پر اللہ کے متعلق لوگوں میں گمراہ کُن غلط فہمیاں پھیلانا شروع کیں تاکہ ایمان کے پہلے ستون کو ڈھا دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی اسلام کو بھی۔

---

[۱] ابن ابی العز الحنفی 'شرح العقیدۃ الطحاویہ' صفحہ ۷۸

مُسلم تاریخ دانوں کے مطابق سب سے پہلا مسلمان جس نے انسانی خواہشات کی آزادی اور تقدیر کی نفی کا پرچار کیا وہ عراق کا ایک عیسائی نومُسلم سوسن تھا۔ سوسن بعد میں پھر عیسائی ہوگیا تھا لیکن اس سے پہلے وہ اپنے شاگرد معبد ابن خالد الجہنی جو بصرہ کا رہنے والا تھا' میں یہ جراثیم داخل کر چکا تھا۔ معبد اپنے اُستاد کی تعلیمات کا پرچار کرتا رہا' یہاں تک کہ اموی خلیفہ عبدالملک ابن مروان (۶۸۵ تا ۷۰۵ء) نے ۷۰۰ء میں اُسے پکڑوا کر قتل کروا دیا۔[1] نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو اُس زمانے میں موجود تھے مثلاً حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۶۹۴ء) اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۷۰۵ء) انہوں نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ اُن لوگوں سے جو تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے علیک سلیک نہ رکھیں اور اُن میں سے جو فوت ہوں اُن کا جنازہ بھی نہ پڑھیں۔ مطلب یہ کہ انہیں وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مرتد سمجھتے تھے۔[2] تاہم آزادیٔ طبع کے نظریے کے حق میں عیسائی فلسفیانہ دلائل کو نئے ہمدرد ملتے رہے۔ غیلان ابن مُسلم جو دمشق کا رہنے والا تھا' معبد کا شاگرد تھا اور آزادیٔ طبع یا تقدیر کی نفی کا پرچار کرتا تھا' حتیٰ کہ اُسے خلیفہ عُمر ابن عبدالعزیز (۷۱۷ تا ۷۲۰ء) کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس نے سب لوگوں کے سامنے اپنے اعتقادات سے توبہ کی۔ تاہم خلیفہ کی وفات کے بعد وہ پھر آزادیٔ طبع کے فلسفے کا پرچار کرنے لگا۔ اگلے خلیفہ ہشام ابن عبدالملک (۷۲۴ تا ۷۴۳ء) نے اسے گرفتار کیا' اس پر مُقدمہ چلا اور قتل کروا دیا گیا۔[3] اسی سلسلے کا ایک اور مشہور شخص الجعد ابن درہم تھا۔ وہ نہ صرف آزادیٔ طبع کے فلسفے کا حامی تھا بلکہ اُس نے قرآن کی آیات کو جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے نئے رنگ کے نوافلاطونی فلسفے کے مطابق' نئے معنی دینے کی بھی کوشش کی۔ الجعد ایک وقت اموی شہزادہ مروان ابن محمد جو بعد میں چودھواں خلیفہ بنا (۷۴۴ تا ۷۵۰ء) کا اُستاد بھی رہا تھا۔ دمشق میں اپنی تقریروں میں اُس نے اللہ تعالیٰ کی صفات مثلاً دیکھنے والا' سُننے

---

[1] ابن حجر' تہذیب التہذیب' (حیدرآباد' ۱۳۲۵۔۱۳۲۷) جلد ۱۰' صفحہ ۲۲۵

[2] عبدالقاہر ابن طاہر البغدادی' الفرق بین الفرق' (بیروت' دار المعارفہ' صفحہ ۱۹۔۲۰)

[3] محمد ابن عبدالکریم الشہرستانی' الملل والنحل (بیروت' دار المعارفہ' دوسرا ایڈیشن' ۱۹۷۵ء' جلد ۱' صفحہ ۳۰)

والا کا اعلانیہ انکار کیا' جس پر اموی گورنر نے اسے دمشق سے نکال دیا۔[1] وہ بھاگ کر کوفہ چلا گیا جہاں وہ اپنے خیالات کا پرچار کر کے اپنے مُرید اکٹھے کرتا رہا' یہاں تک کہ اس کے مُلحدانہ خیالات بہت مشہور ہو گئے اور اموی گورنر خالد ابن عبداللہ نے ۷۳۶ء میں اُسے سرِعام پھانسی دے دی۔ تاہم اُس کے خاص شاگرد جہم ابن صفوان نے اپنے اُستاد کا کام جاری رکھا اور ترمذ اور بلخ کے فلسفیوں کے حلقوں میں اپنے اُستاد کے نظریات کا دفاع کرتا رہا۔ جب اُس کی پھیلائی ہوئی مُلحدانہ باتیں عام ہوئیں تو اموی گورنر نصر ابن سیار نے ۷۴۳ء میں اُسے قتل کروا دیا۔[2]

شروع کے خلفائے وقت اور اُن کے گورنر اسلامی اصولوں کے زیادہ قریب تھے اور عوام کا بھی دینی شعور بلند تھا کیونکہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اُن کے شاگرد تابعین رحمتہ اللہ علیہم ابھی موجود تھے' چنانچہ اعلانیہ مُلحدوں اور مرتدوں کو ختم کرنے کے تقاضے کو حکمران فوری طور پر پورا کر دیتے تھے۔ برخلاف اس کے بعد میں آنے والے اُموی خلفاء زیادہ خراب ہو گئے اس لئے انہوں نے ایسے دینی امور کی طرف بالکل توجہ نہیں دی۔ خود عوام کے اسلامی شعور میں بھی کمی آ گئی لہٰذا وہ اب خلافِ دین نظریات سے زیادہ متاثر ہو سکتے تھے۔ جب اور زیادہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور بہت سی مفتوح اقوام کے علوم جذب کر لئے گئے تو مُلحدوں اور مرتدوں کو پھانسی دے کر بے دینی کی لہر کو روکنے کا رواج نہیں رہا۔ چنانچہ بے دینی کی لہر کو روکنے کا کام وقت کے علماء کے کاندھوں پر آن پڑا جو علم و دانش سے اِس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں آ گئے۔ اُنہوں نے باقاعدہ طور پر غیر اسلامی فلسفوں اور اعتقادات کی درجہ بندی کر کے قرآن اور سنت کے وضع کئے ہوئے اصولوں سے ترتیب وار اُن کا مقابلہ کیا۔ اس دفاع کی بدولت علمِ توحید اپنی بالکل درست اور واضح درجہ بندی اور جزیات کے ساتھ سامنے آیا۔ اِسی کے ساتھ اسلامی علم کے دوسرے حصّوں پر بھی تحقیق اور تخصیص حاصل کرنے کا کام شروع ہو گیا' جیسا کہ آج کل غیر مذہبی علوم میں ہوتا ہے۔ چنانچہ جب توحید کے مختلف درجوں کی علیحدہ علیحدہ اور گہرائی میں تحقیق کی

---

[1] احمد ابن حنبلؒ 'الردّ علی الجہمیہ' (ریاض' دار اللوا' پہلا ایڈیشن' ۱۹۷۷ء' صفحہ ۴۱-۴۳)

[2] محمد ابن عبدالکریم الشہرستانی 'الملل والنحل' جلد ۱' صفحہ ۴۶

جائے تو یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ سب ایک ہی کامل عضوباتی نظام کے حصّے ہیں جو کہ خود ایک بڑے نظام دینِ اسلام کی بنیاد ہے۔

توحیدالربوبیت (اللہ تعالیٰ کے حاکمِ اعلیٰ اور رب ہونے کی یکتائی کو قائم رکھنا)

توحید کے اس درجے میں یہ بنیادی تصور ہے کہ اللہ ہی سب چیزوں کو عدم سے وجود میں لایا' اس سے پہلے کچھ نہیں تھا۔ وہ ہی اپنی تخلیق کو قائم رکھے ہوئے ہے' اور وہ ہی اس کو چلا رہا ہے' بغیر اُن کی یا اُن سے اپنی کسی ضرورت کے' اور وہ بلاشرکتِ غیرے اس کائنات کا اور اس میں رہنے والوں کا مالک وحاکم اور رب ہے' اور اس کی بادشاہی کو حقیقتاً کوئی چیلنج کرنے والا نہیں۔ عربی زبان میں پیدا کرنے والے اور قائم رکھنے والے کے لئے جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ "**ربوبية**" ہے (اُردو میں ربوبیت) جو بنیادی لفظ ربّ سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس درجے کے مطابق چونکہ اللہ ہی کی ذات حقیقی طاقت ہے' اس لئے مختلف چیزوں میں حرکت اور تغیر وتبدل کی قوّت بھی اسی کی دی ہوئی ہے۔ اِس کائنات میں کچھ نہیں ہوتا سوائے اس کے جس کی وہ اجازت دے۔ اس حقیقت کو مانتے ہوئے پیغمبرِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اونچی آواز میں یہ کلمات بار بار کہا کرتے تھے: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ" (کوئی حرکت نہیں اور کوئی قوت نہیں ماسوائے اللہ کے حُکم اور اجازت سے)۔

ربوبیت کے تصور کی بنیاد مختلف قرآنی آیات میں ملتی ہے۔ مثلاً اللہ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ

"اللہ ہی خالق ہے ہر چیز کا اور وہی ہے ہر چیز پر نگران"[1]

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ

"اللہ نے پیدا کیا ہے تم سب کو اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو۔"[2]

---

[1] سورہ الزمر ۳۹:۶۲

[2] سورہ الصّفٰت ۳۷:۹۶

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

''اور نہیں پھینکی تھی تم نے (وہ ریت اُن پر) جب پھینکی تھی تم نے' بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔''[1]

مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

''نہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر اللہ کی اجازت سے۔''[2]

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصور کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''خبردار رہو اس بات سے کہ اگر تمام دُنیا کے لوگ جمع ہو کر بھی تمہاری کسی قسم کی کوئی مدد کرنا چاہیں تو وہ صرف اتنا ہی کر سکیں گے جتنا کہ اللہ نے تمہارے لئے پہلے سے لکھ رکھا ہے۔ اسی طرح اگر تمام دنیا کے لوگ جمع ہو کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ اتنا ہی نقصان پہنچا سکیں گے جتنا کہ اللہ نے پہلے سے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے۔''[3]

چنانچہ انسان جن واقعات کو اپنی خوش قسمتی یا بد قسمتی تصور کرتا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ واقعات ہیں جو اس زندگی کے امتحانات کا حصّہ ہیں۔ جس صورت میں واقعات پیش آتے ہیں وہ اللہ نے ہی مقرر کی ہوتی ہے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّ مِنْ أَزْوَٰجِكُمْ وَأَوْلَٰدِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَٱحْذَرُوهُمْ

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' یقیناً تمہاری بیویوں اور اولادمیں سے کچھ ایسے ہیں جو دشمن ہیں تمہارے' سو ہوشیار رہو تم ان سے۔''[4]

مطلب یہ ہے کہ زندگی کی خوشگوار چیزوں میں' انسان کے اللہ پر ایمان کے کڑے امتحان

---

[1] سورہ الانفال ۸:۱۷۔ اس میں اُس معجزانہ واقعے کی طرف اشارہ ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر مٹی اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکی تھی (جنگ بدر کے شروع میں)۔ اللہ نے اس مٹی کو دشمنوں کے چہروں تک پہنچا دیا حالانکہ وہ بہت فاصلے پر تھے۔

[2] سورہ التغابن ۶۴:۱۱

[3] روایت کیا ابن عباسؓ نے اور جمع کیا الترمذیؒ نے۔ دیکھئے عزالدین ابراہیم اور ڈینس جانسن ڈیویز' An-Nawawi's Forty Hadith' انگریزی ترجمہ (دمشق' شام: دی ہولی قرآن پبلشنگ ہاؤس' ۱۹۷۶ء) صفحہ ۶۸' نمبر ۱۹

[4] سورہ التغابن ۶۴:۱۴

ہیں اور اسی طرح زندگی میں پیش آنے والے خوفناک واقعات میں بھی امتحان ہوتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ

''اور ضرور آزمائیں گے ہم تم کو کسی قدر خوف اور بھوک سے اور (مبتلا کر کے) نقصان میں مال و جان اور (محنت کی) آمدنیوں کے۔ اور خوش خبری دو صبر کرنے والوں کو۔''[1]

کبھی کبھی واقعات کی صورتیں پہچانی جا سکتی ہیں جیسے کہ سبب اور نتیجے کے تعلق میں، اور کبھی نہیں پہچانی جاتیں جیسا کہ بظاہر برے ذرائع سے اچھے نتائج ملنا یا اچھے ذرائع سے برے نتائج نکلنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے بظاہر بے قاعدہ نتائج کے پیچھے جو حکمت کارفرما ہوتی ہے وہ انسان کی فہم سے اکثر بالاتر ہوتی ہے کیونکہ انسان کے علم کی رسائی محدود ہے۔

وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

''اور ہو سکتا ہے کہ ناپسند کرو تم کسی چیز کو جب کہ ہو وہ بہتر تمہارے حق میں اور ہو سکتا ہے کہ پسند کرو تم کسی چیز کو جب کہ ہو وہ بری تمہارے حق میں، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''[2]

بظاہر انسانی زندگی میں ہونے والے برے واقعات کبھی تو انسان کے حق میں اچھے ثابت ہوتے ہیں اور کبھی ظاہرہ اچھی چیزیں جن کی لوگ خواہش کرتے ہیں نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا اپنی زندگی کے عوامل پر انسانی اثر و رسوخ کا دائرہ صرف درپیش امکانات میں سے انتخاب کی حد تک ہے نہ کہ انتخاب سے نکلنے والے نتائج پر۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان

---

[1] سورہ البقرہ ۲:۱۵۵

[2] ایضاً ۲:۲۱۶

منصوبہ بناتا ہے مگر اس پر عمل اور اس کے نتائج اللہ کے اختیار میں ہیں۔ ظاہرہ ''خوش قسمتی'' اور ''بدقسمتی'' دونوں اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں' اور خوش قسمتی کسی طرح بھی اچھے طلسماتی شگونوں کا نتیجہ نہیں ہوتی جیسے خرگوش کے پاؤں' چار پتّے والی لونگ' خواہش والی ہڈیاں' خوش قسمت نمبر یا ستاروں کے بُرج وغیرہ۔ یا پھر بدقسمتی بُرے شگون کی وجہ سے نہیں ہوتی جیسے جمعہ کے دن ۱۳ تاریخ' شیشے کا ٹوٹنا' کالی بلّی کا راستہ کاٹنا وغیرہ۔ حقیقت میں شگونوں اور دیومالائی طلسمات یا جادوئی کرشموں پر یقین کرنا توحید ربوبیت میں شرک (حصہ داری) کے گناہِ کبیرہ کی علامت ہے۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہوئے اور بیعت کرنا چاہی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو آدمیوں سے بیعت لے لی اور دسویں کی بیعت نہیں لی۔ جب انہوں نے پوچھا کہ اُن کے ساتھی کی بیعت کیوں نہیں لی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تعویذ [1] پہنے ہوئے ہے۔ اُس آدمی نے فوراً اپنے کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈالا اور تعویذ توڑ کر پھینک دیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے بیعت لی۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی بھی تعویذ گنڈے پہنتا ہے وہ شرک کرتا ہے۔'' [2]

جہاں تک نقصان سے بچنے کے لئے یا خوش قسمتی حاصل کرنے کے لئے قرآن کے تعویذ پہننے یا گلے کے ہاروں پر یا تھیلی میں آیات قرآنی لکھ کر رکھنے کی بات ہے تو اس فعل میں اور مشرک لوگوں کے طور طریقوں میں کوئی فرق نہیں۔ نہ تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نے کبھی قرآن کو اس طریقے سے استعمال کیا' اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی بھی اسلام میں نئی چیز لاتا ہے جو اسلام سے متعلق نہیں ہوتی' رد کر دی جائے گی۔'' [3] یہ سچ ہے کہ سورہ الناس اور سورہ الفلق آسیب اور جادو کے اثر کو ختم کرنے کے لئے ہی

---

[1] تعویذ (طلسم) جو خوش قسمتی لانے یا بدقسمتی سے بچانے کے لئے پہنا جاتا ہے۔

[2] بیان کیا احمدؒ نے

[3] روایت کیا اس کو ام المومنین حضرت عائشہؓ نے اور جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۳' صفحہ ۵۳۵' نمبر ۸۶۱)' مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۳ صفحہ ۹۳۱' نمبر ۴۲۶۶ اور ۴۲۶۷) اور ابوداؤدؒ نے (احمد حسن 'سُنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' لاہور' شیخ محمد اشرف پبلشرز' پہلا ایڈیشن' ۱۹۸۴ء' جلد ۳' صفحہ ۱۲۹۴)

اُتاری گئی تھیں، لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے استعمال کا صحیح طریقہ بھی دِکھا دیا۔ ایک دفعہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ ابن ابی طالب سے فرمایا کہ وہ ان دونوں سورتوں کو ایک ایک آیت کر کے پڑھیں، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوتے تو خود اپنے اوپر پڑھ لیتے تھے۔[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو لکھ کر گردن میں نہیں لٹکایا اور نہ بازو یا کمر پر باندھا اور نہ دوسروں کو اس طرح کرنے کو کہا۔

توحید الاسماء والصفات (اللہ کے ناموں اور صفات کی یکتائی کو قائم رکھنا)

توحید کے اس درجے کے پانچ بڑے پہلو ہیں:

۱۔ پہلے پہلو میں اللہ کے اسماء وصفات کی اکائی کو قائم رکھنے کے لئے اللہ کا حوالہ صرف اسی طریقے سے دیا جائے جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا ہے، بغیر اللہ کے اسماء وصفات کی کوئی اور تاویل کئے، یعنی واضح معانی کے بجائے اسے کوئی اور معنی دیے۔ مثال کے طور پر اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ وہ کافروں اور مُنافقوں سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا:

وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا

''اور (تاکہ) سزا دے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو رکھتے ہیں اللہ کے بارے میں بُرے بُرے گمان۔ وہ خود ہی آ گئے بُرائی کے پھیر میں اور اللہ کا غضب ہوا اُن پر اور دُور کر دیا انہیں اُس نے اپنی رحمت سے اور مہیا کر دی اُن کے لئے جہنم جو ہے بہت بُرا ٹھکانا۔''[2]

لہٰذا ناراض ہونا اللہ کی صفات میں سے ایک ہے۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اللہ کے

---

[1] روایت کیا اس کو ام المومنین حضرت عائشہؓ نے اور جمع کیا البخاریؒ نے (صحیح البخاری، عربی۔ انگریزی، جلد ۶، صفحہ ۴۹۵، نمبر ۵۳۵) اور مسلمؒ نے (صحیح مسلم، انگریزی ترجمہ، جلد ۳، صفحہ ۱۱۹۵، نمبر ۵۴۳۹ اور ۵۴۴۰)

[2] سورہ الفتح ۶:۴۸

ناراض ہونے کا مطلب ضرور سزا دینا ہے کیونکہ ناراض ہونا انسان میں کمزوری کی نشانی ہے اور اِس طرح کا مطلب اللہ کے لئے شایانِ شان نہیں ہے۔ اللہ نے جو فرمایا ہے ہم کو وہی ماننا چاہیے' اس وضاحت کے ساتھ کہ اللہ کی ناراضگی انسانوں کی سی ناراضگی نہیں ہے' جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ''کوئی چیز اُس جیسی نہیں ہے۔''[1] نام نہاد ''عقلی'' بنیاد پر کی گئی تشریح کے طریق عمل کو جب منطقی انجام تک لے جایا جائے تو وہ اللہ کے انکار پر منتج ہوتا ہے' جیسا کہ اللہ اپنے آپ کو زندہ کہتا ہے اور انسان بھی زندہ ہے' اس لئے عقلی دلیل کے مطابق اللہ نہ تو زندہ ہے اور نہ اس کا کوئی وجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے اوصاف اور انسانوں کے اوصاف میں صرف نام کی مماثلت ہے' درجے کی نہیں۔ جب اللہ کے اوصاف کا تذکرہ ہو تو ان کو بے عیب اور کامل معنی میں لینا چاہیے جس میں انسانی کمزوریوں کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔

۲۔ توحید الاسماء والصفات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ کی ذات کا حوالہ صرف اسی طرح دیا جائے جس طرح اس نے اپنے متعلق خود فرمایا ہے' بغیر کوئی نئے نام یا صفات اس سے منسوب کئے۔ مثال کے طور پر اللہ کو الغاضب (ناراض ہونے والا) نہیں کہا جائے گا' باوجود اس کے کہ اُس نے خود یہ فرمایا ہے کہ وہ ناراض ہوتا ہے' کیونکہ نہ تو اللہ نے اور نہ اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام کبھی استعمال کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بہت باریک نکتہ لگے' مگر اللہ کی صفات کی غلط تشریح کو روکنے کیلئے اس کا قائم رکھنا ضروری ہے۔ یعنی ایک فانی انسان کی قدرت سے باہر ہے کہ وہ اپنے طور پر غیر فانی رب العالمین کی وضاحت کر سکے۔

۳۔ توحید الاسماء والصفات کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حوالہ اس کو مخلوق کی صفات سے منسوب کئے بغیر دیا جانا چاہیے' مثلاً انجیل اور تورات کے مطابق اللہ نے کائنات کو چھ دنوں میں بنایا اور ساتویں دن سو کر آرام کیا۔[2] اِسی وجہ سے یہودی اور عیسائی ہفتے یا اتوار کو آرام کا دن

---

[1] سورہ الشوریٰ ۴۲:۱۱

[2] Genseis ۲:۲ ''اور ساتویں دن خدا نے اپنا کام ختم کیا جو وہ کر چکا تھا' اور ساتویں دن اُس نے آرام کیا اپنے تمام کام سے جو وہ کر چکا تھا۔'' (ہولی بائبل' ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن' نیلسن' ۱۹۵۱ء' صفحہ ۲)

مناتے ہیں اور اس دن کام کرنے کو گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کا بیان اللہ کو اس کی مخلوق کی صفات منسوب کرتا ہے۔ یہ تو انسان ہی ہے جو سخت کام کرنے کے بعد تھک جاتا ہے اور پھر سونے سے اس کی کھوئی ہوئی قوت بحال ہوتی ہے۔[1] تورات اور بائبل میں کسی جگہ اللہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ (نعوذ باللہ) اُس کو بُرے خیالات آتے ہیں اور وہ اُن پر اسی طرح پشیمان ہوتا ہے جس طرح انسان اپنی غلطیوں پر پشیمان ہوتا ہے۔[2] اسی طرح یہ دعویٰ کرنا کہ اللہ ایک روح ہے یا اللہ کی بھی روح ہوتی ہے توحید کے اس پہلو کو مکمل طور پر برباد کر دیتا ہے۔ اللہ نے قرآن میں کہیں بھی اپنے آپ کو روح سے تعبیر نہیں کیا اور نہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس قسم کی کوئی بات کہی ہے۔ حقیقت میں اللہ نے تو روح کو اپنی تخلیق کا حصہ فرمایا ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے ذکر میں یہ قرآنی کلّیہ مدِنظر رہنا ضروری ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

''نہیں ہے اس سے مشابہ کوئی چیز اور وہ ہے سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا۔''[4]

سُننا اور دیکھنا انسانی اوصاف میں سے ہیں لیکن جب ان کو اللہ کے لئے استعمال کیا جائے تو اللہ کے کامل اوصاف کا کوئی موازنہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں انسانوں کے ان اوصاف کے لئے کان اور آنکھ کے آلات کا ہونا ضروری ہے جن کو اللہ تعالیٰ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ انسان خالق کے بارے میں جو علم رکھتا ہے وہ وہی تھوڑا سا علم ہے جو اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے اُسے دیا ہے۔ اس لئے انسان علم کی ان تنگ حدود کے اندر رہنے پر مجبور ہے۔ انسان جب اللہ کو

---

[1] اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر قرآن میں فرمایا ہے: ''اس کو کوئی تھکن نہیں ہوتی اور نہ اس کو نیند آتی ہے......'' (سورہ البقرہ ۲: ۲۵۵)

[2] Exodus ۳۲: ۱۴ ''اور خدا کو اس خیال سے بہت پشیمانی ہوئی کہ اُس نے اپنے بندوں کے ساتھ بُرائی کرنے کا سوچا۔'' ('ہولی بائبل' ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن)

[3] اللہ نے اس کو صاف طور پر اس آیت میں بیان فرمایا ہے: ''(اے محمدؐ) وہ آپ سے رُوح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ اُن کو بتادو کہ روح (کا وجود) میرے اللہ کے حکم سے ہے۔'' (سورہ الاسرا ۱۷: ۷۵)

[4] سورہ الشوریٰ ۴۲: ۱۱

بیان کرنے میں اپنی عقل کو بے لگام چھوڑ دیتا ہے تو وہ مخلوق کے اوصاف کو اللہ سے منسوب کرنے کی غلطیوں میں پھنس سکتا ہے۔

عیسائیوں نے تصویروں کے ذریعے چیزوں کو بیان کرنے کی چاہت میں مصوری اور بُت تراشی وغیرہ کے ذریعے بہت سی انسانی شکلوں سے ملتے جلتے عکس تیار کئے اور ان کو اللہ کی اشکال کہا۔ ان اشکال نے عام لوگوں کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ماننے کا راستہ صاف کر دیا۔ جب انہوں نے یہ تصور تسلیم کرلیا کہ خالقِ کائنات انسان جیسا ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خُدا ماننے میں کوئی حقیقی مسئلہ باقی نہیں رہا۔

۴۔ توحید الاسماء والصفات کے چوتھے پہلو کا تقاضا ہے کہ انسان کو اللہ کی صفات منسوب نہ کی جائیں۔ مثال کے طور پر عہد نامہ جدید (انجیل) میں ہے کہ پال نے سالم کے بادشاہ میلچیز دک کی شخصیت کو تورات سے لیا (جینیسس ۱۴:۱۸۔۲۰) اور اُس کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کو خُدائی اوصاف 'نہ آغاز والا نہ انتہا والا' کا حامل قرار دیا'

''اس کے لئے میلچیز دک جو سالم کا بادشاہ تھا اور ربِ عظیم کا پادری تھا' ابراہیم سے ملا جو بادشاہوں کو ذبح کر کے آ رہا تھا' اور اُس کو دُعا دی' اور ابراہیم نے اس کو ہر چیز کا دسواں حصّہ دیا۔ اپنے نام کے معنی کے لحاظ سے پہلے وہ سچائی کا بادشاہ ہے اور پھر وہ سالم یعنی امن کا بھی بادشاہ ہے۔ اُس کا کوئی ماں باپ نہیں ہے' وہ بغیر سلسلہ نسب کے ہے' نہ تو اُس کے دنوں کا آغاز ہے اور نہ زندگی کا اختتام' لیکن اللہ کے بیٹے کی مُشابہت کی وجہ سے وہ ہمیشہ پیشوا ہی رہے گا۔''[1]

''اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو ایسا درجہ نہیں دیا تھا کہ انہیں امامِ اعلیٰ بنا دیا جائے' لیکن ان کو تعینات کرنے والے نے ان سے کہا: 'تم میرے بیٹے ہو۔ آج میں نے تم کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔' کسی اور جگہ اُس نے یہ بھی کہا ہے: 'میلچیز دک کے نظام کے تحت تم بھی ہمیشہ پیشوا رہو گے۔'' [2]

---

[1] Hebrews ۷:۱۔۳ ('ہولی بائبل' ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن)

[2] Hebrews ۵:۵۔۶ ('ہولی بائبل' ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن)

بیشتر شیعہ فرقوں نے (سوائے یمن کے زیدی فرقے کے) اپنے اماموں کو اللہ کے اوصاف دے رکھے ہیں' جیسے سہو اور خطا سے مبرا[1] ماضی کے حالات کا علم' مستقبل کے حالات کا علم' غیب کا علم' تقدیر کو بدلنے کی قوت'[2] تخلیق کے ذرّوں کا کنٹرول۔[3] اس طرح سے انہوں نے اللہ کے حریف بنا لئے ہیں جن کو اللہ کے مخصوص اوصاف میں حصے دار بنا کر اللہ کے علاوہ خدا بنا لیا ہے۔

۵۔ اللہ کے ناموں کی یکتائی کو قائم رکھنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ کے نام اصل شکل میں مخلوق کو نہیں دیے جا سکتے جب تک اُن سے پہلے سابقہ 'عبد' جس کا مطلب غلام یا نوکر ہوتا ہے' نہ لگا لیا جائے۔ اللہ کے بہت سے نام ایسے بھی ہیں جن کی عمومی شکل (اسم نکرہ) جیسے 'رؤف' اور 'رحیم' انسانوں کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے' کیونکہ اللہ نے غیر مخصوص معنوں میں اُنہیں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کیا ہے۔ جیسے اللہ نے فرمایا:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

''بلاشبہ آیا ہے تمہارے پاس (اے لوگو) ایک رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم ہی میں سے' ناگوار ہے اس کے لئے

---

[1] محمد رضا المظفر اپنی کتاب 'فیتھ آف شیعہ اسلام' (یو ایس اے: محمدی ٹرسٹ آف گریٹ برٹن اور ناردرن آئرلینڈ' دوسرا ایڈیشن' ۱۹۸۳ء) میں بیان کرتے ہیں: ''یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر کی طرح امام بھی معصوم ہونا چاہیے جس کا مطلب ہے کہ پیدائش سے لے کر اپنی موت تک وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر ظاہری یا باطنی طور پر' غلطی کرنے یا غلط کام کرنے کے قابل نہیں ہونا چاہیے' کیونکہ امام اسلام کے محافظ ہیں' اور یہ ان کی حفاظت میں ہے۔'' (صفحہ ۳۲)۔ سید سعید اختر رضوی کی کتاب 'اسلام' صفحہ ۳۵ بھی دیکھیے (تہران: گروپ آف مسلم برادرز ۱۹۷۳ء)

[2] المظفر یہ بھی بیان کرتے ہیں: ''یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اماموں میں الہام حاصل کرنے کی قوت نہایت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے اور ہم اُسے اللہ کی دی ہوئی قوت تصور کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے امام کو ہر چیز کا علم ہر جگہ اور ہر وقت ہوتا ہے اور وہ چیزوں کو اللہ کی عطا کی ہوئی قوت کی مدد سے فوراً سمجھ لیتا ہے اور اس کو کسی استدلال کے طریق کار یا اُستاد کی ہدایت کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

[3] الخمینی کہتے ہیں: ''یقیناً امام کا ایک پُرشکوہ مقام ہے' ایک بہت اونچا عہدہ ہے' وہ تخلیقی خلافت رکھتا ہے۔ تخلیق کے تمام ذروں پر اُس کی بادشاہت اور غلبہ ہے۔'' (آیت اللہ موسوی الخمینی 'الحکومت الاسلامیہ' بیروت: التلیعہ پریس' عربی ایڈیشن ۱۹۷۹ء صفحہ ۵۲)

ہر وہ بات جو تمہیں تکلیف پہنچائے اور حریص ہے تمہاری بھلائی کا۔ اور مومنوں پر بڑا شفیق (رؤف) بے حد مہربان (رحیم) ہے۔'' [1]

لیکن الرؤف جس کا مطلب سب سے زیادہ شفیق اور الرحیم جس کا مطلب سب سے زیادہ مہربان ہے' انسانوں کے نام کے طور پر صرف اسی وقت استعمال ہو سکتے ہیں جب ان سے پہلے لفظ 'عبد' استعمال کیا جائے' جیسے عبدالرؤف یا عبدالرحیم' کیونکہ مخصوص شکل میں یہ اس اعلیٰ و کامل درجے کی نمائندگی کرتے ہیں جو فقط اللہ کا حق ہے۔ اسی طرح ایسے نام رکھنے سے منع کیا گیا ہے جیسے عبدالرسول (رسول کا غلام)' عبدالنبی (نبی کا غلام)' عبدالحسین (حسین کا غلام) وغیرہ جہاں لوگوں نے اپنے آپ کو اللہ کے علاوہ دوسروں کا غلام یا نوکر ظاہر کیا ہو۔ اسی اصول کی بنا پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو منع کیا کہ جو لوگ اُن کے اختیار میں ہیں انہیں عبدی (میرا بندہ) یا اَمتی (میری بندی) نہ کہا کریں۔ [2]

توحید العبادت (اللہ تعالیٰ کی عبادت کی یکتائی کو قائم رکھنا)

توحید کے پہلے دو درجوں کے وسیع مفہوم کے باوجود صرف ان پر مضبوط ایمان ہی توحید کی اسلامی ضروریات پورا کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ توحید الربوبیت اور توحید الاسماء والصفات کے ساتھ ساتھ توحید کے تیسرے تکمیلی جُز یعنی توحید العبادت کو لازماً شامل کیا جانا چاہیے تاکہ اسلام کے مطابق توحید کو مکمل کیا جا سکے۔ اِس نکتے کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ اللہ نے خود صاف طور پر بیان فرمایا ہے کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مشرکین بھی توحید کے پہلے دو درجوں کے بہت سے پہلوؤں کی توثیق کرتے تھے۔ قرآن میں اللہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ بُتوں کو پوجنے والوں سے کہہ دیں:

---

[1] سورہ التوبہ ۹:۱۲۸

[2] 'سنن ابوداؤد' (انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۳۸۵۔۱۳۸۶' نمبر ۴۹۵۷)

قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ

''(اُن سے) پوچھو کون رزق دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے۔ یا کون مالک ہے دیکھنے اور سُننے (کی قوتوں) کا اور کون نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور (کون) نکالتا ہے بے جان کو جاندار سے اور کون انتظام کرتا ہے تمام امور کا؟ تو وہ ضرور کہیں گے اللہ۔''[1]

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ

''اور اگر تم اُن سے پوچھو کہ کس نے پیدا کیا ہے اُنہیں تو ضرور کہیں گے یہ کہ اللہ نے۔''[2]

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ

''اور اگر پوچھو تم ان سے کون برساتا ہے آسمان سے پانی' پھر زندہ کرتا ہے اس کے ذریعے سے زمین کو اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد' تو ضرور کہیں گے اللہ۔''[3]

مکّہ کے بُت پرست یہ جانتے تھے کہ اُن کو پیدا کرنے والا' اُن کو پالنے والا' اُن کا حاکم اور اُن کا مالک و آقا اللہ ہی ہے مگر اس علم نے اللہ کے فرمان کے مطابق اُن کو مسلمان نہیں بنایا۔ بلکہ حقیقت میں اللہ نے فرمایا:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ

''اور نہیں ایمان لاتے ان میں سے اکثر اللہ پر مگر اس طرح کہ وہ (اس کے ساتھ دوسروں کو) شریک ٹھہراتے ہیں۔''[4]

---

[1] سورہ یونس ۱۰۔۳۱

[2] سورہ الزخرف ۴۳۔۸۷

[3] سورہ العنکبوت ۲۹۔۶۳

[4] سورہ یوسف ۱۲:۱۰۶

مجاہدؒ[1] اس آیت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں: ''ان لوگوں کا اللہ پر اتنا اعتقاد' جو ان کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ نے اُنہیں پیدا کیا' وہی اُن کو رزق دیتا ہے اور وہی ان کی زندگی ختم کرتا ہے' ان کو اللہ کے علاوہ دوسرے دیوتاؤں کی پرستش سے نہیں روکتا تھا۔''[2] اس سے پہلے بیان کی گئی آیات کی روشنی میں یہ صاف ظاہر ہے کہ کفار کو اللہ کی حاکمیتِ اعلیٰ' قلمرو اور طاقت کا علم تھا۔ درحقیقت وہ اللہ کی مختلف اقسام کی عبادت مثلاً حج' سخاوت' جانوروں کی قربانی کرتے تھے' ضرورت اور آفات کے ایام میں منتیں مانتے تھے اور عاجزانہ انداز میں اللہ سے دعائیں مانگتے تھے۔ حتیٰ کہ یہ بھی اُن کا دعویٰ تھا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔ اُن کے اس دعوے کی وجہ سے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ

''نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی' بلکہ تھا وہ سچا مسلمان اور نہ تھا وہ مشرکوں میں سے۔''[3]

کچھ مشرکین مکہ دوبارہ زندہ کئے جانے پر اور یوم حساب پر بھی ایمان رکھتے تھے' اور اُن میں سے کچھ تقدیر کو بھی مانتے تھے۔ قبل از اسلام شاعری میں اُن کے اس عقیدے کی کافی شہادت ملتی ہے۔ مثال کے طور پر زُہیر نامی شاعر کے کلام میں ہے:

''یا تو اس میں تاخیر ہو جاتی ہے یا پھر کتاب میں لکھ کر یوم حساب تک محفوظ کر دیا جاتا ہے اور یا پھر جلدی کی جاتی ہے اور بدلہ لے لیا جاتا ہے۔''

عنترہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ اُس نے اس طرح کہا ہے:

''او عبل' تم موت سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے اگر میرے آسمانی رب نے اِسے تمہاری

---

[1] مجاہدؒ ابن جبیرؒ المکی (۶۴۲۔۷۲۲ء) حضرت ابن عباسؓ کے سب سے ممتاز شاگرد تھے۔ اُن کی قرآن کی تفسیر (تشریح) کو عبدالرحمن الطاہر نے تدوین کیا اور ''تفسیر مجاہدؒ'' کے نام سے دو جلدوں میں شائع کیا (اسلام آباد' مجمع البحوث)۔

[2] ابن جریر الطبریؒ نے جمع کیا۔

[3] سورہ آل عمران ۳:۶۷

تقدیر بنا رکھا ہے؟''[1]

باوجود اس کے کہ مکّہ کے لوگ توحید کو مانتے تھے اور اللہ کا علم رکھتے تھے' پھر بھی اللہ نے ان کو کافر اور مُشرک قرار دیا' صرف اس لئے کہ وہ اللہ کی عبادت کے ساتھ دوسرے خداؤں کی بھی عبادت کرتے تھے۔

لہٰذا توحید کا سب سے اہم پہلو توحید العبادت ہے' یعنی اللہ کی عبادت میں یکتائی کو قائم رکھنا۔ ہر قسم کی عبادت صرف اللہ ہی کے لئے ہونی چاہیے کیونکہ وہی اکیلا عبادت کا حق دار ہے' اور وہی اکیلا انسان کو اس کی عبادت کا صلہ دیتا ہے۔ علاوہ ازیں عبادت میں اللہ اور انسان کے درمیان کسی سفارشی یا ثالث کی ضرورت نہیں ہے۔ عبادت کو صرف اللہ کے لئے مخصوص کرنے کی اہمیت کو اللہ نے اس طرح اُجاگر کیا ہے کہ تخلیقِ انسان کا اصل مقصد ہی صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا ہے اور تمام انبیائے کرام کے پیغام کی رُوح بھی یہی تھی۔ اللہ فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

''اور نہیں پیدا کیا ہے میں نے جن و انس کو مگر محض اس غرض سے کہ میری عبادت کریں۔''[2]

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

''اور یقیناً بھیجا ہم نے ہر امّت میں ایک رسول (یہ حکم دے کر) کہ عبادت کرو اللہ کی اور اجتناب کرو جھوٹے خداؤں (کی بندگی) سے۔''[3]

انسان کی تخلیق کے مقصد کو مکمل طور پر سمجھنا انسان کی جبلّی صلاحیتوں کے دائرے سے باہر ہے۔ انسان ایک فانی مخلوق ہے اور اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ غیر فانی خالق کے کاموں

---

[1] سلیمان ابن عبدالوہاب کی کتاب 'تیسیر العزیز الحمید' میں منقول ہے (بیروت: المکتب الاسلامی' دوسرا ایڈیشن' ۱۹۷۰ء' صفحہ ۳۴)

[2] سورہ الذّریٰت ۵۱:۵۶

[3] سورہ النحل ۱۶:۳۶

کامکمل طور پر ادراک کر سکے۔ چنانچہ اللہ نے انسانی فطرت کا یہ حصّہ بنا دیا کہ وہ اللہ کی عبادت کرے اور اُس نے پیغمبر اور وحی کی گئی کتابیں بھیج کر مقصدِ تخلیق کے پہلو کو اتنا ہی واضح کیا ہے جتنا انسانی ذہن اس کو سمجھنے کے قابل تھا' اور یہ مقصد ہے' جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا' اللہ کی عبادت' اور پیغمبروں کا مرکزی پیغام بھی صرف ایک اللہ کی عبادت ہی تھا' یعنی توحید العبادت۔ لہٰذا سنگین ترین گناہ شرک ہے' یعنی اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا' یا اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرنا۔ سورہ الفاتحہ جو ہر مسلمان مرد و زن کو دن میں کم از کم سترہ دفعہ اپنی نمازوں میں پڑھنا ہوتی ہے کی آیت نمبر ۴ ہے: ''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔'' یہ ایک واضح اعلان ہے کہ ہر قسم کی عبادت صرف اسی کے لئے ہی ہونی چاہیے جو عبادت کا جواب بھی دے' یعنی اللہ۔ اللہ کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کی یکتائی کی تصدیق یوں فرمائی ''اگر اپنی دعا میں کوئی چیز مانگو تو صرف اللہ سے مانگو اور اگر مدد مانگو تو صرف اللہ سے مانگو۔''[1] دعا میں کسی قسم کی سفارش یا ثالث کی ضرورت نہ ہونے کی اہمیت قرآن کی بہت سی آیات میں نمایاں ہے' جو اللہ کی انسان سے قربت کا اظہار کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ نے فرمایا:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ

''اور جب پوچھیں تم سے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میرے بندے میرے بارے میں' تو بے شک میں تو قریب ہی ہوں۔ جواب دیتا ہوں پکارنے والے کی پکار کا جب پکارتا ہے وہ مجھے۔ تو چاہیے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین رکھیں مجھ پر تاکہ وہ راہِ راست پالیں۔''[2]

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

---

[1] روایت کیا ابن عباسؓ نے اور جمع کیا الترمذیؒ نے۔ دیکھیے النووی کی 'Forty Hadith' (انگریزی ترجمہ) صفحہ ۶۸

[2] سورہ البقرہ ۲:۱۸۶

''اور یہ حقیقت ہے کہ ہم ہی نے پیدا کیا ہے انسان کو اور ہم ہی جانتے ہیں کہ کیا کیا وسوسے پیدا ہوتے ہیں اس کے دل میں' اور ہم اس کے زیادہ قریب ہیں اُس کی رگ جاں سے بھی۔''[1]

توحید العبادت پر یقین رکھنے اور تصدیق کرنے کی وجہ سے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اپنے اور اللہ کے درمیان ہر قسم کے ثالث سے اور اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانے سے انکار کیا جائے۔ اگر کوئی مُردوں سے دُعا کرتا ہے اور اُن سے زندہ لوگوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہونے کی' یا جو فوت ہو گئے ہیں اُن کی روحوں پر اثر انداز ہونے کی' توقع رکھتا ہے تو وہ مُردوں کو اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے' کیونکہ اس طرح عبادت اللہ اور اُس کی مخلوق کے درمیان بٹ جاتی ہے۔ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا شک وشبہ صاف صاف الفاظ میں فرما دیا ہے: ''دعا عبادت ہے''[2]
اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَلَا يَضُرُّكُمْ

''سو کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اُن کی جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں تمہیں ذرا بھی اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں تمہیں۔''[3]

إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ

''درحقیقت جنہیں پکارتے ہو تم اللہ کے سوا وہ بھی بندے ہیں تمہاری طرح کے۔''[4]

اگر کوئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا مانگتا ہے' یا کسی نام نہاد ولی' جن یا فرشتے سے مدد مانگتا ہے یا ان سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اللہ سے اس کے لئے مدد مانگ دیں تو ایسا کرنے والا بھی شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ ''غوث الاعظم'' کا تصور اور لقب جو کہ نادانوں نے شیخ

---

[1] سورہ ق ۵۰:۱۶

[2] ''سنن ابوداؤد' جلد ۱' صفحہ ۳۸۷' نمبر ۱۴۷۴

[3] سورہ الانبیاء ۲۱:۶۶

[4] سورہ الاعراف ۷:۱۹۴

عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ[1] کو دے رکھا ہے، بھی توحید العبادت میں شرک کرنے کا اظہار ہے۔ اس لقب کے اصل معنی ہیں ''سب سے بڑا بچانے والا، سب سے بڑھ کر خطرے سے بچانے والا'' اور اس قسم کے بیان تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مخصوص ہوتے ہیں۔ جب مصیبت آتی ہے تو کچھ لوگ سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کو ان کے اس لقب سے پکارتے ہیں اور ان سے مدد اور حفاظت طلب کرتے ہیں، حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے:

وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ

''اور اگر پہنچائے تم کو اللہ کوئی نقصان تو نہیں کوئی دور کرنے والا اس کا سوائے اللہ کے۔''[2]

قرآن میں ہے کہ جب مکہ کے لوگوں سے پوچھا گیا کہ وہ اپنی دعائیں بتوں سے کیوں مانگتے ہیں تو انہوں نے کہا:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلْفَىٰٓ

''(اور کہتے ہیں) نہیں عبادت کرتے ہم ان کی مگر اس غرض سے کہ پہنچا دیں وہ ہمیں قریب اللہ کے کسی درجے میں۔''[3]

وہ بتوں کو صرف ثالث کے طور پر استعمال کرتے تھے، مگر اللہ نے اُن کے اس طریقے کی وجہ سے اُن کو مشرک کہا۔ مسلمانوں میں جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں سے دُعا کرنے پر اصرار کرتے ہیں اُن کو اس حقیقت پر غور کرنا چاہیے۔

---

[1] سیّد عبدالقادرؒ (۱۰۷۷-۱۱۶۶ء) بغداد میں حنبلی فقہ کے ایک مدرسے اور ایک رباط (خانقاہ) کے سربراہ تھے۔ ان کے دیئے ہوئے خطبات ('الفتح الربانی' قاہرہ ۱۳۰۲ میں جمع شدہ) راسخ عقیدے سے متعلق تھے جن میں قرآن کی کچھ صوفیانہ تشریح بھی تھی۔ ابن عربی (پیدائش ۱۱۶۵ء) نے ان کو اپنے وقت کا قطب قرار دیا اور کہا کہ ان کا مقام سوائے اللہ کے باقی سب سے اونچا ہے۔ علی ابن یوسف الشطنوفی (متوفی ۱۳۱۴ء) نے ایک کتاب 'بہجت الاسرار' (قاہرہ ۱۳۰۴ء) لکھی جس میں اس نے سیّد عبدالقادرؒ سے بہت سے معجزے منسوب کئے۔ قادریہ صوفی سلسلہ بھی ان ہی کے نام سے موسوم ہے اور اس کی روحانی ریاضت اور قواعد ان سے منسوب کئے گئے ہیں۔ ('شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' صفحہ ۵-۷ اور ۲۰۲-۲۰۵)

[2] سورہ الانعام ۶:۱۷

[3] سورہ الزمر ۳۹:۳

تارسس کے رہنے والے 'سال' (جو بعد میں پال کہلائے) کی تعلیم سے متاثر ہو کر عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنالیا اور اپنی دعائیں عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی ماں سے مانگنا شروع کر دیں۔ کیتھولک عیسائیوں کے یہاں ہر موقعے کے لئے علیحدہ بزرگ یا ولی ہوتے ہیں جن سے وہ دعائیں مانگتے ہیں' اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ بزرگ یا ولی دنیا کے کاروبار پر براہِ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیتھولک عیسائی اپنے پادریوں کو بھی اللہ اور اپنے درمیان سفارشی کے طور پر استعمال کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے غلط عقیدے کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے پادری اپنے کنوار پن اور پرہیزگاری کی وجہ سے اللہ کے زیادہ نزدیک ہیں۔ اس لئے اس کا زیادہ امکان ہے کہ اللہ ان کی بات سُن لے گا۔ بہت سے شیعہ فرقوں نے بھی اپنے لئے ہفتے کے مخصوص دن اور دن کے کچھ گھنٹے مقرر کر رکھے ہیں جن میں وہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ [1] سے سفارش کے معاملے میں اپنے غلط عقیدے کی وجہ سے دعائیں مانگتے ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق عبادت میں روزہ' زکوٰۃ' حج اور جانوروں کی قربانی کے علاوہ اور بھی چیزیں شامل ہیں' جیسے جذبات محبت' اعتماد اور خوف وغیرہ' ان سب کے درجات ہوتے ہیں جو صرف اللہ ہی کے لئے ہونے چاہئیں۔ اللہ نے ان جذبات کا بھی ذکر کیا ہے اور ان میں تجاوز سے متنبہ کیا ہے' جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے:

وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا
يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ ۖ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ

''اور لوگوں میں سے (کچھ ایسے لوگ ہیں) جو بناتے ہیں اللہ کے سوا (دوسروں کو اللہ کا) مدِ مقابل' محبت کرتے ہیں ان سے ایسی محبت جیسی اللہ سے ہونی چاہئے اور وہ لوگ جو ایمان والے ہیں سب سے بڑھ کر محبوب رکھتے ہیں اللہ کو۔'' [2]

---

[1] حضرت فاطمہؓ پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ آپ کی شادی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے ہوئی۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ ان کے بیٹے تھے۔

[2] سورہ البقرہ ۲: ۱۶۵

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوٓا۟ أَيْمَـٰنَهُمْ وَهَمُّوا۟ بِإِخْرَاجِ ٱلرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَٱللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

''کیا نہیں تم جنگ کرو گے ایسے لوگوں سے، توڑ ڈالیں جنہوں نے اپنی قسمیں اور قصد کیا تھا جلاوطن کرنے کا رسول کو اور یہی وہ ہیں جنہوں نے ابتدا کی تھی تم پر (زیادتی کرنے میں) پہلی مرتبہ۔ کیا تم ڈرتے ہو ایسے لوگوں سے؟ حالانکہ اللہ زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ ڈرو تم اُس سے اگر ہو تم (واقعی) مومن۔'' [1]

وَعَلَى ٱللَّهِ فَتَوَكَّلُوٓا۟ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

''اور اللہ ہی پر بھروسا کرو، اگر ہو تم ایمان والے۔'' [2]

چونکہ لفظ عبادت کا مطلب ہے مکمل تابعداری اور اس میں اللہ کو سب سے بڑا اور آخری قانون دینے والا مانا جاتا ہے، اس لئے سیکولر قانونی نظاموں کو رائج کرنا، جن کی بنیاد شریعت (اسلامی قانون) پر نہیں ہے، اللہ کے قانون پر ایمان نہ ہونے اور ایسے نظاموں کے درست ہونے پر ایمان ہونے کے مترادف ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے ہی کی ایک شکل ہے (یعنی شرک ہے)۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے:

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَـٰفِرُونَ

''اور جو لوگ فیصلہ نہ کریں ان احکام کے مطابق جو نازل کئے ہیں اللہ نے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔'' [3]

ایک دفعہ صحابی رسول، عدی ابن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے، نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا: ''انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوا خدا بنا رکھا ہے'' [4] اور کہا: ''یقیناً ہم ان کی عبادت نہیں کرتے

---

[1] سورہ التوبہ ۱۳:۹

[2] سورہ المائدہ ۲۳:۵

[3] ایضاً ۴۴:۵

[4] سورہ التوبہ ۳۱:۹

تھے۔'' پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف مُڑ کر دیکھا اور پوچھا: ''کیا انہوں نے اس چیز کو حرام نہیں بنا دیا تھا جو اللہ نے حلال بنائی تھی [1] اور تم سب نے بھی اسے حرام ہی بنا لیا تھا' اور کیا انہوں نے اُس کو حلال نہیں بنا لیا تھا جو اللہ نے حرام کیا تھا[2] اور تم سب نے بھی اسے حلال بنا لیا تھا؟'' اس پر انہوں نے جواب دیا: ''ہم نے واقعی ایسا کیا تھا۔'' اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسی طریقے سے تم نے ان کی عبادت کی۔'' [3]

اس لئے توحید العبادت کا ایک اہم حصہ شریعت کے نفاذ سے متعلق ہے' خاص طور پر اُن ملکوں میں جہاں مسلمانوں کی آبادی اکثریت میں ہے۔ اللہ کا قانون ان نام نہاد مسلمان ملکوں میں دوبارہ رائج ہونا چاہیے جہاں آج کل کی حکومتیں باہر سے منگائے ہوئے سرمایہ دارانہ دستور یا اشتراکی دستور کے تحت چل رہی ہیں' اور اسلامی قانون یا تو بالکل ناپید ہے یا پھر معمولی اہمیت کے معاملات میں نافذ ہے۔ اسی طرح ان اسلامی ملکوں کو بھی جہاں اسلامی قانون صرف کتابوں میں درج ہے اور غیر مذہبی قوانین رائج ہیں' اسلامی شریعت کے تحت لانا ہوگا' کیونکہ شریعت زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہے۔ مسلمان ملکوں میں شریعت کے بجائے غیر اسلامی قانون کا قبول ہونا شرک ہے اور اقدام کفر ہے۔ جو لوگ اس کو تبدیل کرنے کی پوزیشن میں ہیں انہیں چاہیے کہ اس کو تبدیل کریں اور جو تبدیل نہیں کر سکتے ان کو چاہیے اس کافرانہ قانون کے خلاف آواز بلند کریں اور شریعت کے نفاذ کی حمایت کریں۔ اگر یہ بھی ناممکن ہو تو توحید کی سربلندی اور اللہ کی خوشنودی کے لئے غیر اسلامی حکومت سے سنجیدگی کے ساتھ نفرت اور حقارت کرنا چاہیے۔

---

[1] عیسائی پادریوں نے ایک سے زیادہ شادی اور چچازاد' ماموں زاد' پھوپھی زاد اور خالہ زاد سے شادی حرام بنائی ہوئی تھی۔ رومن کیتھولک مذہب میں پادریوں کے لئے شادی حرام تھی اور عام طور پر طلاق ممنوع تھی۔

[2] عیسائی پادریوں نے سور کے گوشت' خون اور شراب کا کھانا پینا حلال قرار دے دیا۔ بعض نے اللہ تعالیٰ کی انسانی روپ میں تصاویر اور مجسمے بنانے کی بھی اجازت دے دی۔

[3] جمع کیا اس کو الترمذیؒ نے

دوسرا باب

شرک کی اقسام

توحید کا مطالعہ اس وقت تک مکمل نہیں سمجھا جا سکتا جب تک اس کی ضد یعنی شرک کا محتاط تجزیہ نہ کر لیا جائے۔ پچھلے باب میں شرک کا کچھ ذکر ہو چکا ہے اور اس کی مثالیں بھی دی گئی ہیں کہ کس طرح شرک توحید کو مٹا دیتا ہے۔ تاہم اس باب میں شرک کا علیحدہ موضوع کے طور پر مطالعہ کیا جائے گا جس کی سنگین اہمیت کی اللہ نے قرآن میں تصدیق فرمائی ہے:

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ

"بے شک اللہ نہیں معاف کرتا یہ (گناہ) کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور معاف کر دیتا ہے شرک کے علاوہ (باقی گناہ) جس کے لئے چاہے۔"[1]

چونکہ شرک کا گناہ انسان کی تخلیق کے مقصد ہی کی نفی کرتا ہے اس لئے اللہ کے نزدیک یہ سنگین ترین گناہ ہے جس کو اللہ معاف نہیں کرے گا۔

شرک کے لغوی معنی ہیں شراکت داری، حصہ داری کرنا یا مل کر کام کرنا۔[2] لیکن اسلام میں اس کے معانی ہیں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بطور حصہ دار یا ساتھی شامل کرنا خواہ کسی بھی طریقے سے ہو۔ شرک کا مندرجہ ذیل تجزیہ ان تین درجوں کے مطابق ہے جو توحید کے مطالعے میں قائم کئے گئے ہیں۔ لہٰذا ہم پہلے ان خاص طریقوں کو دیکھیں گے جن سے شرک ربوبیت (حاکمیت اعلیٰ) کے دائرے میں واقع ہوتا ہے، پھر الاسماء والصفات میں اور اس کے بعد عبادت میں۔

---

[1] سورہ النساء ۴:۴۸

[2] The Hans Wehr Dictionary of Modern Written Arabic صفحہ ۴۶۸

ربوبیت میں شرک

اس درجے کے شرک سے مُراد یا تو یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ (نعوذ باللہ) مخلوق پر حاکمیت اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے بھی برابر کے یا تقریباً برابر کے شریک ہیں' یا پھر یہ عقیدہ کہ مخلوق پر کسی کی حاکمیت ہے ہی نہیں۔ زیادہ تر مذہبی نظام پہلی قسم کے ربوبیت کے شرک کے زُمرے میں آتے ہیں' جب کہ فلسفی اور اُن کے خود ساختہ فلسفیانہ نظریات دوسری قسم کے شرک کے دائرے میں آتے ہیں۔

(ا) شراکت کی وجہ سے شرک

اس ذیلی درجے کا تعلق ایسے عقیدوں سے ہے جن میں مخلوق پر ایک بڑے اللہ یا حاکم مطلق ہستی کو تو تسلیم کیا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ اس کی بادشاہی میں دوسرے کم درجے کے خداؤں' ارواح' فانی مخلوق' خلائی اشیاء اور زمینی اشیاء کو بھی شامل سمجھا جاتا ہے۔ فلسفیوں اور ادیان کے عالموں نے ایسے عقیدوں کے نظاموں کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا ایک خدا کو ماننے والا طبقہ اور دوسرا ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننے والے لوگوں کا طبقہ۔ اسلام کے مطابق یہ سب نظام ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننے والے ہی ہیں' اور ان میں سے بہت سے وحی کئے گئے مذہبی نظاموں کے انحطاط کے مختلف درجوں کے مظہر ہیں جن سب کی ابتدا توحید پر قائم تھی۔

ہندو مذہب میں حاکمِ مطلق ہستی برہما ہے جس کے متعلق اُن کا خیال ہے کہ وہ ہر چیز اور ہر ایک کے اندر رہتا ہے' رگ و جان میں جذب ہوتا ہے' ناقابلِ تغیر ہے' ہمیشہ رہنے والا ہے' غیر مرئی ہے' قائم بالغیر ہے اور مطلق العنان ہے۔ ہر چیز اس میں سے پیدا ہوتی ہے اور اسی میں ختم ہوتی ہے۔ جسم والا دیوتا برہما کائنات کا خالق ہے جو دنیا کو قائم رکھنے والے دیوتا وشنو اور تباہ کرنے والے دیوتا شِو سے مل کر تثلیث بنائے ہوئے ہے۔[1] اس طرح ہندو مذہب میں ربوبیت میں

---

[1] W.L.Reese, Dictionary of Philosophy and Religion (New Jersey: Humanities Press, 1980) pp. 66-67 and 586-587. See also John Hinnells, Dictionary of Religions (England:Penguin Books, 1984) pp: 67-68

شرک کا اظہار اللہ کی پیدا کرنے والی، تباہ کرنے والی اور قائم رکھنے والی قوتوں کو تین مختلف دیوتاؤں میں بانٹ دینے سے ہے۔

عیسائی اعتقاد کے مطابق ایک اللہ اپنے آپ کو تین شخصیتوں میں ظاہر کرتا ہے، باپ، بیٹا (حضرت عیسیٰؑ) اور متبرک روح۔ تاہم اِن تینوں کو اکائی سمجھا جاتا ہے، یعنی ایک ہی جوہر کا حصہ۔[1] پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کے درجے کو بلند کر کے خدائی کا درجہ دیا گیا ہے، وہ خدا کے دائیں ہاتھ بیٹھے دنیا کو انصاف مہیا کرتے ہیں۔ متبرک روح، جو عبرانی بائبل میں وہ ذریعہ ہے جس سے اللہ تخلیقی قوت استعمال کرتا ہے، عیسائی فکر میں خدائی کا حصہ ہو جاتی ہے۔ پال نے متبرک روح کو عیسیٰ علیہ السلام کی ہی متبادل ذات بنا دیا ہے جو عیسائیوں کی مددگار اور رہبر ہے، جو پینٹی کوسٹ کے دن پہلی دفعہ ظہور میں آئی تھی۔[2] نتیجے کے طور پر ربوبیت میں شرک عیسائیوں کے اس عقیدے میں واقع ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام اور متبرک روح خدا کی بادشاہی کے ہر پہلو میں حصہ دار ہیں اور اُن کے اس عقیدے میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکیلے دنیا کے متعلق فیصلے کرتے ہیں، اور اُن کے اس عقیدے میں بھی کہ متبرک روح عیسائیوں کی مددگار اور رہبر ہے۔

آتش پرستوں (پارسیوں) نے اپنے خدا، آہورا مزدا، کو ہر اچھائی کا خالق اور اکیلا ہر قسم کی عبادت کے لائق تصور کیا ہوا ہے۔ آہورا مزدا کی سات تخلیقات میں سے آگ کو اس کا بیٹا یا نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔ وہ بھی ربوبیت میں شرک کے مرتکب ہیں کیونکہ وہ بُرائی، تشدد اور موت کا خالق ایک دوسرے خدا ''اینگرا مینیو'' کو مانتے ہیں جس کو وہ اندھیرے کی علامت سے پیش کرتے ہیں۔[3] اس طرح خدا کی مخلوق پر بادشاہی اور حاکمیتِ اعلیٰ (اس کی ربوبیت) میں ایک بُری روح کو حصہ دار بنایا گیا ہے جس کو بلند کر کے مخالف خدا کا درجہ دیا گیا ہے، اس میں انسان کی اس خواہش کا دخل ہے کہ خدا کے ساتھ بُرائی کی تخلیق کو منسوب نہ کیا جائے۔

---

1. ''ڈکشنری آف ریلیجز'' صفحہ ۳۴۷
2. ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلیجن، صفحہ ۲۳۱
3. ڈکشنری آف ریلیجز، صفحہ ۳۶۱۔۳۶۲

مغربی افریقہ خصوصاً نائجیریا اور اس کے گردونواح میں رہنے والے ایک کروڑ سے زیادہ لوگ ''یوروبا'' مذہب کے پیروکار ہیں جس میں ایک بڑا خدا ''اولوریئس'' (آسمان کا خدا) یا ''اولوڈومیئر'' ہے۔ جدید یوروبا مذہب کی پہچان بے شمار ''اُریشا'' خداؤں کی عبادت ہے جس کی وجہ سے یوروبا ایک سے زیادہ خداؤں کی پرستش کا بے لچک مذہب معلوم ہوتا ہے۔[1] نتیجے کے طور پر یوروبا لوگ ربوبیت میں شرک کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے خدا کے تمام کام چھوٹے خداؤں اور رُوحوں کے سپرد کئے ہوئے ہیں۔

جنوبی افریقہ کے رہنے والے زُولو باشندے ایک خدا ''انکلنکولو'' پر اعتقاد رکھتے ہیں' جس کا مطلب ہے سب سے پُرانا' سب سے پہلا اور سب سے زیادہ لائقِ تعظیم۔ اس خدا کے مخصوص بڑے القاب ہیں ''آسمانوں کا بادشاہ'' اور ''سب سے پہلے ظاہر ہونے والا''۔ اُن کے بڑے خدا کو مرد کا رُوپ دیا گیا ہے۔ بادل کی گرج اور بجلی زولو مذہب ماننے والوں کے نزدیک خدا کے کام ہیں جب کہ بیماری اور زندگی کی دوسری تکالیف اُن بزرگوں کی وجہ سے ہیں جو وفات پا چکے ہیں' Idlozi یا Abaphansi یعنی وہ جو زمین کے نیچے ہیں۔ مردہ بزرگ زندہ لوگوں کی حفاظت کرتے ہیں' اُن کے لئے خوراک مانگتے ہیں' مذہبی رسومات اور قربانی سے خوش ہوتے ہیں' لاپروائی کی سزا دیتے ہیں اور پیشین گوئیاں کرنے والوں (Inyanga)[2] کو قابو میں کر لیتے ہیں۔ لہٰذا زولو مذہب کا ربوبیت میں شرک نہ صرف انسانی دنیا کی تخلیق کے تصور میں پایا جاتا ہے بلکہ اس میں بھی کہ انسانی زندگی میں خیر وشر مُردہ بزرگوں کی رُوحوں کا کام ہے۔

بعض مسلمانوں کا بھی ربوبیت میں شرک کرنا اُن کے اس عقیدے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ولیوں اور نیک لوگوں کی رُوحیں اُن کے فوت ہو جانے کے بعد بھی اِس دنیا کے کاروبار پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔ اِس عقیدے کے مطابق اُن کی رُوحیں لوگوں کی ضروریات پوری کرسکتی ہیں' حادثات سے بچا سکتی ہیں اور جو کوئی بھی اُنہیں مدد کے لئے بلاتا ہے اُس کی مدد کرسکتی ہیں۔ اِس طرح

---

[1] ''ڈکشنری آف ریلیجنز' صفحہ ۳۵۸

[2] ایضاً صفحہ ۳۶۳

قبروں کی پرستش کرنے والے لوگ انسانی روحوں کو زندگی کے معاملات پر اثر انداز ہونے کا خُدائی درجہ دے دیتے ہیں جو درحقیقت فقط اللہ ہی کر سکتا ہے۔

بہت سے مسلمان صوفیوں میں ''رجال الغیب''[1] کا عقیدہ عام ہے' جس کے لحاظ سے ان کے سردار کے عہدے کو ''قطب'' کہا جاتا ہے اور اس عہدے سے دنیا کے معاملات پر حکمرانی ہوتی ہے۔[2]

(ب) اللہ کے وجود سے انکار کا شرک

شرک کے اس ذیلی درجے میں وہ تمام فلسفیانہ نظریات اور تصورات شامل ہیں جو صراحتاً یا اشارتاً اللہ کے وجود کے منکر ہیں۔ یعنی ان میں سے کچھ تو خدا کے وجود کے منکر ہیں (دہریت) جب کہ کچھ خدا کے وجود کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر اس کا تصور اس طرح کیا جاتا ہے جو حقیقتاً خدا کے وجود کا انکار ہی ہوتا ہے۔

کچھ پُرانے مذہبی ''نظام'' ایسے بھی ہیں جن میں خدا کا وجود نہیں ہے' ان میں سب سے پہلا گوتم بدھ سے منسوب نظام ہے۔ بدھ مت' ہندو مذہب میں ذات پات کے خلاف ایک اصلاحی تحریک تھی جس کی بنیاد جین مت کی طرح چھٹی صدی قبل مسیح کے دوران رکھی گئی تھی۔ تیسری صدی قبل مسیح میں یہ سرکاری مذہب بن گیا اور بالآخر ہندو مذہب کا ہی حصہ بن گیا اور گوتم بدھ کو اوتار (انسانی شکل میں خدا) مانا جانے لگا۔ یہ مذہب ہندوستان سے تو غائب ہو گیا مگر چین اور دوسرے مشرقی ملکوں میں غالب آ گیا۔ ''ہنائن بدھ مت'' (۴۰۰ تا ۲۵۰ قبل مسیح) بدھ مت کی دو شاخوں میں سے قدیم اور زیادہ سخت' جو گوتم بدھ کی وفات کے بعد اُبھرا' نے صاف ظاہر کر دیا کہ

---

[1] لغوی معنوں میں ان کو دنیائے غیب کے لوگ کہا جاتا ہے۔ مفروضہ ہے کہ ''مصیبتوں سے بچانے والے'' ولیوں کے سلسلے سفارش کے ذریعے اس دنیا کو قائم رکھے ہوئے ہیں' ان کی تعداد مقرر ہے' ان میں سے جب کوئی مر جاتا ہے تو اس کی جگہ فوراً دوسرا پُر کر دیتا ہے۔ ('شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' صفحہ ۵۸۲)

[2] 'شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' صفحہ ۵۵

خدا کا کوئی وجود نہیں' لٰہذا نجات کا ذمہ دار انسان خود ہی ہے۔[1] چنانچہ بدھ مت کی یہ قدیم تشریح ربوبیت میں شرک کی ایک مثال قرار دی جا سکتی ہے جس میں اللہ کے وجود کا صاف طور سے انکار ہے۔

اسی طرح جین مت کی تعلیمات میں جنہیں وردھمن نے ترتیب دیا خدا کا کوئی وجود نہیں' البتہ مُردہ لوگوں کی روحیں آزاد ہو کر اس قسم کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں جس سے وہ موت سے آزاد ہو کر ہر جگہ موجود رہتی ہیں۔ اور یہ مذہبی گروہ ان کو دیوتا مانتے ہیں' ان کے لئے مندر بناتے ہیں اور اُن کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔[2]

ایک اور پُرانی مثال فرعون کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ اس نے خدا کے وجود کا انکار کیا اور موسیٰ علیہ السلام اور مصر کے لوگوں کے سامنے دعویٰ کیا کہ وہ (فرعون) ہی اکیلا تمام مخلوق کا حاکم اعلیٰ ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ''اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو خدا منتخب کر لیا تو میں تم کو یقیناً قید کر دوں گا''[3] اور اُس نے مصر کے لوگوں سے کہا تھا: ''میں ہی تمہارا حاکم اعلیٰ ہوں' بہت عظیم۔'' [4]

انیسویں اور بیسویں صدی میں یورپ کے بہت سے فلسفیوں نے خدا کے وجود سے انکار کا پرچار کیا اور اس کو 'خدا کی موت کا فلسفہ' کہا گیا (نعوذ باللہ)۔ جرمن فلسفی فلپ مینلینڈر (۱۸۴۱ تا ۱۸۷۶ء) نے اپنی سب سے اہم کتاب ''نجات کا فلسفہ'' (۱۸۷۶ء) میں کہا ہے کہ اس دنیا کا آغاز خدا کی موت سے ہوتا ہے کیونکہ خدا یکتائی کا وہ اصول ہے جو دنیا کی کثرت وجود میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے اور خوشی کا وہ اصول ہے جو دنیا پر چھائی ہوئی مصیبتوں کے قانون کی وجہ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔[5] پروشیا میں فریڈرک نٹشے (۱۸۴۴۔۱۹۰۰ء) نے بھی 'خدا کی موت' کے

---

[1] ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلیجن' صفحہ ۲۷

[2] ایضاً صفحہ ۲۶۲:۲۶۳

[3] سورہ الشعراء ۲۶:۲۹

[4] سورہ النٰزعٰت ۷۹:۲۴

[5] 'ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلیجن' صفحہ ۳۲۷

خیال کی تائید کی اور کہا کہ خدا انسان کے بے چین ضمیر کی تشکیل سے زیادہ کچھ بھی نہیں اور یہ کہ انسان توسُپر مین تک پہنچنے کا ذریعہ ہے[1] ژاں پال سارتر بیسویں صدی کا فرانسیسی فلسفی تھا' اُس نے بھی 'خدا کی موت' کے خیال کو دہرایا اور کہا کہ خدا کا وجود ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ منطق میں انتہا پر جا کر اس کی تردید ہو جاتی ہے۔ خدا کا تصور اس کے کہنے کے مطابق وہ ذہنی تصویر ہے جو انسان کو خود اپنی ہستی کے لئے بنانا پڑتی ہے[2]

ڈارون (متوفی ۱۸۸۲ء) نے کہا کہ انسان محض بندر کی ترقی یافتہ قسم ہے۔ اس قول کو انیسویں صدی کے فلسفیوں اور سائنس دانوں نے اپنے نظریوں میں وسیع پیمانے پر استعمال کیا' کیونکہ اس سے انہیں خدا کے نہ ہونے کے خیال کو ''سائنسی'' بنیاد مل گئی۔ ان کے مطابق مذہب کا بے جان چیزوں میں رُوح کی موجودگی کو ماننے (مظاہر پرستی) سے لے کر خدا کی وحدانیت تک ارتقا خود انسان کے ایک آزاد فردِ واحد سے لے کر ایک قومی ریاست تک فرضی سماجی ارتقا اور اس کے بندر سے انسان بننے کے جسمانی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہوا ہے۔

وہ تخلیقِ کائنات کے متعلق سوالوں سے یہ کہہ کر بچنا چاہتے ہیں کہ ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں اور اللہ کی یہ صفت کہ وہ بغیر آغاز اور بغیر انتہا کے ہے مادّے کو دے دیتے ہیں' حالانکہ مادّے کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ موجودہ زمانے میں اس خیال کو ماننے والے لوگوں میں کارل مارکس کے پیرو' کمیونسٹ اور سائنٹیفک سوشلسٹ ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ جو بھی چیز موجود ہے اُس کا مبدا متحرک مادہ ہے۔ وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا کا وجود انسان کے تخیل کی اختراع ہے جسے حکمرانوں کے طبقے نے اپنی آبائی حکمرانی کے جواز کے لئے قائم کر رکھا ہے اور اس کا مقصد مغلوب لوگوں کی توجہ ان حقیقتوں سے ہٹائے رکھنا ہے جن میں وہ رہ رہے ہیں۔

بعض مسلمانوں میں اس قسم کے شرک کی مثال ابنِ عربی کی طرح کے ان بہت سے صوفی لوگوں میں ملتی ہے جو وحدت وجود کا دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف اللہ ہی کا وجود ہے (سب کچھ اللہ ہے

---

[1] ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلیجن صفحہ ۳۹۱

[2] ایضاً صفحہ ۵۰۸۔۵۰۹

اور اللہ ہی سب کچھ ہے)۔ وہ اللہ کے علیحدہ وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور اس طرح وہ درحقیقت اللہ کے وجود کے منکر ہیں۔ اس خیال کا اظہار سترہویں صدی عیسوی کے ایک ولندیزی یہودی فلسفی باروچ سپنوزا نے بھی کیا تھا۔ اُس نے دعویٰ کیا کہ خدا اس کائنات کی ہر چیز بشمول انسان' کا مجموعہ ہے۔

الاسماء والصفات میں شرک

اس درجے کے شرک میں دو طریقے شامل ہیں' عام مشرکانہ عمل جس میں اللہ کو مخلوق کے اوصاف دیے جاتے ہیں اور وہ عمل بھی جس میں مخلوق کو اللہ کے نام اور اوصاف سے منسوب کیا جاتا ہے۔

(ا) اللہ کو انسان جیسا سمجھنے کا شرک

الاسماء والصفات کے اس طرح کے شرک میں اللہ تعالیٰ کو انسان یا جانوروں کی شکل اور اوصاف دیئے جاتے ہیں۔ چونکہ انسان جانوروں سے برتر ہے اس لئے اکثر و بیشتر بُت پرست لوگ خدا کو مخلوق میں ظاہر کرنے کے لئے انسانی شکل ہی استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا خالقِ کائنات کی مصوری' بت تراشی اور کندہ کاری میں عموماً ان لوگوں سے ملتی جلتی اشکال بنائی جاتی ہیں جو اُن کی پوجا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہندو اور بُدھ مت والے بے شمار ایسے بُتوں کی پرستش کرتے ہیں جن کی شکلیں ایشیائی مردوں سے مُشابہ ہوتی ہیں اور وہ ان کو خدا کا مخلوق میں مظہر تصور کرتے ہیں۔ موجودہ زمانے کے عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں خود خدا ہی تھا یعنی خالق اپنی مخلوق بن گیا تھا۔ یہ بھی اس قسم کے شرک کی ایک اور واضح مثال ہے۔ مائیکل انجلو (متوفی ۱۵۶۵ء) جیسے بہت سے نام نہاد عظیم عیسائی مصور ہوئے ہیں جنھوں نے ویٹیکن کے سِستائن گرجا کی چھت پر خدا کی ایسی تصویریں بنائیں جن میں اُسے ایک ننگے یورپی مرد کی شکل

میں پیش کیا گیا ہے جس کی لمبی سفید داڑھی ہے اور سر کے لمبے سفید بال ہیں۔ عیسائی دنیا میں ایسی تصویروں کی بہت قدر و منزلت ہوتی ہے۔

(ب) مخلوق کو معبود بنانے کا شرک

الاسماء والصفات میں اِس قسم کے شرک کا تعلق ان معاملات سے ہے جن میں اللہ کے تخلیق کردہ انسانوں یا چیزوں کو اللہ کے نام یا اوصاف دیئے جاتے ہیں یا وہ اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر پرانے زمانے کے عرب ان بتوں کی پوجا کرتے تھے جن کے نام اللہ تعالیٰ کے ناموں سے لئے گئے تھے۔ اُن کے تین بڑے بُت تھے: ''اللات'' کا نام اللہ کے نام 'اِلٰہ' سے لیا گیا تھا' ''العزّیٰ'' کا نام 'العزیز' سے لیا گیا تھا اور 'المنات' کا نام 'المنّان' سے لیا گیا تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب کے ایک علاقے یمامہ میں ایک جھوٹا نبی تھا جس نے اپنا نام رحمٰن رکھا ہوا تھا جو صرف اللہ کے لئے ہے۔

شیعہ فرقوں میں سے ایک فرقہ نُصیریہ ملک شام میں موجود ہے جس کا یہ اعتقاد ہے کہ پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد حضرت علیؓ ابن ابی طالب اللہ کا ظہور (مجسّم خدا) تھے اور اُنہوں نے ان کو بہت سی اللہ کی صفات دے رکھی ہیں۔ اِن ہی لوگوں میں اسماعیلی یا آغا خانی بھی ہیں جو اپنے لیڈر آغا خان کو خدا کا انسانی شکل میں ظہور (مجسّم خدا) سمجھتے ہیں۔ اِس قسم کے لوگوں میں لبنان کے دروز فرقے کے لوگ بھی شامل ہیں جن کا یہ اعتقاد ہے کہ فاطمی خلیفہ الحاکم بن اَمر اللہ انسانوں میں اللہ کا آخری ظہور تھا۔

الحلاّج جیسے صوفیوں کے ان دعووں کو بھی کہ وہ خُدا کے ساتھ مِل کر ایک ہو گئے ہیں اور خالق کا ظہور بن کر اس کی مخلوق کے درمیان رہتے ہیں' الاسماء والصفات کے اِس پہلو کے شرک میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ آجکل کے زمانے میں رُوحانیت کے ماہر اور رُوحانی عمل کے معمول جیسے شرلے میکلین' جے۔ زیڈ۔ نائیٹ وغیرہ اکثر اپنے لئے اور عام لوگوں کے لئے بھی خدائی کا

دعویٰ کرتے ہیں۔ آئنسٹائن کا نظریہ اضافیت ($E=mc^2$ ' توانائی = کمیت × روشنی کی رفتار^2) جو سب سکولوں میں پڑھایا جاتا ہے درحقیقت الاسماء والصفات میں شرک کا اظہار ہے۔ اس نظریے کے مطابق توانائی نہ تو پیدا کی جاسکتی ہے اور نہ تباہ کی جاسکتی ہے' یہ صرف مادّے میں تبدیل ہوجاتی ہے اور مادہ اس میں۔ تاہم توانائی اور مادّہ دونوں ہی تخلیق کردہ چیزیں ہیں اور یہ دونوں تباہ ہوجائیں گی جیسا کہ اللہ نے واضح طور پر فرمایا ہے:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ

''اللہ ہی خالق ہے ہر چیز کا۔ اور وہی ہر چیز پر نگران ہے۔''[1]

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

''ہر چیز جو زمین پر ہے فنا ہوجانے والی ہے۔''[2]

اس نظریے میں یہ بھی شامل ہے کہ مادّہ اور توانائی ہمیشہ باقی رہنے والی چیزیں ہیں' ان کا نہ کوئی آغاز ہے نہ انجام' چونکہ مفروضہ یہ ہے کہ یہ کسی سے پیدا نہیں ہوتیں اور ایک دوسرے میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ جبکہ یہ وصف فقط اللہ ہی کا ہے کہ صرف وہی اکیلا بغیر آغاز اور بغیر انتہا کے ہے۔

ڈارون کا نظریہ ارتقاء بھی یہ واضح کرنے کی ایک کوشش ہے کہ زندگی اور اس کی مختلف صورتوں کا بے جان مادّے سے ارتقاء خدا کی مداخلت کے بغیر ہوتا ہے۔ ڈارون کے ماننے والے بیسویں صدی کے سائنس دانوں میں سے ایک بہت مشہور سائنس دان سر الڈس ہکسلے نے اس خیال کا اظہار اس طرح کیا ہے:

''ڈارون کے نظریے نے خدا کے خالقِ حیات ہونے کے تصور کو قومی بحث کے دائرے سے خارج کردیا ہے۔''[3]

---

[1] سورہ الزمر ۶۲:۳۹

[2] سورہ الرحمٰن ۲۶:۵۵

[3] Quoted in Francis Hitching's `The Neck of the Giraffe` (New York: Ticknor and Fields, 1982) p.254 from Tax and Calendar, 1960, vol iii, p.45

عبادت میں شرک

شرک کے اس درجے میں عبادت کے اعمال کا مخاطب اللہ کے علاوہ کوئی اور ہوتا ہے اور اس عبادت کا صلہ بھی خالق کے بجائے مخلوق سے مانگا جاتا ہے۔ پہلے درجوں کی طرح شرک فی العبادت کے بھی دو بڑے پہلو ہیں۔

(الف) الشرک الاکبر (بڑا شرک)

اس قسم کا شرک اس وقت ہوتا ہے جب عبادت کا کوئی بھی عمل اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے کیا جائے۔ یہ بُت پرستی کی سب سے واضح صورت ہے جس سے لوگوں کو دور رکھنے کے لئے اللہ نے پیغمبروں کو خاص طور سے بھیجا۔ اس خیال کی حمایت میں اللہ کا قرآن میں یہ فرمان ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

''اور یقیناً بھیجا ہم نے ہر امت میں ایک رسول (یہ حکم دے کر) کہ عبادت کرو اللہ کی اور اجتناب کرو طاغوت (جھوٹے خداؤں) سے۔''[1]

طاغوت اصل میں ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جس کی عبادت اللہ کے ساتھ یا اللہ کے بجائے کی جائے۔ مثال کے طور پر محبت بھی ایک قسم کی عبادت ہے جو خالص حالت میں صرف اللہ کے لئے ہونی چاہیے۔ اسلام میں اللہ کی محبت کا مطلب ہے اللہ کی مکمل تابعداری۔ یہ وہ محبت نہیں ہے جو انسان فطری طور پر مخلوق یعنی ماں باپ، بچے، خوراک وغیرہ سے کرتا ہے۔ اس قسم کی محبت اللہ سے کرنے کا مطلب اللہ کا درجہ گھٹا کر اس کی مخلوق کے برابر کرنا ہے، جو الاسماء والصفات میں شرک ہے۔ وہ محبت جو کہ عبادت ہے مکمل طور پر اپنی مرضی کو اللہ کے حوالے کرنا ہے۔ لہٰذا اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ وہ ایمان والوں سے کہہ دیں:

---

[1] سورہ النحل ۱۶:۳۶

قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ

''کہہ دو! اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ سے تو اتباع کرو میرا، محبت کرے گا تم سے اللہ۔''[1]

اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا تھا: ''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک سچا ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے لئے اس کے بچے، اس کے باپ، اور تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''[2] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی بنیاد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشری خصائل نہیں ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پیغام ہے جس کا منبع اللہ تعالیٰ ہے۔ لہٰذا اللہ کی محبت کی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے احکام کی مکمل تابعداری ہے۔

اللہ نے اپنی آخری وحی کی گئی کتاب میں فرمایا ہے:

مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدۡ أَطَاعَ ٱللَّهَ

''جس نے اطاعت کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سو درحقیقت اطاعت کی اُس نے اللہ کی۔''[3]

اور یہ بھی فرمایا:

قُلۡ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ

''کہہ دو! اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی''[4]

اگر کوئی شخص کسی اور چیز یا انسان کی محبت کو اللہ اور اپنے درمیان جگہ دیتا ہے، تو گویا اُس نے اُس چیز کی پرستش کی۔ اسی بنا پر دولت اُس کا خدا بن سکتی ہے یا انسان کی خواہشات بھی اُس کا خدا بن سکتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''درہم کی عبادت کرنے والا ہمیشہ مفلسی میں

---

[1] سورہ آل عمران ۳:۳۱

[2] روایت کیا حضرت انسؓ نے اور جمع کیا البخاری نے (صحیح بخاری، انگریزی۔عربی، جلد ۱، صفحہ ۲۰، نمبر ۱۳) اور مسلمؒ نے (صحیح مسلم، انگریزی ترجمہ، جلد ۱، صفحہ ۳۱، نمبر ۷۱)

[3] سورہ النساء ۴:۸۰

[4] سورہ آل عمران ۳:۳۲

رہے گا۔"[1] اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے:

أَرَءَيْتَ مَنِ ٱتَّخَذَ إِلَـٰهَهُۥ هَوَىٰهُ

"کیا تم نے دیکھا اُس کو جس نے بنا رکھا ہے اپنا معبود اپنی خواہشات نفس کو؟"[2]

عبادت میں شرک کے گناہ کی سنگینی پر بہت زور دیا گیا ہے کیونکہ اس سے تخلیق انسانیت کے مقصد کی ہی نفی ہو جاتی ہے، جیسا کہ اللہ کے فرمان سے واضح ہے:

وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

"اور نہیں پیدا کیا ہے میں نے جن وانس کو مگر محض اس غرض سے کہ میری عبادت کریں۔"[3]

بڑا شرک اس کائنات کے حاکمِ اعلیٰ کے خلاف سب سے بڑی بغاوت ہے، لہٰذا یہ انتہائی درجے کا گناہ ہے۔ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ انسان کی تمام کی ہوئی نیکیوں کو مٹا دیتا ہے اور اس کے مرتکب کے لئے جہنم کی دائمی لعنت لازم ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے جھوٹا مذہب بنیادی طور پر شرک کی اسی قسم پر ہی قائم ہوتا ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے تمام مذہبی نظام کسی نہ کسی طرح اپنے پیروکاروں کو مخلوق کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ عیسائیوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک انسان کی عبادت کریں جو کہ خدا کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام تھے اور جن کے متعلق وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مجسّم خدا تھے۔ کیتھولک عیسائی حضرت مریم علیہا السلام کی 'خدا کی ماں' سمجھ کر عبادت کرتے ہیں اور فرشتوں کی، جیسے میکائیل علیہ السلام کی بطور سینٹ مائیکل[4] جن کی ۸ مئی اور ۲۹ ستمبر کو مائیکلمس ڈے منا کر تعظیم کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں انسانی سینٹوں سے بھی دعائیں مانگتے ہیں خواہ وہ اصلی ہوں یا جعلی۔

مسلمانوں میں جن کی عبادت کے اعمال اس درجے کے شرک کے زُمرے میں آتے

---

[1] روایت کیا البخاریؒ نے (صحیح بخاری، انگریزی۔عربی، جلد ۸، صفحہ ۲۹۶، نمبر ۴۴۳)

[2] سورہ الفرقان ۴۳:۲۵

[3] سورہ الذریٰت ۵۶:۵۱

[4] Wiliam Halsey (ed.), 'Colliers Encyclopedia' (USA:Crowell Collier Educational Foundation, 1970) vol.16, p.110

ہیں وہ لوگ ہیں جو نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صوفی سلسلوں کے ولیوں سے یہ سمجھ کر دعائیں کرتے ہیں کہ وہ اُن کی دعاؤں کا صلہ دے سکتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے قرآن میں صاف طور پر کہہ دیا ہے:

قُلْ أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتَىٰكُمْ عَذَابُ ٱللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ ٱلسَّاعَةُ أَغَيْرَ ٱللَّهِ تَدْعُونَ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ

''کہو (ان سے) ذرا غور کر کے بتاؤ! اگر آ جائے تم پر عذاب اللہ کا یا آ جائے تم پر قیامت تو کیا اللہ کے سوا (کسی اور کو) پکارو گے تم؟ اگر ہو تم سچے۔'' [1]

(ب) الشرک الاصغر (چھوٹا شرک)

حضرت محمود ابن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ''اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'میں تمہارے لئے جس چیز سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ ہے الشرک الاصغر (چھوٹا شرک)۔' صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا: 'اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ شرکِ اصغر کیا ہے؟' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: 'الریاء (دکھاوا کرنا) کیونکہ یقیناً قیامت کے دن جب لوگ انعام حاصل کر رہے ہوں گے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: 'جاؤ ان کے پاس جن کے لئے تم مادی دنیا کی زندگی میں ریاء سے کام لیتے تھے اور دیکھو کیا تم کو ان سے کوئی انعام ملتا ہے'۔'' [2]

حضرت محمود ابن لبیدؓ نے یہ بھی کہا: ''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور اعلان فرمایا: 'اے لوگو! خفیہ شرک سے باخبر رہنا۔' لوگوں نے پوچھا: 'اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ خفیہ شرک کیا ہوتا ہے؟' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: 'جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہو اور اپنی نماز کو اس لئے خوبصورت طریقے سے ادا کرے کہ لوگ اس کو دیکھ رہے ہیں' یہ خفیہ شرک ہے۔'' [3]

---

[1] سورہ الانعام ۶:۴۰
[2] روایت کیا اس کو احمدؒ' الطبرانیؒ اور البیہقیؒ نے الزہد میں۔ دیکھیے 'تیسیر العزیز الحمید' صفحہ ۱۱۸
[3] جمع کیا ابن خزیمہؒ نے۔

الرّیاء

لوگوں کو دکھانے اور تعریف کرانے کے لئے جو بھی عبادت کی جاتی ہے 'ریا' کہلاتی ہے۔ یہ ایسا گناہ ہے جس سے نیکی کے کاموں کا ثواب برباد ہو جاتا ہے اور اس کے کرنے والے کو سخت سزا ملتی ہے۔ یہ اس لئے بھی خاص طور پر خطرناک ہے کہ انسانی فطرت کے مطابق ہر انسان اپنے ہم نفسوں سے اپنی تعریف کی خواہش رکھتا ہے' جس سے اُسے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا لوگوں کو متاثر کرنے یا اپنی تعریف کرانے کے لئے مذہبی اعمال ادا کرنا ایسی بُرائی ہے جس سے ہر شخص کو زیادہ سے زیادہ محتاط ہونا چاہیے۔ یہ خطرہ اُن اہلِ ایمان کے لئے اور بھی اہم ہوتا ہے جو اپنی زندگی کے تمام نیک کام صرف اللہ ہی کی رضا کے لئے کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقت میں باعلم سچے مومنوں کا شرکِ اکبر کے مرتکب ہونے کا امکان کم ہوتا ہے' کیونکہ اس کے خطرات بہت نمایاں ہوتے ہیں۔ لیکن سچے اہلِ ایمان کے لئے بھی اور لوگوں کی طرح 'ریا کا مرتکب ہونے کا بہت امکان ہے کیونکہ یہ بالکل ڈھکی چھپی چیز ہے۔ اس میں صرف اپنی نیت تبدیل کرنے کی بات ہے۔ اس کے مرتکب ہونے میں ترغیبی قوتیں بھی بہت مضبوط ہوتی ہیں کیونکہ یہ انسان کی اندرونی خصلت سے آتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے: ''شرک اُس کالی چیونٹی سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جو کالے پتھر پر اندھیری رات میں چل رہی ہو۔''[1]

اس لئے اس معاملے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ انسان صحیح نیت سے نیک کام شروع کرے اور کام کے دوران بھی اُس کی نیت صحیح رہے۔ اس کو یقینی بنانے کے لئے اسلام میں کوئی بھی ضروری کام کرنے سے پہلے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلے وار دعائیں بتائی ہیں جو فطری عادات سے قبل اور بعد پڑھی جاتی ہیں' مثلاً کھانے پینے' سونے' مباشرت کرنے اور یہاں تک کہ پاخانے جانے کے لئے بھی' تاکہ یہ عادتاً روزمرہ کے کام بھی عبادت بن جائیں اور مسلمانوں میں اللہ کا شدید ادراک پیدا ہو

[1] روایت کیا اس کو ابن ابی حاتمؒ نے اور بیان ہے ''تیسیر العزیز الحمید' میں صفحہ ۵۸۷

جائے۔ یہی وہ اللہ کا ادراک ہے جو تقویٰ کہلاتا ہے اور جو آخر کار اس کی ضمانت ہے کہ نیتیں پاک صاف رہیں۔

اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگزیر شرک کے کاموں سے بچنے کے لئے کچھ دعائیں بتائی ہیں جو کسی بھی وقت پڑھی جاسکتی ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

''ایک دن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا: 'اے لوگو! شرک سے ڈرو کیونکہ یہ چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔' جن کو اللہ نے اجازت دی اُنہوں نے پوچھا: 'اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس سے کس طرح بچ سکتے ہیں جب یہ چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ چھپا ہوا ہے؟' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'یہ پڑھا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ اَنْ نُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَانَعْلَمُهٗ

''اے اللہ ہم کو اپنی پناہ میں رکھ اس سے کہ ہم سے 'دانستہ شرک ہو جائے' اور ہم کو معاف فرمادے اس سے جس کا ہم کو پتہ نہیں۔''[1]

آگے آنے والے ابواب میں ان نہایت اہم معاملات کا زیادہ تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا جن میں شرک اپنے تینوں پہلوؤں میں اکثر واقع ہوتا ہے۔

---

[1] جمع کیا احمدؒ اور الطبرانیؒ نے۔

تیسرا باب

اللہ کا آدمؑ سے عہد لینا

۔برزخ

ہندو مذہب کے روح کے دوبارہ جنم لینے کے عقیدہ تناسخ (آواگون) یعنی رُوح کا جُون بدلنا یا جسم کا تبدیل کرنا' کی اسلام میں کوئی حمایت موجود نہیں ہے۔[۱] جو لوگ اس عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں اُن میں سے کچھ 'کرم'[۲] کے اصول کو مانتے ہیں' جس کے تحت انسان کے موجودہ زندگی میں جمع کئے ہوئے اعمال پر منحصر ہے کہ وہ اگلے جنم میں کس حالت میں پیدا ہوگا۔ اگر کوئی بُرا تھا تو وہ اگلے جنم میں کسی نیچ ذات کی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوگا اور پھر اس کو اچھے کام کرنے پڑیں گے تاکہ وہ اگلے جنم میں کسی اونچی ذات میں پیدا ہو سکے۔ اور اگر وہ اس زندگی میں اچھا آدمی تھا تو وہ کسی اونچی ذات کی عورت سے جنم لے گا اور وہ پیدائشی نیک اور پرہیز گار ہوگا اور بہتر سے بہتر ذات کی عورت سے جنم لیتا رہے گا اور زیادہ پاک صاف ہوتا رہے گا' یہاں تک کہ برہمن ذات کے ایک فرد کے طور پر اُس کی تکمیل ہو جائے۔ جب اُس کی تکمیل ہو جاتی ہے تو پھر وہ دوبارہ جنم لینے کے سلسلے سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی روح حل ہو کر کائناتی روح ''برہما'' کا حصہ بن جاتی ہے' ایک ایسے عمل کے ذریعے جسے 'نروان' کہتے ہیں۔

---

۱ یہ عقیدہ کچھ ملحد اسماعیلی شیعہ فرقوں نے اپنایا ہے جیسے دروز لبنان میں اور نصیری (علوی) فرقہ شام میں (دیکھئے 'شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' صفحہ ۹۴-۹۵ اور صفحہ ۴۵۴-۴۵۵)

۲ 'کرم' کا بنیادی مطلب ہے 'عمل' کام کا کرنا یا کارنمایاں۔ ثانوی اعتبار سے یہ عمل کے اثر کو ظاہر کرتا ہے یا پہلے اعمال کے اثرات کے مجموعے کو۔ چنانچہ یہ 'چندوگیا اپنشد' (وید) میں بیان ہے کہ وہ لوگ جن کے گزشتہ اعمال اچھے تھے وہ موت کے بعد برہمن عورت کے پیٹ سے دوبارہ پیدا ہوں گے جبکہ وہ لوگ جن کے کام بُرے تھے نیچ ذات کی عورت کے پیٹ سے دوبارہ پیدا ہوں گے۔ (دیکھئے 'ڈکشنری آف ریلیجز' صفحہ ۱۸۰)

اسلام اور تمام وحی کئے گئے آسمانی مذاہب کے مطابق جب انسان اس دنیا میں فوت ہو جاتا ہے تو وہ قیامت کے دن تک دوبارہ پیدا نہیں ہوگا۔ اس دنیا کے تباہ ہو جانے کے بعد تمام انسان دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور اللہ کے سامنے حساب کتاب کے لئے پیش ہوں گے اور پھر اللہ جو اکیلا عبادت کے لائق ہے اور عادلِ مطلق ہے ان کے ساتھ انصاف کرے گا۔ انسان کے فوت ہونے کے وقت سے لے کر دوبارہ زندہ کئے جانے تک وہ ایک ایسی معلّق حالت میں رہتا ہے جسے عربی زبان میں "برزخ"[1] کہتے ہیں۔ یہ سوچنا حیرانی کا باعث نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی شخص ہزاروں سال پہلے فوت ہوا اور ہزاروں سال انتظار کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے' کیونکہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر انسان کی موت اُس کے دوبارہ زندہ کئے جانے کی ابتدا ہے۔ وقت صرف اُن لوگوں کے لئے ہوتا ہے جو اِس دنیا میں رہتے ہیں۔ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو وہ وقت کے دائرے سے نکل جاتا ہے اور ہزاروں سال آنکھ جھپکنے کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو سورہ بقرہ میں ایک کہانی بیان کر کے واضح کیا ہے۔ ایک شخص تھا جس نے اللہ تعالیٰ کی ایک مُردہ گاؤں کو دوبارہ زندہ کرنے کی قوت پر شک کیا۔ اللہ نے اس کو ایک سو سال تک مُردہ کر دیا' اور جب اُسے دوبارہ زندہ کیا تو اُس سے پوچھا کہ تم کتنی دیر تک "سوئے" رہے؟ اُس نے جواب دیا: "ایک دِن یا ایک دِن کا کچھ حصہ۔"[2] اسی طرح جو لوگ لمبے عرصے تک بے ہوش ہو جاتے ہیں وہ ہوش آنے پر اکثر یہی خیال کرتے ہیں کہ کچھ وقت بھی نہیں گزرا۔ اکثر اوقات آدمی کئی گھنٹے تک سوتا ہے مگر بیدار ہونے پر یہی محسوس کرتا ہے کہ ابھی تو آنکھ ہی لگی تھی۔ چنانچہ برزخ میں صدیوں انتظار کرنے کے متعلق تصور کی کوشش بے معنی ہے' کیونکہ اس حالت میں وقت کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔

---

[1] لغوی طور پر ایک علیحدہ کرنے والا پردہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "(وہ اپنے جھوٹ میں رہیں گے) جب تک ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہے گا: 'اے میرے مالک مجھے واپس بھیج تا کہ میں وہ اچھے کام کروں جن کی میں نے پروانہ کی۔' ہرگز نہیں! یہ صرف وہ الفاظ ہیں جو وہ کہتا ہے۔ ان کے پیچھے ایک علیحدہ کرنے والی دیوار (برزخ) ہے' ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک۔"
(سورہ المومنون ۲۳:۹۰-۱۰۰)

[2] سورہ البقرہ ۲:۲۵۹

قبل از تخلیق

اگر چہ اسلام انسانی روح کی بار بار پیدائش کے نظریے کو رد کرتا ہے تاہم یہ تسلیم کرتا ہے کہ ہر بچّے کی دنیا میں پیدائش سے پہلے اس کی روح تخلیق کی جا چکی تھی۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جب اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو عرفہ[1] کے دن مقام نعمان میں اللہ نے اُن سے ایک عہد لیا' پھر اللہ نے اُن کے جسم سے وہ تمام لوگ جو نسل در نسل اُن کی اولاد کے طور پر قیامت تک پیدا ہونے ہیں نکال لئے اور ان کو اپنے سامنے پھیلا دیا تا کہ اُن سے بھی عہد لیا جائے۔ اللہ نے روبرو اُن سے بات کی اور کہا: ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' سب نے جواب دیا: ''ہاں' ہم اس کے گواہ ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے پھر بتایا کہ اُس نے کیوں پوری انسانیت کو گواہ بنایا ہے کہ وہی اُن کا خالق ہے اور وہی سچّا اللہ ہے جو عبادت کے لائق ہے۔ اللہ نے فرمایا: ''یہ اس لئے کیونکہ تم (بنی آدم) روزِ قیامت یہ کہو گے کہ 'یقیناً ہم کو اس کا علم نہیں تھا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ تو ہمارا اللہ ہے۔ ہم کو کسی نے یہ نہیں بتایا کہ ہمیں صرف تیری عبادت کرنا ہے۔'' اللہ نے یہ بھی بتایا کہ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کیونکہ تم کہو گے کہ ''یہ تو ہمارے آباؤ اجداد تھے جنھوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنایا اور ہم تو اُن کی اولاد ہیں' کیا تو ہم کو اُن جھوٹے لوگوں کے اعمال کی وجہ سے تباہ کرے گا؟[2]''[3] یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قرآن کی اس آیت کی وضاحت تھی جس میں اللہ نے فرمایا:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنۢ بَنِىٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا۟ بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَآ ۛ أَن تَقُولُوا۟ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَٰفِلِينَ ﴿١٧٢﴾ أَوْ تَقُولُوٓا۟ إِنَّمَآ أَشْرَكَ

---

[1] بارھواں قمری مہینہ جسے ذوالحجہ کہتے ہیں کی نویں تاریخ۔

[2] سورہ الاعراف ۷:۱۷۲-۱۷۳

[3] یہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ صحیح حدیث میں سے ہے جسے احمدؒ نے جمع کیا۔ دیکھئے الالبانی'' کی 'سلسلہ الاحادیث الصحیحہ' (کویت: الدار السلفیہ اور عمان: المکتبہ الاسلامیہ' دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء) جلد ۴' صفحہ ۱۵۸' نمبر ۱۶۲۳

ءَ اٰبَآؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۢ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ

''اور (یاد کرو) جب نکالا تھا تیرے رب نے اولادِ آدم میں سے اُن کی پشتوں میں سے ان کی نسل کو اور گواہ بنایا تھا اُن کو خود اُن کے اوپر (اور پوچھا تھا) کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب؟ سب نے کہا تھا ہاں (تو ہی ہمارا رب ہے) ہم گواہی دیتے ہیں۔ (یہ ہم نے اس لئے کیا تھا) کہ کہیں (نہ) کہو تم قیامت کے دن ہم تو تھے اس بات سے بے خبر۔ یا کہو تم شرک تو کیا تھا ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے اور ہم تھے اُن کی اولاد اُن کے بعد۔ تو کیا پھر تو ہلاک کرے گا ہمیں ان (گناہوں کی پاداش) میں جو کرتے رہے جھوٹ کا شکار گمراہ لوگ؟''[1]

اِس آیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت سے اس حقیقت کی توثیق ہوتی ہے کہ ہر فرد اللہ پر ایمان رکھنے کا خود ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔ ہر انسان کا اللہ پر ایمان اُس کی روح پر نقش ہوتا ہے اور ہر بُت پرست کو اللہ اس کی زندگی کے دوران نشانیاں دکھا دیتا ہے کہ وہ بُت جس کی وہ پوجا کرتا ہے اُس کا اللہ نہیں ہے۔ اس لئے ہر سمجھدار انسان کا اللہ پر یہ ایمان ہونا چاہیے کہ اللہ اپنی مخلوق سے ماورا ہے نہ کہ اس کے اندر۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: ''اللہ نے تمام انسانوں کی دونوں آنکھوں کے درمیان روشنی کی چمک رکھ دی جو ان کا ایمان ظاہر کرتی تھی' اور ان سب کو آدم علیہ السلام کو دکھایا۔ آدم علیہ السلام اَن گنت انسانوں کو اور ان کی آنکھوں کے درمیان چمکنے والی روشنیوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے تو انہوں نے اللہ سے پوچھا: 'اے اللہ یہ کون ہیں؟' اللہ تعالیٰ نے ان کو بتایا کہ یہ سب اُن کی اولاد ہیں۔ آدم علیہ السلام نے ایک روشنی کو بڑے غور سے دیکھنا شروع کیا جس کی چمک نے اُن کو متعجب کیا' انہوں نے پوچھا یہ کون ہے' اللہ نے فرمایا: 'یہ ایک شخص داؤد ہے جو تمہاری اولاد کی آخری قوموں میں ہوگا۔' آدم علیہ السلام نے پھر پوچھا اس کی عُمر کیا ہے تو اللہ نے فرمایا ساٹھ سال' آدم علیہ السلام نے عرض کیا: 'اے اللہ تو اس کی عمر بڑھا دے اور میری عمر میں سے چالیس سال اس کو دے دے۔' لیکن جب آدم علیہ السلام کی زندگی کا وقت ختم ہوا اور موت کا فرشتہ آیا تو آدم علیہ السلام نے کہا: 'کیا میری زندگی کے چالیس سال ابھی باقی نہیں ہیں؟'

---

[1] سورہ الاعراف ۷: ۱۷۲۔۱۷۳

فرشتے نے جواب دیا: 'کیا وہ آپ نے اپنی اولاد میں سے داؤد کو نہیں دے دیئے تھے؟' آدم علیہ السلام نے انکار کیا کہ انہوں نے ایسا کیا تھا اور آپ کی اولاد نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کا انکار کر دیا۔ بعد میں آدم علیہ السلام اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو بھول گئے اور اس طرح ان کی اولاد بھی بھول گئی اور وہ سب غلطی کا شکار ہو گئے۔''[1] اللہ سے کیا ہوا عہد بھول جانے کی وجہ سے اور شیطان کے بہکانے کی وجہ سے آدم علیہ السلام نے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا' اور بنی آدم میں سے زیادہ تر لوگ اللہ پر ایمان لانے اور فقط اُس کی عبادت کرنے کی ذمّے داری کو بھول گئے اور مخلوق کی پرستش میں مبتلا ہو گئے۔

اس کے بعد اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ نے آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے کچھ لوگوں کی طرف اشارہ کیا جن کو اس نے آدم علیہ السلام کے جسم سے اور اُن کی اولاد کے جسموں میں سے نکالا تھا اور کہا: 'میں نے ان لوگوں کو جنّت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ لوگ جنّتی لوگوں والے کام کریں گے۔' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے باقی لوگوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: 'میں نے ان لوگوں کو دوزخ کی آگ کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ لوگ دوزخی لوگوں والے کام کریں گے۔'' جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو ایک صحابیؓ نے پوچھا: ''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر نیک کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''یقیناً اگر اللہ نے اپنے کسی بندے کو جنّت کے لئے پیدا کیا ہو تو اللہ اس کی جنّتی لوگوں جیسے کام کرنے میں مدد فرماتا ہے یہاں تک کہ اُن جیسا کوئی کام کرتے ہوئے اُس کی موت واقع ہو جائے' اور وہ اس وجہ سے اُسے جنت میں جگہ دے دے۔ لیکن اگر اُس نے کسی انسان کو دوزخ کی آگ کے لئے پیدا کیا ہے تو وہ دوزخی لوگوں جیسے کام کرنے میں اُس کی مدد کرتا ہے یہاں تک کہ وہ کوئی ایسا کام کرتے ہوئے مر جائے' اور وہ اس کی وجہ سے اُس کو آگ میں ڈال دے۔''[2]

---

[1] حضرت ابو ہریرہؓ کی مستند حدیث سے جسے الترمذیؒ نے جمع کیا ('صحیح' دیکھئے حاشیہ ۲۲۱' صفحہ ۲۴۱' العقیدۃ الطحاویہ' آٹھواں ایڈیشن ۱۹۸۴ء تالیف کیا الالبانیؒ نے)

[2] حضرت عمرؓ ابن خطاب کی ایک مستند روایت سے جسے جمع کیا ابوداؤدؒ نے ('سُنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۳۱۸' نمبر ۴۶۸۶) اور الترمذیؒ اور احمدؒ نے۔ (دیکھئے حاشیہ ۲۲۰' صفحہ ۲۴۰' الالبانیؒ کی 'العقیدۃ الطحاویہ' کی تصدیق آٹھواں ایڈیشن' ۱۹۸۴ء)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگوں کو نیکی اور بدی کا کوئی اختیار ہی نہیں ہے' کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو قیامت' جزا اور سزا کا تصور ہی بے معنی ہو جاتا۔ اللہ کا کسی کو جنت کے لئے تخلیق کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تخلیق سے پہلے ہی جانتا ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے ہو گا جو جنتی ہوں گے' بے اعتقادی کے بجائے ایمان کو اختیار کرنے کی وجہ سے' اور برائی کے بجائے نیک کاموں کا انتخاب کرنے کی وجہ سے۔

اگر کوئی شخص خلوص کے ساتھ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نیک کام کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ اس کو اپنا ایمان بہتر کرنے اور زیادہ نیک کام کرنے کے بہت سے مواقع فراہم کرے گا۔ اللہ کبھی مخلص ایمان کو ضائع نہیں ہونے دیتا' خواہ ایسا شخص سیدھے راستے سے کبھی بھٹک بھی جائے' اللہ مدد کر کے دوبارہ اُسے سیدھے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ ہوسکتا ہے اللہ اُس کو سیدھے راستے سے بھٹکنے پر اس زندگی میں سزا بھی دے تاکہ اُسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو جائے اور سمجھنے کے بعد ان غلطیوں کا ازالہ کر لے۔ اللہ اپنے رحم و کرم سے مخلص مومن بندے کو موت اُس وقت عطا کرتا ہے جب وہ کوئی نیک کام کر رہا ہو' اور اس طرح وہ اُس کا جنت کے خوش نصیب مکینوں میں شامل ہونا یقینی بنا دیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی اللہ پر ایمان نہیں رکھتا اور نیکی کو رد کرتا ہے تو اللہ اُس کے لئے بُرے کاموں میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ اُسے بُرے کاموں میں کامیابی دیتا ہے' اور اس طرح مزید بُرائی کرنے میں اُس کا حوصلہ بڑھتا ہے' یہاں تک کہ وہ گنہگاری کی حالت میں مر جاتا ہے اور اپنی بدکاریوں کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے دوزخ میں پھینک دیا جاتا ہے۔

فطرت

چونکہ اللہ نے ہر انسان سے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اپنی ربوبیت کے متعلق قسم لی تھی' یہ قسم پانچویں مہینے میں ماں کے رحم میں بچے کے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی ہر انسانی روح پر نقش ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر پیدا ہونے والا بچہ قدرتی طور پر اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ قدرتی

ایمان عربی زبان میں 'فطرۃ'[1] (فطرت) کہلاتا ہے۔ اگر بچے کو اس کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی پہچان رکھتے ہوئے بڑا ہوگا' مگر تمام بچے بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنے ماحول کا اثر لیتے ہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے کہا ہے: ''میں نے اپنے بندے سچے مذہب پر تخلیق کئے تھے مگر شیاطین نے انہیں بھٹکا دیا۔''[2] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے مگر اُس کے والدین اُس کو یہودی یا عیسائی بنا دیتے ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ایک جانور ایک عام بچے کو جنم دیتا ہے۔ کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ جانور نے بچہ دیا ہو اور اُس کا کوئی حصہ کٹا ہوا ہو تمہارے کاٹنے سے پیشتر؟''[3] چنانچہ بالکل اسی طرح جس طرح ایک بچے کا جسم اُن طبعی قوانین کا مطیع ہوتا ہے جو اللہ نے قدرتی ماحول میں بنائے ہیں' اس کی روح بھی قدرتی طور پر اللہ کو اپنا حاکم اعلیٰ اور خالق تسلیم کرتی ہے۔ لیکن اُس کے والدین اس کو اپنے راستے پر چلانے لگتے ہیں' اور بچہ زندگی کے شروع میں اتنی قوت والا نہیں ہوتا کہ ماں باپ کی مرضی کی مزاحمت یا مخالفت کر سکے۔ اس مرحلے میں بچے جس مذہب پر کاربند ہوتے ہیں وہ رسم ورواج اور پرورش پر مبنی ہوتا ہے اور اس مذہب کو اختیار کرنے پر نہ تو اللہ بچے سے باز پرس کرتا ہے اور نہ اس کو سزا دیتا ہے۔ جب بچہ جوان اور بالغ ہو جاتا ہے اور اس کے مذہب کے جھوٹا ہونے کے واضح ثبوت اس کو ملتے ہیں' اُس وقت نوجوان کو چاہیے کہ وہ علم اور دلائل والا مذہب اختیار کرے۔[4] اس مقام پر شیاطین اس کو ترغیب دیتے ہیں کہ نوجوان اُسی پر قائم رہے جس پر وہ ہے یا پھر زیادہ بھٹک جائے۔ بداعمالیاں اُس کے لئے خوشگوار بنادی جاتی ہیں اور اُسے سیدھا راستہ تلاش کرنے کے لئے اپنی فطرت اور خواہشات کے درمیان ایک جدوجہد میں رہنا پڑتا ہے۔ اگر وہ اپنی فطرت کا انتخاب کر لیتا ہے تو اللہ اس کو خواہشات پر قابو پانے میں مدد

---

[1] 'العقیدۃ الطحاویۃ' (آٹھواں ایڈیشن' ۱۹۸۴ء) صفحہ ۲۴۵

[2] 'صحیح مسلم' (انگریزی ترجمہ) جلد ۴' صفحہ ۱۴۸۸' نمبر ۶۸۵۳

[3] جمع کیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۴' صفحہ ۱۳۹۸' نمبر ۶۴۲۳) اور البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔انگریزی) جلد ۸' صفحہ ۳۸۹۔۳۹۰' نمبر ۵۹۷

[4] 'العقیدۃ الطحاویۃ' (پانچواں ایڈیشن' ۱۹۷۲ء) صفحہ ۲۷۳

دیتا ہے، خواہ اس میں اس کی زندگی کا بیشتر حصہ ہی کیوں نہ گزر جائے، کیونکہ بہت سے لوگ زندگی کے آخری حصے میں اسلام قبول کرتے ہیں، اگرچہ زیادہ تر لوگ اس سے پہلے ہی یہ میلان رکھتے ہیں۔

چونکہ فطرت کے خلاف یہ تمام طاقتور قوتیں برسر پیکار ہوتی ہیں، اس لئے اللہ نے چند نیک بندوں کا انتخاب کیا اور اُن کو زندگی کا سیدھا راستہ بتا دیا۔ یہ نیک بندے جن کو ہم پیغمبر کہتے ہیں ہماری فطرت کی مدد کے لئے بھیجے گئے تاکہ فطرت اپنے دشمنوں کو شکست دے سکے۔ اس وقت دنیا کے تمام معاشروں میں جتنی بھی سچائی ہے اور جو بھی اچھے اعمال ہیں سب ان پیغمبروں کی ہی تعلیمات کا نتیجہ ہیں، اور اگر ان کی تعلیمات نہ ہوتیں تو آج دنیا میں امن یا سلامتی بالکل نہ ہوتی۔ مثال کے طور پر مغربی دنیا کے بیشتر ملکوں کے قوانین حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے دس احکام پر مبنی ہیں، جیسے "تم چوری نہیں کرو گے" اور "تم قتل نہیں کرو گے" وغیرہ، اگرچہ یہ ملک مذہب کے اثر سے آزاد سیکولر حکومتیں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

چنانچہ انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ پیغمبروں کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کرے کیونکہ یہی ایک راستہ ہے جو انسان کی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس کو اس معاملے میں بھی بہت محتاط ہونا چاہیے کہ وہ ایسے کام صرف اس وجہ سے نہ کرے کہ اس کے والدین یا والدین کے والدین ایسا کرتے آئے ہیں، خاص طور پر جب اس کو علم بھی ہو جائے کہ یہ طریقے غلط ہیں۔ اگر اس نے سچ کا راستہ نہ اپنایا تو وہ بھی اُن گمراہ لوگوں کی طرح ہوگا جن کے متعلق اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَآ أَوَلَوْ كَانَ ءَابَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْـًٔا وَلَا يَهْتَدُونَ

"اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ پیروی کرو ان (احکام) کی جو نازل کئے ہیں اللہ نے تو کہتے ہیں نہیں بلکہ ہم تو پیروی کریں گے اُن (طور طریقوں) کی جن پر پایا ہے ہم نے اپنے آباواجداد کو۔ کیا پھر بھی کہ ہوں اُن کے باپ

دادا ایسے جو نہ سمجھتے ہوں کچھ اور نہ سیدھے راستے پر ہوں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں ہم کو اپنے والدین کی بات ماننے سے منع کیا ہے اگر وہ ہم کو پیغمبروں کے بتائے ہوئے راستے کے خلاف چلنے کو کہیں۔

اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ

''اور ہدایت کی ہے ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کی۔ لیکن اگر وہ زور ڈالیں تجھ پر کہ شریک ٹھہرائے تو میرے ساتھ ایسے (معبودوں کو) کہ نہیں ہے تجھے ان کے بارے میں کوئی علم، تو نہ اطاعت کرتو ان کی۔'' [2]

پیدائشی مسلمان

وہ خوش نصیب لوگ جو مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ ایسے سب ''مسلمانوں'' کو جنت یقینی طور پر خود بخود نہیں مل جائے گی، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار کیا تھا کہ مسلمان قوم میں سے بہت سے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کی اتنی زیادہ تقلید کریں گے کہ اگر وہ چھپکلی کے سوراخ میں گھس جائیں تو مسلمان بھی اُن کے پیچھے اُسی سوراخ میں گھس جائیں گے۔ [3] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ قیامت سے پہلے کچھ مسلمان حقیقت میں بتوں کی پرستش کریں گے۔ [4] ایسے تمام لوگوں کے نام مسلمانوں والے ہوں

---

[1] سورہ البقرہ ۲:۱۷۰

[2] سورہ العنکبوت ۲۹:۸

[3] روایت کیا حضرت ابوسعید الخدریؓ نے اور جمع کیا البخاریؒ اور مسلمؒ نے (صحیح البخاری عربی۔ انگریزی، جلد ۹، صفحہ ۳۱۴۔۳۱۵، نمبر ۴۲۲) اور صحیح مسلم (انگریزی ترجمہ، جلد ۴، صفحہ ۱۴۰۳، نمبر ۶۴۴۸)

[4] روایت کیا حضرت ابوہریرہؓ نے اور جمع کیا البخاریؒ اور مسلمؒ نے (صحیح مسلم انگریزی ترجمہ، جلد ۴، صفحہ ۱۵۰۶، نمبر ۶۹۴۴ اور ۶۹۴۵ اور صحیح البخاری عربی۔ انگریزی، جلد ۹، صفحہ ۱۷۸، نمبر ۲۳۲)

گے اور وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہوں گے' لیکن روزِ حساب یہ اُن کے کسی کام نہیں آئے گا۔ آج کل دنیا بھر میں ایسے مسلمان موجود ہیں جو فوت شدہ لوگوں سے دعائیں مانگتے ہیں' قبروں پر گنبد اور مسجدیں بناتے ہیں اور ان کے گرد عبادات کی رسوم بھی ادا کرتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خود کو مسلمان کہتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ مانتے ہوئے اُن کی عبادت کرتے ہیں۔[1] کچھ لوگوں نے قرآن کو خوش قسمتی کا طلسماتی تعویذ سمجھ لیا ہے اور اُسے زنجیروں میں باندھ کر اپنے گلوں میں پہنتے ہیں' کاروں میں لٹکاتے ہیں یا چابیوں کے گچھوں کے ساتھ باندھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے ایسے لوگ جو ایسی مسلمان دنیا میں پیدا ہوئے اور اپنے ماں باپ کے اعمال یا عقیدوں کی اندھی تقلید کر رہے ہیں' اُن کو چاہیے کہ تھوڑی دیر رُک کر یہ سوچیں کہ آیا وہ اتفاقی طور پر مسلمان ہیں یا ارادی طور پر؟ کیا اسلام یہی ہے جو کچھ اُن کے والدین' قبیلے والے یا ملک وقوم والے کیا کرتے تھے یا کر رہے ہیں یا یہ کہ جو قرآن کی تعلیم ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرامؓ کے اعمال تھے؟

عہدِ الست

وہ عہد جو ہر انسان نے تخلیق سے پہلے اللہ کے ساتھ کیا وہ یہ تھا کہ میں اللہ کو اپنا حاکمِ اعلیٰ مانتا ہوں اور میں اُس کے ساتھ کسی دوسرے کی کسی قسم کی عبادت نہیں کروں گا۔ یہی شہادت (ایمان کا اظہار) کا اصل مطلب ہے جو ہر ایک کو ضرور کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ پورا مسلمان بن جائے۔ لا الٰہ الا اللہ (کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ کے) جسے کلمہ توحید بھی کہا جاتا ہے' یعنی اللہ کے ایک ہونے کا بیان۔ اس زندگی میں اللہ کے واحد ہونے کی شہادت دینا فقط اُس عہد کی تصدیق ہے جو ابتدائے آفرینش کے وقت روحانی حالت میں کیا گیا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عہد کو کیسے پورا کیا جائے؟

اس عہد کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خلوص کے ساتھ توحید پر ایمان لائے

---

[1] شام کے نصیری اور فلسطین ولبنان کے دروز۔

اور اپنی روزانہ کی زندگی میں اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ توحید پر عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان شرک کے تمام اعمال سے اپنے آپ کو بچائے (اللہ کے ساتھ کسی کو حصے دار نہ بنائے) اور اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر غور کر کے چلے، جن کو اللہ نے اس دنیا میں توحید پر قائم زندگی گزارنے کی عملی اور زندہ مثال بنا کر بھیجا تھا۔ چونکہ انسان نے اللہ کو اپنا حاکم اعلیٰ مان لیا ہے اس لئے اسے چاہیے کہ صرف اُن ہی اعمال کو نیک سمجھے جن کو اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک قرار دیا ہے، اور اس کام کو بُرا سمجھے جس کو انھوں نے بُرا بتایا ہے۔ ایسا کرتے وقت توحید کا اصول ذہنی طور پر عمل میں آ جاتا ہے۔ یہ طریقہ بہت اہم ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کوئی کام دیکھنے میں تو بہت اچھا لگے مگر حقیقت میں وہ بُرا ہو۔ مثال کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی غریب آدمی چاہتا ہے کہ بادشاہ اُس کے لئے کوئی کام کر دے، تو اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ کسی شہزادے سے یا کسی اور ایسے شخص سے جو بادشاہ کے قریب ہو اپنے حق میں بادشاہ کو بات کہلوا دے۔ اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی چاہے کہ اللہ اُس کی دعائیں قبول کر لے، تو اس کو چاہیے کہ وہ خدا کے رسول یا کسی ولی سے یہ دُعا کرے کہ وہ اللہ تک اُس کی دعا پہنچائے کیونکہ وہ خود تو روزمرہ کے گناہوں کی وجہ سے بہت پلید ہے۔ یہ بات مدلّل نظر آ سکتی ہے مگر اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ دُعا مانگی جائے تو صرف اللہ سے، بغیر کسی اور کو درمیان میں لائے۔[1] اسی طرح ہو سکتا ہے کوئی کام دیکھنے میں بُرا نظر آئے مگر حقیقت میں وہ اچھا ہو۔ مثال کے طور پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ چوری کرنے پر چور کے ہاتھ کاٹنا ظلم ہے یا شراب پینے پر کوڑے مارنا غیر شائستہ بات ہے، اور کسی کو یہ بھی احساس ہو سکتا ہے کہ یہ سزائیں بہت سخت ہیں اور اچھی نہیں ہیں۔ مگر یہ

---

[1] اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ج

''اور فرمایا تمہارے رب نے پکارو مجھے، جواب دوں گا میں تمہاری دعاؤں کا۔'' (سورہ الغافر ۴۰:۶۰)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر دعا میں مانگو تو صرف اللہ سے مانگو اور اگر مدد مانگو تو صرف اللہ سے مانگو۔'' (روایت کیا ابن عباسؓ نے اور جمع کیا الترمذیؒ نے۔ دیکھئے النوویؒ کی 'Forty Hadith' انگریزی ترجمہ، صفحہ ۶۸)

سزائیں اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی ہیں اور ان کے اطلاق سے اچھے نتائج خود ہی ان کی اچھائی کی دلیل ہیں۔

اس لئے اللہ کے ساتھ کیا ہوا عہد فقط وہی مسلمان پورا کر سکتا ہے جو ارادی طور پر مسلمان ہو' خواہ اُس کے والدین مسلمان تھے یا نہ تھے' اور اس عہد پر عمل پیرا ہونا ہی اصل میں اسلام کے اصولوں کی تکمیل ہے۔ انسان کی فطرت اسلام کی بنیاد ہے' اس لئے جب وہ پورے کے پورے اسلام پر عمل پیرا ہوتا ہے تو اُس کے ظاہری افعال و اعمال اس خاص فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کا باطن تخلیق کیا۔ جب ایسا ہو جاتا ہے تو انسان اپنے باطن کو اپنے ظاہر سے ملا لیتا ہے جو توحید کا کلیدی پہلو ہے۔ توحید کے اس پہلو کا نتیجہ آدم علیہ السلام کی طرح کے سچے نیک انسان کی تخلیق ہے جس کے سامنے اللہ نے فرشتوں کو جھکا دیا اور جسے اللہ نے زمین پر حکومت کے لئے منتخب کر لیا۔ کیونکہ صرف وہی انسان جس کی زندگی توحید پر ہے دنیا کو سمجھ سکتا ہے اور صحیح انصاف کے ساتھ حکومت کر سکتا ہے۔

چوتھا باب

طلسم اور شگون

'توحید' کے پہلے باب میں توحید الربوبیت (اللہ کا حاکمِ اعلیٰ ہونا) کی تعریف یوں کی گئی تھی کہ انسان کے اللہ تعالیٰ سے تمام تعلقات کے معاملے میں یہ پوری طرح سمجھ میں آ جائے کہ اللہ ہی اس کائنات کو بنانے والا اور قائم رکھنے والا ہے۔ اِس کائنات کا بنانا' اِس کا چلانا اور آخر میں اِس کو اور اِس کے اندر کی تمام چیزوں کو تباہ کرنا صرف اللہ کے حکم سے ہی ہے' اور خوش قسمتی اور بدقسمتی دونوں اللہ کی مرضی سے ہی ہوتی ہیں۔ تاہم ہر زمانے میں انسان نے یہ سوال کیا ہے: ''کیا کوئی ایسا طریقہ ہے جس سے پہلے سے یہ پتہ چل جائے کہ آنے والا وقت اچھا ہے یا بُرا؟'' کیونکہ اگر ایسا طریقہ ہے تو پھر بدقسمتی سے بچا جا سکے گا اور کامیابی یقینی ہو جائے گی۔ زمانہ قدیم سے کچھ افراد یہ جھوٹا دعویٰ کرتے آئے ہیں کہ اُن کو اِس خُفیہ علم تک رسائی حاصل ہے اور جاہل لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں' اور اِس اہم خبر کے کچھ حصّے کو حاصل کرنے کے لئے بھاری رقمیں ادا کرتے ہیں۔ کچھ ایجاد کردہ طریقے جو بدقسمتی سے بچنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں اُن کا علم عام ہو گیا اور اِسی طرح خوش قسمتی حاصل کرنے کے بے شمار طلسم جن سے ملتے جلتے اِس باب میں بیان کئے گئے ہیں' بہت سے معاشروں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ قسمت کا حال جاننے کے کچھ فرضی خفیہ طریقوں سے بھی وقت کے ساتھ عام واقفیت ہو گئی' اور اس طرح مختلف شگون اور اُن کی تعبیریں سب تہذیبوں میں مل سکتی ہیں۔ تاہم اس علم کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جو خفیہ رہا ہے اور قسمت کا حال بتانے اور جادو کے بہت سے مخفی علوم کی شکل میں ایک نسل سے دوسری کو منتقل ہوتا رہا ہے۔

یہ بہت ضروری ہے کہ ان اعمال کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر واضح طور پر وضع کیا

جائے، کیونکہ انسانی معاشروں میں یہ کثرت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ شاید اس سے بھی زیادہ اہم یہ حقیقت ہے کہ اگر ان کو صحیح طور پر نہ سمجھا جائے تو اس کا احتمال ہے کہ ایک مسلمان آسانی سے شرک کے گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو جائے جو ان اعمال کی بنیاد ہے۔ اگلے چار ابواب میں ان دعووں کے تعلق سے جو اللہ کی منفرد صفات کی مخالفت کرتے ہیں اور مخلوق کی عبادت کو تقویت دیتے ہیں، اسلام کے موقف کا زیادہ تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا جائے گا۔ اِن میں سے ہر ایک دعوے کا قرآن اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں تجزیہ کر کے ہر ایک پر شرعی فیصلہ بیان کیا جائے گا، اُن لوگوں کی رہنمائی کے لئے جو نیک نیتی سے توحید کی حقیقت کو جاننا چاہتے ہیں۔

طلسم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عربوں میں یہ رواج تھا کہ لوگ کنگن، چوڑیاں، منکے، گھونگھے اور ہار وغیرہ بطور طلسم بُرائی سے بچنے اور خوش قسمتی حاصل کرنے کے لئے پہنتے تھے۔ جادوئی نقش اور تعویذ آج بھی دنیا کے ہر حصے میں مختلف شکلوں میں ملتے ہیں۔ جیسا کہ پچھلے ابواب میں بیان کیا گیا ہے، طلسم، تعویذ اور جادوئی نقش وغیرہ پر یقین رکھنا اللہ کی ربوبیت (حاکمِ اعلیٰ ہونا) پر سچے ایمان کی تردید کرنا ہے کیونکہ اس طرح تو بُرائی سے بچانے اور خوش قسمتی دینے کی طاقت مخلوق کو منسوب ہو جاتی ہے۔ اسلام نے ایسی تمام باتوں پر یقین رکھنے کی سختی سے ممانعت کی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت عرب میں پائی جاتی تھیں تاکہ ایسی بنیاد قائم کر دی جائے جس کی بدولت آئندہ اگر ایسے عقیدے یا طریقے جب کبھی اور جہاں بھی نظر آئیں اور اختیار کئے جائیں، تو اُن کو رد کیا جائے اور ممنوع قرار دیا جائے۔ ایسے اعتقاد درحقیقت بہت سے مشرک معاشروں میں بُت پرستی کے لئے نظریاتی بنیاد فراہم کرتے ہیں اور طلسم تو خود بُت پرستی کی ہی ایک شاخ کی شکل ہے۔ یہ تعلق کیتھولک عیسائیت میں آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانا جاتا ہے اور اُن کی والدہ مریمؑ اور سینٹوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ اُن کی فرضی

تصویریں، بُت اور تمغے بنا کر رکھے جاتے اور پہنے جاتے ہیں تاکہ خوش قسمتی حاصل ہو۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں نے اسلام قبول کیا تو وہ اکثر طلسمات پر اعتقاد کو اپنے ساتھ لائے جن کو مجموعی طور پر عربی میں 'تمائم' (واحد 'تمیمہ') کہتے ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ ایسے طور طریقوں سے منع فرمایا ہے۔ ان کی صرف چند مثالیں یہ ہیں:

حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک شخص کو دیکھا جو اپنے بازو کے اوپر والے حصے میں ایک پیتل کا کڑا پہنے ہوئے تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے کہا: "تمہارا ستیاناس! یہ تم نے کیا پہنا ہوا ہے؟" اُس نے جواب دیا کہ یہ الواہنہ[1] کی بیماری سے بچنے کے لئے ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے اُتار کر پھینک دو، یقیناً اس کی وجہ سے تم اور کمزور ہو جاؤ گے اور اگر اسے پہنے ہوئے تم مر گئے تو تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔"[2]

لہٰذا بیماروں یا صحت مند لوگوں کا تانبے، پیتل یا لوہے کے کنگن، چوڑیاں اور انگوٹھیاں اس عقیدے سے پہننا کہ یہ بیماری سے بچائیں گے یا بیماری کا علاج ہیں سختی سے منع فرمایا گیا ہے۔ یہ اعمال اُن ممنوعات میں بھی شامل ہیں جن میں حرام چیزوں سے بیماری کا علاج کیا جاتا ہو جس کے متعلق اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "ایک دوسرے کی بیماری کا علاج کرو لیکن بیماری کا علاج ممنوعہ چیزوں سے نہ کرو۔"[3]

حضرت ابو واقد اللیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حُنین[4] کا سفر اختیار کیا تو وہ ایک درخت کے پاس سے گزرے جس کا نام

---

[1] لغوی معنی کمزوری۔ شاید جوڑوں کے درد کی بیماری سے متعلق۔

[2] جمع کیا احمدؒ، ابن ماجہؒ اور ابن حبانؒ نے۔

[3] جمع کیا ابوداؤدؒ نے ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۰۸۷ نمبر ۳۸۶۵) اور بیہقیؒ نے۔

[4] وہ مقام جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفارِ عرب کے قبیلوں کے ساتھ آخری بڑی جنگ ہجرت کے دسویں سال میں ہوئی۔

'ذاتُ انواط'[1] تھا۔ بُت پرست اس درخت کی شاخوں سے اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے تاکہ خوش نصیبی حاصل ہو۔ چند صحابہ کرامؓ جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ بھی اُن کے لئے کوئی ایسا درخت مقرر فرما دیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''سبحان اللہ![2] یہ تو وہی بات ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لوگوں نے اُن سے کہی تھی کہ ہمارے لئے بھی ایک دیوتا بنا دو جیسا کہ اُن کے دیوتا ہیں۔[3] قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم سب بھی اُنہیں کے راستے پر چلو گے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔''[4]

اس حدیث میں اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف خوش نصیبی کے طلسم کے تصور کو رد کیا ہے بلکہ یہ پیشین گوئی بھی کی ہے کہ مسلمان عیسائیوں اور یہودیوں کے طور طریقوں کی نقل کیا کریں گے۔ تسبیح کے دانے جو مسلمان ذکر کے لئے عام استعمال کرتے ہیں کیتھولک عیسائیوں کی تسبیح کی نقل ہے' مولود شریف (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ پیدائش منانا) کرسمس کی مُشابہت ہے' اور بہت سے مسلمانوں میں ولیوں اور اُن کی سفارش پر اعتقاد بھی عیسائیت کے اس طرح کے عقیدے سے اصولی طور پر مختلف نہیں ہے۔ پیشین گوئی تو سچ ثابت ہو چکی ہے!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعویذ پہننے کی سنگینی پر' ایسا کرنے والوں پر اللہ کی لعنت فرما کر' مزید زور دیا۔ حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا: ''اللہ اس کو ناکامی اور پریشانی سے دوچار کرے جو خود تعویذ پہنتا ہے یا دوسروں کو پہناتا ہے۔''[5]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] لغوی معنیٰ 'وہ جس سے چیزیں لٹکائی جاتی ہیں'۔

[2] اللہ کی حمد وثنا ہو۔

[3] سورہ الاعراف ۷:۱۳۸

[4] جمع کیا الترمذیؒ ' النسائیؒ اور احمدؒ نے۔

[5] جمع کیا احمدؒ اور الحاکمؒ نے۔

کے طلسم اور تعویذ کے معاملوں میں احکامات پر سختی سے عمل کیا۔ چنانچہ بہت سے ایسے واقعات بیان کیئے گئے ہیں جن کے مطابق جب کبھی ان کے خاندانوں میں یا معاشروں میں ایسے اعمال ظاہر ہوئے تو انہوں نے اعلانیہ اس کی مخالفت کی۔ عروہ رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابیٔ رسول تھے ایک شخص کی بیمار پرسی کے لئے گئے' انہوں نے اس کے بازو کے بالائی حصے پر ایک بند دیکھا تو انہوں نے اُسے کھینچ کر اُتار دیا اور توڑ ڈالا۔ پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (ترجمہ) ''ان میں سے بہت سے لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں شرک بھی کرتے ہیں۔[1] ''[2] ایک اور موقعے پر جب اُنہوں نے ایک بیمار کے بازو کو چھوا تو معلوم ہوا کہ وہ دھاگے کا بند پہنے ہوئے ہے۔ اُنہوں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا: ''یہ ایک منتر ٹونا ہے جو خاص طور پر میرے لئے بنایا گیا ہے۔'' حضرت حذیفہؓ نے اس کو بازو سے کھینچ کر توڑ دیا اور کہا: ''اگر تم اسے پہنے ہوئے مر جاتے تو میں تمہارا جنازہ کبھی نہ پڑھتا۔''[3] حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابن مسعودؓ نے اُن کے گلے میں ایک دھاگے کا ہار دیکھا اور پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت زینبؓ نے جواب دیا: ''یہ ایک دھاگا ہے جس میں منتر ٹونے کا اثر ہے جو مجھے مدد کے لئے دیا گیا ہے۔'' ابن مسعودؓ نے اسے کھینچ کر توڑ دیا اور کہا: ''یقیناً عبداللہ کے خاندان میں ایسے شرک کی کوئی ضرورت نہیں! میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے 'یقیناً منتر ٹونا' تعویذ گنڈا اور طلسم شرک ہیں'۔'' حضرت زینبؓ نے جواب میں کہا: ''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ میری آنکھ پھڑکتی تھی تو میں فلاں یہودی کے پاس گئی' اُس نے اس پر منتر ٹونا کیا اور اس کے بعد سے یہ ٹھیک ہوگئی ہے۔'' حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا: ''یقیناً یہ کوئی شیطان اپنے ہاتھ سے تمہاری آنکھ کو پھڑکا رہا تھا' جب اُس نے جادو کیا تو شیطان نے یہ کام

---

[1] سورہ یوسف ۱۲:۱۰۶

[2] جمع کیا ابن ابی حاتمؒ نے۔

[3] جمع کیا ابن وکیعؒ نے۔

بند کر دیا۔ تمہارے لئے یہی کافی تھا کہ تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح یہ پڑھ لیتیں:

''اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآءُ كَ شِفَآءً ا لَّا يُغَادِرُهٗ سَقَماً

''اس تکلیف اور مصیبت سے نجات دے' اے لوگوں کو پالنے والے' اور مکمل آرام دے' تو ہی مکمل شفاء دینے والا ہے۔ تیری شفاء کے سوا کوئی شفا نہیں۔ ایسی شفاء دے کہ جس کے بعد بیماری نہ ہو[1] '' [2]

طلسم پر شرعی فیصلہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے تعویذ گنڈا' منتر ٹونا اور طلسم سے منع کرنے کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم صرف عربی طرز کی ان باتوں پر ہی محدود نہیں' بلکہ جہاں کہیں بھی ان پر عمل ہوتا ہو اس حکم کا اطلاق اُن پر بھی ہوتا ہے۔ مغربی معاشرے میں باوجود فنی ترقی اور سائنسی کامیابیوں کے مختلف قسم کے طلسموں کا استعمال آجکل عام ہے۔ بہت سے طلسمات روزمرہ کی زندگی میں اِس طرح گھل مل گئے ہیں کہ بہت کم لوگ اس پر غور کرتے ہیں تاہم جب بھی ان کی اصلیت ظاہر ہوتی ہے تو وہ شرک عیاں ہو کر سامنے آجاتا ہے جس پر ان کی بنیاد ہوتی ہے۔ ذیل میں مغربی معاشرے کے مقبول طلسمات کی صرف دو مثالیں دی گئی ہیں:

خرگوش کا پاؤں: مغربی دنیا میں خرگوش کے پچھلے پنجے یا سونے اور چاندی کی بنی ہوئی اُن کی نقلیں زنجیروں یا کنگنوں سے لٹکا کر لاکھوں لوگ پہنتے ہیں تا کہ خوش نصیبی حاصل ہو۔ اس عقیدے کی ابتدا اس بات پر مبنی ہے کہ خرگوش اپنی عادت کی بنا پر اپنی پچھلی ٹانگیں اکثر زمین پر مارتا رہتا ہے۔ پُرانے زمانے کے لوگوں کے مطابق' اس طرح زمین پر پاؤں مارتے وقت خرگوش زمین کے اندر رہنے والی روحوں سے بات چیت کرتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے خرگوش کے پچھلے پنجے

---

[1] اس دعا کو حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ دونوں نے بھی روایت کیا ہے اور جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۷' صفحہ ۴۲۷۔۴۲۸' نمبر ۵۶۳۸۔۵۶۳۹) اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۱۹۵' نمبر ۵۴۳۴)

[2] جمع کیا ابوداؤدؒ نے ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۰۸۹' نمبر ۳۸۷۴)' احمدؒ ' ابن ماجہؒ اور ابن حبانؒ نے۔

سنبھال کر رکھ لئے تا کہ وہ بھی اپنی خواہشات روحوں تک پہنچا سکیں اور مجموعی طور پر پنجوں کے ذریعے سے خوش نصیبی حاصل کریں۔

گھوڑے کے نعل: گھوڑے کے نعل امریکا میں بہت سے گھروں کے دروازوں پر کیلوں سے لگائے ہوتے ہیں۔اس کے چھوٹے نمونے کنگنوں' چابیوں کے گچھوں اور گلے کے ہاروں میں لٹکائے ہوتے ہیں' اس یقین کے ساتھ کہ ان سے خوش قسمتی حاصل ہو گی۔اس عقیدے کی ابتدا قدیم یونانی دیو مالا میں مل سکتی ہے۔قدیم یونان میں گھوڑوں کو متبرک جانور سمجھا جاتا تھا۔اگر گھوڑے کے نعل کو گھر کے دروازے پر لٹکا دیا جائے تو ان کے خیال کے مطابق خوش قسمتی حاصل ہوتی تھی۔نعل کا کھلا منہ اوپر کی طرف رکھنا ضروری ہوتا تھا' تا کہ اس میں خوش قسمتی تھامی جا سکے۔اگر اس کا منہ نیچے کی طرف ہو تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ خوش قسمتی نیچے گر جائے گی۔

طلسمات پر اعتقاد تخلیق شدہ چیزوں کو بد نصیبی سے بچانے والی خدائی قوت دے دیتا ہے' اور اس طرح جو لوگ ایسے عقیدے رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ اللہ کی ربوبیت کو اس کی مخلوق محدود کئے ہوئے ہے۔حقیقت میں وہ طلسم کو اللہ سے زیادہ طاقتور سمجھتے ہیں' کیونکہ اُن کے مطابق جو بد نصیبی اللہ نے مقرر کی ہو طلسم اُس سے بچا لیتا ہے۔لہٰذا طلسم پر یقین کرنا شرک کی واضح قسم ہے' جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے بیان کی گئی حدیث میں فرمایا ہے۔اس فیصلے کو مندرجہ ذیل حدیث سے مزید تقویت ملتی ہے۔

حضرت عُقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب دس آدمیوں کا ایک گروہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن میں سے صرف نو آدمیوں سے بیعت لی۔اُنہوں نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم نو آدمیوں سے تو بیعت لے لی مگر اس ایک کو کیوں انکار کر دیا؟'' اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''کیونکہ وہ تعویذ پہنے ہوئے ہے۔'' اُس آدمی نے اپنے کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈالا اور اس تعویذ کو باہر نکال کر توڑ دیا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب

اس سے بھی بیعت لے لی تو فرمایا: ''جو کوئی تعویذ پہنتا ہے شرک کرتا ہے۔''[1]

قرآنی تعویذ: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب ہی قرآنی تعویذ پہنے کے خلاف تھے۔ کچھ تابعین (صحابہ کرامؓ کے شاگرد) علماء نے ایسا کرنے کی اجازت دے دی تھی اگرچہ زیادہ تر اس کے مخالف تھے۔ تاہم تعویذ کے متعلق احادیث کے متن کے مطابق قرآنی آیات والے تعویذوں اور دوسرے تعویذوں میں فرق نہیں کیا گیا ہے' اور اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قرآنی آیات کا تعویذ پہنا ہو یا اس کی اجازت دی ہو۔ قرآنی تعویذ پہننا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقے کی بھی نفی کرتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منتر ٹونے کا اثر توڑنے اور بدی کو دور کرنے کا عمل بتایا ہے۔ سنّتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اگر کبھی نقصان کا خدشہ ہو تو سورہ الفلق اور سورہ الناس اور آیت الکرسی کی تلاوت کی جائے۔[2] قرآن سے خوش نصیبی حاصل کرنے کے لئے مقرر کردہ طریقہ فقط قرآن کی تلاوت اور اس پر عمل ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی بھی اللہ کی کتاب سے ایک حرف پڑھتا ہے وہ ایک نیکی کما لیتا ہے اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الف لام میم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے' لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔''[3] قرآن کا تعویذ بنا کر پہننا ایسا ہی ہے جیسے بیمار ڈاکٹر سے نسخہ حاصل کرنے کے بعد اس کو پڑھ کر دوائی کھانے کے بجائے اُس کاغذ کو لپیٹ کر گولا بنا کر کپڑے کی تھیلی میں ڈال کر گلے میں ڈال لے اور سمجھ لے کہ اس طرح وہ صحت یاب ہو جائے گا۔

جب قرآنی تعویذ پہننے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ تعویذ نقصان کو دُور کرے گا اور خوش نصیبی لائے گا تو وہ تخلیق کے ایک حصے کو وہ طاقت دے دیتا ہے جو اللہ کی مقرر کردہ تقدیر کو منسوخ

---

[1] جمع کیا الترمذیؒ اور احمدؒ نے۔

[2] روایت کیا حضرت ابو ہریرہؓ نے اور جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔انگریزی' جلد ۶' صفحہ ۴۹۱ 'نمبر ۵۳۰)

[3] جمع کیا احمدؒ اور الحاکمؒ نے۔

کر سکتی ہے۔ نتیجے کے طور پر وہ اللہ کے بجائے اِس پر بھروسا کرے گا۔ یہی اس شرک کی اصل روح ہے جو طلسم میں شامل ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت سے ظاہر ہے:

حضرت عیسیٰ ابن حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ''ایک دفعہ میں عبداللہ ابن عکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے گیا اور دیکھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ میں نے عبداللہؓ سے پوچھا: 'کیا تم تعویذ نہیں پہنتے؟' اُنہوں نے جواب دیا: 'اللہ ہمیں اس سے پناہ میں رکھے! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''جو کوئی بھی ہار یا کڑا پہنتا ہے اُسی پر بھروسا کرتا ہے۔''[1]

تعویذ بنا کر پہننے کے لئے قرآن کو اتنے چھوٹے سائز کا بنانا کہ وہ آسانی سے پڑھا بھی نہ جاسکے شرک کو دعوت دینا ہے۔ اسی طرح آیت الکرسی کو زیورات پر اتنا باریک لکھ کر کہ وہ پڑھی نہ جاسکے، لٹکا کر پہننے سے بھی شرک کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ جو کوئی بھی ایسے زیوروں کو آرائش کے لئے پہنتا ہے وہ تو شرک نہیں کرتا، مگر زیادہ تر لوگ اسے نقصان سے بچنے کے لئے ہی پہنتے ہیں، لہٰذا وہ اسلام کے بنیادی اصول توحید کے ایک پہلو میں شرک کرنے کے زمرے میں آتے ہیں۔

مسلمانوں کو احتیاط برتنا چاہیے اور قرآن کو گاڑیوں میں لٹکا کر، چابیوں کے گچھوں سے باندھ کر، کڑوں اور ہاروں میں لگا کر خوش نصیبی حاصل کرنے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ غیر مُسلم اپنے مختلف طلسم اور تعویذ استعمال کرتے ہیں، کیونکہ ایسا کرنے سے وہ شرک کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ لہٰذا دانستہ طور پر یہ کوشش کرنے کی ضرورت ہے کہ انسان اپنے ایمان کو ان تمام چیزوں سے پاک کرے جو توحید کے خالص تصور کو کم کرنے والی ہوں۔

شگون

قبل اسلام عرب باشندے پرندوں کی اُڑان اور جانوروں کے چلنے کی سمت کو اچھے یا بُرے مستقبل کی نشانی سمجھتے تھے اور اِنہیں نشانیوں کے مطابق اپنی زندگی کا نقشہ ترتیب دیتے تھے۔

---

[1] روایت کیا ابنِ مسعودؓ نے اور جمع کیا احمدؒ، الترمذیؒ اور الحاکمؒ نے۔

پرندوں اور جانوروں کی حرکات سے شگون لینے کے عمل کو وہ لوگ 'طِیَرَہ' کہتے تھے جو لفظ 'طَارَ' سے لیا گیا تھا جس کا مطلب ہے اُڑنا۔ مثلاً اگر کوئی شخص سفر پر روانہ ہوتا اور کوئی پرندہ اُس کے اوپر سے اُڑتا ہوا بائیں طرف مُڑ جاتا تو یہ شخص سمجھتا کہ اُس سفر میں اُس کی قسمت خراب رہے گی۔ لہٰذا وہ واپس گھر لوٹ جاتا تھا۔ اسلام نے ایسے اعمال کو باطل قرار دیا کیونکہ یہ توحید العبادت اور توحید الاسماء والصفات کی بنیاد کو نقصان پہنچاتے ہیں:

۱۔ عبادت کی وہ شکل جسے توکل (یعنی اللہ پر بھروسا) کہتے ہیں کا رُخ اللہ سے موڑ کر غیر اللہ کی طرف کر کے، اور

۲۔ انسان کو اس طاقت کے وصف والا سمجھ کر کہ وہ اچھائی یا بُرائی کی پیشین گوئی کر سکتا ہے اور اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر سے بچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

طِیَرَہ (شگون) لینے کی ممانعت کی بنیاد وہ حدیث ہے جس کے راوی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، آپؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی بھی طِیَرَہ کرتا ہے یا طیرہ، مستقبل کی پیشین گوئی یا جادو کرواتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''[۱] 'ہم' کا مطلب یہاں مسلمان قوم سے ہے۔ اس لئے طِیَرَہ ایسے اعمال میں شامل سمجھا جاتا ہے کہ جو کوئی بھی اس پر یقین رکھتا ہے وہ اسلام کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں بھی جس کے راوی حضرت معاویہ ابن الحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں طِیَرَہ کی تاثیر کی نفی فرمائی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا: ''ہم میں سے کچھ لوگ پرندوں کی اُڑان سے شگون لیتے ہیں۔'' اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ سب تم لوگوں نے خود ہی بنایا ہوا ہے، اس کی وجہ سے اپنے آپ کو مت روکو۔''[۲] یعنی جو کچھ بھی تم کرنا چاہتے ہو اس کی وجہ سے مت چھوڑو کیونکہ یہ سب شگون انسانی تخیل کی فرضی اختراعات ہیں اور بے حقیقت ہوتے ہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ اللہ

---

۱ جمع کیا الترمذیؒ نے

۲ 'صحیح مسلم' (انگریزی ترجمہ)، جلد ۴، صفحہ ۱۲۰۹، نمبر ۵۵۳۲

سبحانہ وتعالیٰ نے پرندوں کی اُڑان کی سمت کو کسی چیز کی نشانی نہیں بنایا ہے۔کوئی کامیابی یا مصیبت جو واقع ہو پرندوں کی اُڑان کی وجہ سے نہیں ہوتی اور نہ اس سے اس کی پیشین گوئی کی جاسکتی ہے' خواہ کوئی واقعہ قبل از اسلام زمانے کی سوچ کے مطابق جانوروں کی حرکات کے ساتھ ہو بھی جائے۔

صحابہ کرامؓ نے ہر قسم کے پرندوں کے شگونوں کو جب کبھی ان کے ساتھیوں اور شاگردوں نے اس کا اظہار کیا' سختی سے رد کیا۔ مثلاً عِکرِمہ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا: ''ایک دفعہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو ایک پرندہ ہمارے اوپر سے اُڑتا ہوا گزرا اور اس نے چیخ ماری۔ اُس گروہ میں سے ایک آدمی نے کہا: 'بہت خوب! بہت خوب!' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تنبیہ کی اور کہا: 'اس میں نہ تو کوئی اچھی بات ہے اور نہ بُری'۔[1] اسی طرح تابعین (صحابہ کرامؓ کے شاگرد) نے بھی ہر قسم کے شگونوں کو رد کیا جن کا اُن کے اپنے شاگردوں نے' جو مسلمانوں کی تیسری نسل تھے' کبھی اظہار کیا۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ جب اپنے ایک دوست کے ہمراہ سفر پر تھے تو ایک کوا چیخا چلّایا اور آپ کے دوست نے کہا: ''یہ اچھی بات ہے!'' حضرت طاؤسؒ نے کہا: ''اس میں کیا اچھی بات ہے؟ اب تم میرے ساتھ سفر نہ کرو''۔[2]

البتہ 'صحیح البخاری'[3] میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب حدیث ہے جس کے معنی میں قدرے اشتباہ ہے۔ اس کے مطابق ''تین چیزوں میں بُرے شگون ہوتے ہیں: عورتیں' سواری کے جانور اور گھر۔''[4] حضرت عائشہؓ نے اس روایت کو رد کیا اور فرمایا: ''قسم ہے اُس ہستی کی جس نے ابوالقاسم[5] پر فرقان (قرآن) نازل فرمایا' جو کوئی بھی اس کو بیان کرتا ہے اُس نے جھوٹ کہا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کہا تھا کہ جاہل لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ یقیناً

---

[1] تیسیر العزیز الحمید' صفحہ ۴۲۸ پر حوالہ۔

[2] ایضاً

[3] احادیث کا سب سے زیادہ مستند مجموعہ۔

[4] صحیح البخاری' (عربی۔انگریزی) جلد ۷' صفحہ ۴۴۷۔۴۴۸' نمبر ۶۶۶

[5] ابوالقاسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیار کا نام (کُنیت) تھا۔ یہاں مطلب ہے ''اللہ کی قسم''۔

عورتوں، گھروں اور بوجھ اُٹھانے والے جانوروں میں بُرا شگون ہوتا ہے۔'' پھر حضرت عائشہؓ نے یہ آیت پڑھی:

مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فِىٓ أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِى كِتَٰبٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَآ ۚ

''نہیں پڑتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری اپنی جانوں پر مگر وہ (لکھی ہوئی ہے) ایک کتاب میں۔ اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں۔[1]''[2]

حدیث تو بہر حال صحیح ہے مگر اس کی تشریح ایک اور روایت کے مطابق ہونی چاہیئے جو زیادہ واضح ہے۔ ''اگر کوئی بُرے شگون ہوتے تو وہ گھوڑوں، عورتوں اور مکانوں میں ہوتے۔''[3] چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شگونوں کی موجودگی کی تصدیق نہیں فرمائی۔ اُنہوں نے صرف ان چیزوں کا نام لیا جن میں ممکنہ طور پر شگون ہو سکتے تھے، اگر شگون کی کوئی حقیقت ہوتی۔ ان چیزوں کا ذکر اس لئے ہوا کہ اس زمانے میں یہی تین چیزیں مرد کی زندگی میں اہم ترین ہوتی تھیں اور زیادہ تر جب بھی کوئی بدقسمتی آتی تھی تو ان میں سے ہی کسی سے متعلق ہوتی تھی۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حاصل کرنے یا اُن میں داخل ہونے کے وقت اللہ کی پناہ حاصل کرنے کے لئے مخصوص دعائیں تجویز فرمائی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی: ''جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے شادی کرے یا کسی کو نوکر رکھے تو اسے چاہیئے کہ اُس کے ماتھے کے اوپر والے سر کے بال پکڑ کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا نام لے، اُس سے رحم کی دعا کرے اور یہ پڑھے:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْئَلُكَ خَیْرَھَا وَخَیْرَمَاجَبَلْتَھَا عَلَیْهِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَ شَرِّ مَاجَبَلْتَھَا عَلَیْهِ''

''اے اللہ میں تجھ سے اس کی اچھائی مانگتا ہوں اور وہ خیر مانگتا ہوں جو تو نے اس کی جبلّت میں رکھی ہے۔ اے

---

[1] سورہ الحدید ۵۷:۲۲

[2] جمع کیا احمدؒ، الحاکمؒ اور ابن خزیمہؒ نے۔

[3] 'صحیح البخاری' (عربی۔ انگریزی)، صفحہ ۴۳۵، نمبر ۶۴۹، 'صحیح مسلم' (انگریزی ترجمہ)، جلد ۴، صفحہ ۱۲۰۸، نمبر ۵۵۲۸ اور ۵۵۲۹، اور 'سنن ابوداؤد' (انگریزی ترجمہ)، جلد ۳، صفحہ ۱۰۹۹، نمبر ۳۹۱۱

اللہ مجھے اپنی پناہ میں رکھ اس کے شر سے اور اس شر سے جو تو نے اس کی جبلّت میں رکھا ہے۔"

"اگر کوئی اونٹ خریدے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اُس کے کوہان کے اوپر والے حصّے کو پکڑ کر یہی دُعا پڑھے۔"[1] اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم میں سے جو بھی گھر میں داخل ہو یہ دعا پڑھا کرے:

اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّمَا خَلَقَ

"میں اللہ کے بہترین الفاظ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اُس شر سے جو اُس نے پیدا کیا ہے۔"[2]

درج ذیل ایک اور حدیث ہے جس سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی شگون کی حمایت کرتی ہے۔ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت یحییٰ ابن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر ہے جس میں کبھی بہت سے افراد رہتے تھے اور دولت کی بھی فراوانی تھی۔ پھر ان کی تعداد کم ہونے لگی اور دولت بھی ختم ہوگئی۔ کیا ہم اس گھر کو چھوڑ دیں؟" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اس گھر کو چھوڑ دو کیونکہ اس پر اللہ کی لعنت ہے۔"[3] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِس گھر کو چھوڑنا کسی شگون کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ جگہ اب اُن کے لئے نفسیاتی طور پر بدنصیبی اور تنہائی کی وجہ سے بوجھ بن گئی ہے۔ یہ ایک قدرتی احساس ہے جو اللہ نے انسان میں رکھا ہوا ہے۔ جب بھی انسان کسی چیز میں یا کسی چیز سے بدنصیبی یا نقصان محسوس کرتا ہے تو وہ اُسے ناپسند کرتا ہے اور اس سے وہ جتنی دُور جا سکے جانا چاہتا ہے، خواہ وہ چیز اُس بدنصیبی کی وجہ نہ بھی ہو۔ یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ یہ درخواست اُس وقت کی گئی تھی جب بدنصیبی کے وہ شکار ہو چکے تھے، نہ کہ اس سے پہلے۔ کسی جگہ یا اشخاص کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے اگر ان

---

[1] روایت کیا عمرو ابن شعیبؒ نے اور جمع کیا ابوداؤدؒ نے ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۵۷۹' نمبر ۲۱۵۵) اور ابن ماجہؒ نے۔

[2] روایت کیا خولہ بنت حکیمؓ نے اور جمع کیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۴' صفحہ ۱۴۲۱' نمبر ۶۵۲۱)

[3] جمع کیا ابوداؤدؒ نے ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۰۹۹-۱۱۰۰' نمبر ۳۹۱۳) اور مالکؒ نے (محمد رحیم الدین' مؤطا امام مالک' انگریزی ترجمہ' لاہور: شیخ محمد اشرف ۱۹۸۰' صفحہ ۴۱۳' نمبر ۱۷۵۸)

پر کوئی بد قسمتی آئی ہو۔ لعنت زدہ اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو کسی گناہ کے بدلے میں سزا دی ہوتی ہے۔ اِسی طرح جس چیز سے انسان کو کامیابی حاصل ہو اور خوش قسمتی ملے' انسان اس سے محبت کرتا ہے اور اس کے نزدیک رہنا چاہتا ہے۔ ایسا احساس رکھنا شگون نہیں ہے' البتہ اگر اسے بے محل کر دیا جائے تو یہ شگون اور شرک بن سکتا ہے۔ یہ تبدیلی اس طرح واقع ہوتی ہے جب انسان اُن جگہوں یا چیزوں سے بچنے کی کوشش کرنے لگتا ہے جہاں کوئی دوسرا بد قسمتی کا شکار ہوا ہو یا ان جگہوں یا چیزوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے جہاں دوسروں کو خوش نصیبی حاصل ہوئی ہو۔ وہ اُن جگہوں اور چیزوں میں ہی خوش قسمتی یا بد قسمتی کے اوصاف سمجھنے لگتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ اس کا بھی امکان ہے کہ وہاں عبادت کے کچھ عمل بھی کرنے لگے۔

فال (نیک شگون)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی چھوت [1] نہیں ہوتی اور نہ کوئی شگون ہوتا ہے البتہ فال مجھے پسند ہے۔'' صحابہ کرامؓ نے پوچھا فال کیا ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''ایک خیر کی بات۔'' [2] چیزوں میں بُرے شگونوں کو تسلیم کرنا' اللہ کے متعلق بُرے خیال رکھنے اور شرک والے خیالات رکھنے کو ظاہر کرتا ہے۔ اگرچہ اچھے شگون میں اعتقاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے مُثبت خیالات پائے جاتے ہیں'

---

[1] ایک اور روایت میں جسے ابو ہریرہؓ نے بیان کیا اور البخاریؒ اور مسلمؒ نے جمع کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوت کی موجودگی کا انکار فرمایا۔ ایک بدو نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم' صحرا میں اُس تندرست اونٹوں کے غول کے متعلق فرمائیے جس میں ایک بیمار اونٹ لایا جاتا ہے اور سب اونٹ اُس کی وجہ سے بیمار ہو جاتے ہیں۔'' اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اُس پہلے اونٹ کو کس نے بیماری لگائی تھی؟'' 'صحیح البخاری' (عربی۔ انگریزی) جلد ۷' صفحہ ۴۱۱۔۴۱۲' نمبر ۶۱۲ اور 'صحیح مسلم' (انگریزی ترجمہ)' جلد ۴' صفحہ ۱۲۰۶' نمبر ۵۵۰۷۔ 'سنن ابوداؤد' بھی دیکھئے (انگریزی ترجمہ)' جلد ۳' صفحہ ۱۰۹۷' نمبر ۳۹۰۷۔ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں چھوت کا انکار قبل از اسلام کے لوگوں کے اعتقاد کی بنا پر کیا ہے جس میں چھوت کے سبب کو اللہ کے علاوہ بدروحوں اور دیوتاؤں سے منسوب کیا جاتا تھا۔

[2] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۷' صفحہ ۴۳۶' نمبر ۶۵۱) اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۴' صفحہ ۱۲۰۸ نمبر ۵۵۱۹) اور دیکھیے 'سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۰۹۸' نمبر ۳۹۰۶

مگر پھر بھی اس میں اللہ کے اوصاف کو مخلوق کی طرف منسوب کرنے کا شرک موجود ہے۔ اِسی وجہ سے صحابہ کرامؓ بہت حیران ہوئے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فال ('اچھے شگون') کو پسند کرنے کا اظہار فرمایا۔ تاہم اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی اور فال کی محدود صورت بیان فرمائی جو اسلام میں قابل قبول ہے۔ وہ صورت ہے خوش امیدی کے الفاظ کا استعمال۔ مثال کے طور پر کسی بیمار کو 'سالم' (تندرست) کہہ دیا جائے یا پھر اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے تو اُسے 'واجد' (پانے والا) کہا جائے۔ ایسے الفاظ اور ان جیسے دوسرے الفاظ کا استعمال بدنصیب لوگوں میں امید اور رجائیت پیدا کرتا ہے اور خوشی کے جذبات ابھارتا ہے۔ اہلِ ایمان کو ہر وقت اللہ سے اچھائی کی امید رکھنا چاہیے[۳]

شگون پر شرعی فیصلہ

اوپر بیان کی گئی احادیث کی روشنی میں یہ صاف ظاہر ہے کہ طِیَرَہ کا مطلب عمومی طور پر شگونوں کو ماننا ہے۔ پرندوں کی اُڑانوں سے قسمت کے حال کی پیشین گوئیاں کرنے کو سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل طور پر رد کر دیا ہے۔ پُرانے زمانے کے عرب پرندوں سے اپنے شگون لیتے تھے اور دوسری قوموں کے لوگ دوسری چیزوں سے شگون لیتے ہیں مگر ان کا اصول ایک ہی ہے۔ اکثر اوقات جب ان شگونوں کی ابتدا کی نشان دہی کر لی جاتی ہے تو ان میں شامل شرک بھی بڑی اچھی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ ذیل میں ان بے شمار شگونوں میں سے صرف چند بیان کئے جاتے ہیں جو مغربی معاشرے میں آج کل موجود ہیں۔

لکڑی پر دستک دینا: جب کوئی شخص کسی وجہ سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اُسے ایسے موقعے ملتے رہیں اور اس کی قسمت تبدیل نہ ہو تو وہ کہتا ہے "لکڑی پر دستک دو" اور اِدھر اُدھر دیکھتا ہے کہ دستک کے لئے کہیں لکڑی نظر آئے۔ اس عقیدے کی شروعات یوں ہوئی کہ پُرانے زمانے میں یورپ کے لوگ سمجھتے تھے کہ اُن کے دیوتا درختوں کے اندر رہتے ہیں۔ اُن

---

[۳] "تیسیر العزیز الحمید" صفحہ ۴۳۴-۴۳۵

سے مدد مانگنے کے لئے وہ لوگ درختوں کو ہاتھ لگا کر اپنی خواہشات کے لئے دُعا مانگتے تھے۔ اور اگر خواہش پوری ہو جاتی تھی تو وہ پھر درخت کو ہاتھ لگا کر دیوتا کا شکریہ ادا کرتے تھے۔

نمک کا گرنا: اگر کسی وجہ سے نمک گر جائے تو بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی مصیبت آنے والی ہے، چنانچہ گرا ہوا نمک بائیں کندھے کے اوپر سے پھینکا جاتا ہے تاکہ آنے والی مصیبت سے بچا جا سکے۔ اس شگون کی ابتدا نمک کی اس خاصیت کی وجہ سے ہوئی کہ اس کے لگانے سے چیزیں تازہ رہتی ہیں۔ پُرانے زمانے کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ نمک میں کوئی جادو کی قوت ہوتی ہے۔ اس لئے نمک کے گرنے کا مطلب مصیبت کی آمد کی اطلاع بن گئی۔ یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ تمام بدروحیں آدمی کے بائیں طرف رہتی ہیں۔ اس لئے بائیں کندھے کے اوپر سے گرا ہوا نمک پھینکنے سے فرض کیا گیا کہ بدروحوں کی تسلّی ہو جاتی ہے۔

آئینہ ٹوٹنا: بہت سے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اتفاقاً آئینہ ٹوٹنا سات سال تک بدقسمتی کی علامت ہے۔ زمانہ قدیم کے لوگ پانی میں اپنے عکس کو اپنی روح سمجھتے تھے۔ پانی میں کسی کے پتھر پھینکنے سے جب عکس ٹوٹ جاتا تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ اُن کی روح بھی ٹوٹ گئی ہے۔ بعد میں جب آئینے ایجاد ہو گئے تو یہ عقیدہ اُن سے بھی منسوب کر دیا گیا۔

کالی بلّیاں: کالی بلّی کا کسی کا راستہ کاٹنا بہت سے لوگوں کے نزدیک آنے والی بدقسمتی کا اشارہ ہوتا ہے۔ اِس عقیدے کی ابتدا ازمنۂ وسطیٰ میں ہوئی جب لوگوں نے کالی بلّی کو جادو کرنے والی عورتوں کی پالتو بلّی سمجھا ہوا تھا۔ جادو کرنے والی عورتوں کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ کالی بلّی کا مغز اور بڑے مینڈک، سانپوں اور دوسرے کیڑے مکوڑوں کے کچھ حصّوں کو ملا کر جادوئی یخنی تیار کرتی ہیں۔ اگر کسی جادوگرنی کی کالی بلّی سات سال تک جادوئی یخنی بننے سے بچ جاتی تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ بلّی خود جادوگرنی بن جاتی ہے۔

نمبر ۱۳: امریکہ میں نمبر ۱۳ کو بدقسمتی سمجھا جاتا ہے جس کی بنا پر بہت سی رہائشی عمارتوں میں تیرھویں منزل کو چودھویں کہا جاتا ہے۔ جمعہ ۱۳ تاریخ کو خاص طور پر منحوس تصور کیا جاتا ہے، اور اس

دن بہت سے لوگ سفر اور خاص قسم کی مصروفیات سے گریز کرتے ہیں۔ اگر اس دن ان کے ساتھ کوئی بُرا واقعہ پیش آئے تو وہ فوراً اس کو اُسی دن سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ صرف عوام کا ہی نہیں ہے جیسا کہ کچھ لوگ غلطی سے سمجھ لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۹۷۰ء میں چاند پر بھیجے گئے راکٹ اپالو' جو تباہ ہونے سے مشکل سے بچا تھا' کے کمانڈر نے واپسی پر بتایا کہ اسے پتہ ہونا چاہیے تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ جب اُس سے پوچھا گیا کیسے' تو اُس نے جواب دیا کہ پرواز جمعہ ۱۳ تاریخ کو روانہ ہوئی' روانگی کا وقت ۱۳۰۰ (ایک بجے) تھا اور پرواز کا نمبر اپالو ۱۳ تھا۔

اس عقیدے کی ابتدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری رات کے کھانے سے ہوئی جیسا کہ بائبل میں بیان کیا گیا ہے۔ اُس آخری کھانے میں ۱۳ آدمی شامل تھے جن میں جوڈس بھی موجود تھا' جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دغا دی تھی۔ جمعہ ۱۳ تاریخ خاص طور پر کم سے کم دو وجوہ کی بنا پر منحوس تصور کی جاتی ہے' اوّل یہ کہ جمعہ کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی ہونا خیال کیا گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ ازمنۂ وسطیٰ کے اعتقاد کے مطابق جادو گرنیاں جمعہ کے دن اپنی مُلاقاتیں رکھتی تھیں۔

اِن تمام عقیدوں میں اللہ تعالیٰ کی اچھی اور بُری تقدیر بنانے کی قوت میں مخلوق کو حصہ دار سمجھ لیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں بدقسمتی کا خوف اور خوش قسمتی کی امید جو صرف اللہ سے ہونی چاہیے دوسروں سے رکھی جاتی ہے۔ مستقبل اور غیب کے علم کا بھی دعویٰ کیا جاتا ہے' حالانکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ نے اپنی صفت عالم الغیب کو صاف طور پر بیان کیا ہے۔ اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قرآن میں اقرار کرایا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غیب کا علم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نقصانات سے اپنے آپ کو بچا لیتے۔[1]

اس لئے شگونوں پر اعتقاد کو صاف طور پر توحید کے تمام بڑے پہلوؤں میں شرک کے ارتکاب کے درجے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اِس فیصلے کی حمایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث بھی بیان کی جاتی ہے جس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طِیَرہ

---

[1] سورہ الاعراف ۷:۱۸۸

(شگون) شرک ہے! طِیَرہ شرک ہے! طِیَرہ شرک ہے!''[1] حضرت عبداللہ ابن عَمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کسی نے بھی کسی شگون کی وجہ سے کوئی کام چھوڑا اُس نے شرک کیا۔'' صحابہ کرامؓ نے پوچھا اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَلَاطَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَآاِلٰهَ غَيْرُكَ ط

''اے اللہ تیری خیر کے علاوہ کوئی خیر نہیں اور کوئی شگون نہیں سوائے تجھ پر توکل کے اور تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔''[2]

مندرجہ بالا احادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ طِیَرہ کسی طرح بھی صرف پرندوں تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس میں شگونوں پر ہر قسم کے اعتقادات شامل ہیں۔ ایسے عقیدے ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک وقت سے دوسرے وقت شکل بدلتے رہتے ہیں، مگر ان سب میں قدرِ مشترک شرک ہے۔

چنانچہ مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ایسے احساسات سے غور کر کے بچتے رہیں جو اِن عقیدوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر کبھی ایسا ہو کہ غیر شعوری طور پر وہ ایسے اعتقادات کے تحت عمل کر رہے ہوں تو اُن کو اللہ کی پناہ طلب کرنا چاہیے اور پہلے بیان کی گئی دعا پڑھنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے اسے کوئی اتنا اہم موضوع نہ سمجھے جس پر اتنا کچھ کہا جائے۔ تاہم اسلام میں اس موضوع کی بہت اہمیت ہے کیونکہ اِس میں وہ بیج موجود ہے جس سے بڑے شرک کے پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ بُتوں، انسانوں اور ستاروں وغیرہ کی پرستش کسی ایک وقت اچانک شروع نہیں ہوگئی تھی۔ بُت پرستی کے اعمال نے بہت لمبے عرصے میں نشو و نما پائی ہے۔ انسان کا اللہ کی یکتائی پر ایمان آہستہ آہستہ مِٹا جب بڑے شرک کے بیج نے جڑ پکڑ کر اُگنا شروع کیا۔ اس لئے اسلام انسانی زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی مہیا کر کے بدی کے بیجوں کو اُکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرتا ہے پیشتر اس کے کہ یہ جڑ پکڑیں اور مسلمان کے عقیدے کی بنیاد کو ہی تباہ کر دیں۔

---

[1] جمع کیا ابوداؤدؒ نے (سُنن ابوداؤد انگریزی ترجمہ جلد ۳، صفحہ ۱۰۹۶-۱۰۹۷، نمبر ۳۹۰۱) الترمذیؒ نے اور ابن ماجہؒ نے۔

[2] جمع کیا احمدؒ اور الطبرانیؒ نے۔

پانچواں باب

قسمت کا حال بتانا

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے' انسانوں میں کچھ لوگ اِس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کے پاس غیب اور مستقبل کا علم ہے۔ ایسے لوگ مختلف ناموں سے جانے جاتے ہیں' مثلاً قسمت کا حال بتانے والا' جوتشی' پیشین گو' فال کھولنے والا' جادوگر' کاہن' نجومی' دست شناس وغیرہ۔ قسمت کا حال بتانے والے مختلف طریقے اور واسطے استعمال کرتے ہیں جن سے اُن کے دعوے کے مطابق وہ اطلاعات حاصل کرتے ہیں' اِن میں سے چند ایک یہ ہیں: چائے کی پتیاں پڑھنا' لکیریں کھینچنا' اعداد لکھنا' ہاتھ کی لکیریں پڑھنا' جنم پتری نکالنا' بلوریں گیند میں دیکھنا' ہڈیاں کھڑکھڑانا' لکڑیاں پھینکنا وغیرہ۔ اِس باب میں قسمت کا حال بتانے کے مختلف فنون پر روشنی ڈالی جائے گی' سوائے جادو کے جس کا بیان اگلے باب میں آئے گا۔

اِن باطنی فنون کے عاملوں کو' جن کا غیب منکشف کرنے اور مستقبل کا حال بتانے کا دعویٰ ہے' دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ا۔ وہ لوگ جن کو حقیقت میں کوئی خفیہ علم نہیں ہوتا' نہ اُن کے پاس کوئی راز ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنے گاہکوں کو صرف وہ عمومی واقعات بتانے پر انحصار کرتے ہیں جو زیادہ تر لوگوں کے ساتھ پیش آتے رہتے ہیں۔ وہ اکثر سلسلہ وار بے معنی رسوم ادا کرتے ہیں' اور پھر ایک محتاط حساب لگا کر عام طرح کے اندازے لگاتے ہیں۔ اُن کے کچھ اندازے اپنی عمومیت کی بدولت اکثر سچ ہو جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ اُن چند پیشین گوئیوں کو یاد رکھتے ہیں جو پوری ہو جاتی ہیں اور اُن بہت سی پیشین گوئیوں کو جلدی بھول جاتے ہیں جو پوری نہیں ہوتیں۔ یہ رُجحان اس وجہ سے ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ تمام پیشین گوئیاں انسان

کے تحت الشعور میں بھولے بسرے خیالات کی صورت میں ہی باقی رہ جاتی ہیں' اور پھر اچانک کسی واقعے کے رونپذیر ہونے پر وہ یاد آ جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر شمالی امریکہ میں یہ عام ہے کہ سال کے شروع میں وہ مشہور قسمت کا حال بتانے والوں کی پیشین گوئیاں شائع کر دیتے ہیں۔ ۱۹۸۰ء کے سال کے لئے جب ایسی پیشین گوئیوں کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ پیشین گوئیاں کرنے والوں میں سب سے زیادہ صحیح پیشین گوئیاں کرنے والی صرف چوبیس فیصد درست تھی۔

۲۔ دوسرا گروہ اُن لوگوں کا ہے جو جنّوں کے ساتھ رابطہ رکھتے ہیں۔ یہ گروہ بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ عام طور پر ان طریقوں میں شرک کا نہایت سنگین گناہ شامل ہوتا ہے' اور جو لوگ اِس میں ملوث ہیں وہ اکثر اپنی معلومات میں بہت صحیح ہو سکتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے لئے حقیقی فِتنہ (ترغیب) کا باعث ہیں۔

جنّوں کی دنیا

کچھ لوگوں نے جنّوں کے وجود کی حقیقت سے انکار کی کوشش کی ہے' جن کے متعلق قرآن میں ایک پوری سورۃ وقف کی گئی ہے یعنی سورہ الجن (سورہ ۷۲)۔ لفظ جنّ کے لغوی معنی پر انحصار کر کے جو دراصل فعل 'جَنَّ' یَجُنُّ ' سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے کسی چیز پر پردہ ڈالنا چھپانا یا مخفی رکھنا' یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ جنّ سے مُراد ''چالاک غیر ملکی'' ہیں۔ کچھ دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ جنّ وہ انسان ہوتا ہے جس کے سر میں کھرا دماغ نہیں ہوتا' مگر وہ آتش مزاج ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنّ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جو انسانوں کے ساتھ اِس دُنیا میں رہتے ہیں۔ اللہ نے جنّوں کو انسانوں سے پہلے تخلیق کیا تھا اور اُن کی تخلیق کے لئے انسانوں کی تخلیق سے مختلف عناصر کو استعمال کیا تھا۔ اللہ نے فرمایا:

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا ٱلۡإِنسَٰنَ مِن صَلۡصَٰلٖ مِّنۡ حَمَإٖ مَّسۡنُونٖ
وَٱلۡجَآنَّ خَلَقۡنَٰهُ مِن قَبۡلُ مِن نَّارِ ٱلسَّمُومِ

''اور یقیناً ہم نے انسان کو کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا' اور جنوں کو پیدا کیا اس سے بھی پہلے لُو والی آگ سے۔''[1]

اُن کو جن اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ انسانی آنکھ کو نظر نہیں آتے۔ ابلیس (شیطان) کا تعلق جنوں کی دنیا سے ہے' اگرچہ وہ فرشتوں کے ساتھ شامل تھا جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ جب اُس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اُس سے وجہ پوچھی گئی' اللہ نے فرمایا:

قَالَ أَنَا۠ خَيۡرٞ مِّنۡهُ خَلَقۡتَنِي مِن نَّارٖ وَخَلَقۡتَهُۥ مِن طِينٖ

''وہ بولا میں اس سے بہتر ہوں (کہ) تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا' اور اُسے مٹی سے بنایا ہے۔''[2]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فرشتوں کو روشنی سے پیدا کیا گیا اور جنّوں کو بغیر دھویں کی آگ سے۔''[3] اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَإِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلَٰٓئِكَةِ ٱسۡجُدُواْ لِأٓدَمَ فَسَجَدُوٓاْ إِلَّآ
إِبۡلِيسَ كَانَ مِنَ ٱلۡجِنِّ

''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ جنات میں سے تھا۔''[4]

چنانچہ اسے معزول فرشتہ یا اُس جیسا سمجھنا دُرست نہیں ہے۔

جنّوں کو پہلے اُن کی زندگی کے طریقوں کی بنا پر تین بڑی قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] سورہ الحجر ۱۵:۲۶-۲۷

[2] سورہ صٓ ۳۸:۷۶

[3] جمع کیا مسلمؒ نے (صحیح مسلم انگریزی ترجمہ' جلد ۴' صفحہ ۱۵۴۰' نمبر ۷۱۳۴)

[4] سورہ الکہف ۱۸:۵۰

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جنوں کی تین قسمیں ہیں۔ایک وہ جو ہر وقت فضا میں اُڑتے رہتے ہیں' دوسرے وہ جو سانپ اور کتوں کی شکل میں ہوتے ہیں' اور زمین پر بسنے والے جن جو کسی ایک جگہ رہتے ہیں یا پھر اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں۔''[1]

ایمان کی بنیاد پر جنوں کو مزید دو طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی مسلمان جن جو اہل ایمان ہیں اور کافر جن جو ایمان نہیں لائے۔اللہ نے اہل ایمان جنوں کا ذکر سورہ الجن میں اس طرح کیا ہے:

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ﴿١﴾ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ﴿٢﴾ وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ﴿٣﴾ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا

''(اے پیغمبرؐ لوگوں سے) کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے' ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کا راستہ بتاتا ہے' سو ہم اُس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی عظمت (شان) بہت بڑی ہے وہ نہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد۔اور یہ کہ ہم میں سے بعض بیوقوف اللہ کے بارے میں جھوٹ افترا کرتے رہے ہیں۔''[2]

وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ ۖ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا

''اور یہ کہ ہم میں سے بعض مسلمان ہیں اور بعض (نافرمان) گنہگار ہیں۔تو جو فرمانبردار ہوئے وہ سیدھے راستے پر چلے اور جو گنہگار ہوئے وہ دوزخ کا ایندھن بنے۔''[3]

وہ جنات جو اہلِ ایمان نہیں ہیں اُن کے عربی اور انگریزی میں مختلف نام ہیں' جن

---

1. جمع کیا الطبریؒ اور الحاکمؒ نے۔
2. سورہ الجن ۷۲: ۱۔۴
3. ایضاً ۷۲: ۱۴۔۱۵

کا ترجمہ ہے عفریت' شیطان' قرین' دیو' آسیب' بدروح اور بھوت وغیرہ۔ وہ مختلف طریقوں سے انسان کو غلط راستوں پر ڈالنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ جو کوئی بھی اُن کی باتوں پر کان دھرتا ہے اور اُن کے کہنے پر عمل کرتا ہے' اُن کا کارندہ بنتا ہے وہ انسانی شیطان کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَكَذَالِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِينَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ

''اور اس طرح ہم نے ہر پیغمبر کے لئے دُشمن بنایا ہے' شیاطین انسانوں اور شیاطین جنوں کو۔''[1]

ہر انسان کے ساتھ ایک ذاتی مخصوص جن رہتا ہے جس کو قرین (ساتھی) کہتے ہیں۔ یہ انسان کی دنیاوی زندگی کے امتحان کا حصہ ہے۔ یہ جن انسان کو سفلی خواہشات پر اُکساتا رہتا ہے اور مسلسل سیدھے راستے سے بھٹکانے کی کوشش میں رہتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعلق پر فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک ساتھی جن مقرر کر دیا گیا ہے۔'' صحابہ کرام نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے بھی؟'' اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے لئے بھی' مگر اللہ نے اُس کے مقابلے میں میری مدد فرمائی ہے اور وہ میرا مطیع ہو گیا ہے۔ اب وہ مجھے صرف نیک کام کرنے کو کہتا ہے۔''[2]

اللہ کے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اُن کی پیغمبری کی نشانی کے طور پر جنوں پر معجزانہ تسلط دیا گیا تھا۔ اللہ نے فرمایا:

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَٰنَ جُنُودُهُۥ مِنَ ٱلْجِنِّ وَٱلْإِنسِ وَٱلطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ

''سلیمان کے لئے جنوں' انسانوں اور پرندوں کا لشکر جمع کیا گیا تھا۔ ان سب کے صحیح طور پر درجات مقرر تھے۔''[3]

لیکن یہ قوت کسی اور کو نہیں دی گئی۔ کسی اور کو جنوں پر تسلط کی اجازت نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا کر سکتا ہے۔ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] سورہ الانعام ۶:۱۱۲

[2] جمع کیا مسلمؒ نے (صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۴' صفحہ ۱۴۷۲' نمبر ۶۷۵۷)

[3] سورہ النمل ۲۷:۱۷

''گزشتہ رات جنّوں میں سے ایک عفریت[1] نے مجھ پر تھوکا تا کہ میری نماز ٹوٹ جائے۔ مگر اللہ نے مجھے اُس پر غالب کیا' اور میں چاہتا تھا کہ اُسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دوں تا کہ صبح تم سب بھی اُسے دیکھ سکو۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی وہ دُعا یاد آ گئی: 'اے میرے مالک مجھے معاف فرما اور مجھے وہ سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو عطا نہ ہو۔'[2] ''[3]

انسان جنّوں پر تسلط حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ یہ ایک خاص معجزہ تھا جو فقط پیغمبر سلیمان علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ اصل میں جنّوں کے ساتھ رابطہ آسیب یا حادثے کے علاوہ زیادہ تر ایسے طریقوں سے کیا جاتا ہے جو انتہائی بے حرمتی والے ہیں' جن کو مذہب حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اُن کی اجازت نہیں دیتا۔[4] بُرے جنّوں کو ایسے طریقوں سے حاضر کرنے سے جن اپنے بلانے والوں کو گنہگار کرنے اور اللہ پر اُن کے ایمان کو ختم کرنے میں مددگار بن جاتے ہیں۔ اُن کا مقصد یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اُس سنگین ترین گناہ میں ملوث کر لیں جو اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا یا اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرنا ہے۔

ایک دفعہ اگر قسمت کا حال بتانے والوں کا جنّ کے ساتھ رابطہ اور معاہدہ ہو جائے تو جنّ اُن کو مستقبل میں ہونے والے کچھ واقعات بتا دیتے ہیں۔ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جنّ کس طرح مستقبل کے متعلق اطلاعات حاصل کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنّ آسمانوں کے نچلے حصے تک اُڑ سکتے ہیں اور وہاں وہ مستقبل کے متعلق فرشتوں کی آپس کی کچھ گفتگو سن لیتے ہیں پھر زمین پر واپس آ کر وہ اپنے انسانی رابطوں کو بتا دیتے ہیں۔[5] یہ سب نبی

---

[1] ایک مضبوط یا طاقتور شیطان جن: (E.W.Lane, 'Arabic-English Lexicon' Cambridge, England, Islamic Texts Society, 1984, Vol.2, p.2089)

[2] سورہ ص ۳۸:۳۵

[3] جمع کیا البخاریؒ نے 'صحیح البخاری' (عربی۔انگریزی) جلد ا' صفحہ ۲۶۸' نمبر ۷۵ اور مسلمؒ نے 'صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ا' صفحہ ۲۷۳' نمبر ۱۱۰۴

[4] 'Abu Ameenah Bilal Philips, 'Ibn Taymeeyah's Essay on the Jinn,' (Riyadh: Tawheed Publications, 1989) p.21

[5] جمع کیا البخاریؒ اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۴' صفحہ ۱۲۱۰' نمبر ۵۵۳۸)

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کافی ہوتا تھا' اور قسمت کا حال بتانے والے اپنی پیشین گوئیوں میں بہت حد تک صحیح ہوتے تھے۔ وہ شاہی درباروں میں اہم عہدوں پر فائز ہو کر لوگوں میں بھی بہت مقبول ہو جاتے تھے' یہاں تک کہ دُنیا کے کچھ علاقوں میں اُن کی پرستش کی جاتی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آغاز کے بعد صورت حال بدل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مقرر کر دیا کہ وہ آسمانوں کے نچلے حصے کی بہت اچھی طرح حفاظت کریں اور زیادہ تر جنّوں کو شہاب ثاقب یعنی ستاروں کے شعلوں کے ذریعے بھگایا جانے لگا۔ اللہ نے اس مظہر قدرت کو قرآن میں ایک جن کی زبان سے بیان فرمایا ہے:

وَأَنَّا لَمَسْنَا ٱلسَّمَآءَ فَوَجَدْنَٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَٰعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَن يَسْتَمِعِ ٱلْـَٔانَ يَجِدْ لَهُۥ شِهَابًا رَّصَدًا

''اور یہ کہ ہم نے (جنوں نے) آسمان کو ٹٹولا تو اُس کو مضبوط چوکیداروں اور شہاب ثاقب سے بھرا ہوا پایا اور یہ کہ پہلے ہم وہاں بہت سے مقامات میں (خبریں) سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لئے انگارا تیار پائے۔''[1]

اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَحَفِظْنَٰهَا مِن كُلِّ شَيْطَٰنٍ رَّجِيمٍ ﴿١٧﴾ إِلَّا مَنِ ٱسْتَرَقَ ٱلسَّمْعَ فَأَتْبَعَهُۥ شِهَابٌ مُّبِينٌ

''اور ہر شیطان راندہ درگاہ سے اُسے (آسمان کو) محفوظ کر دیا۔ ہاں اگر کوئی چوری سے سننا چاہے تو چمکتا ہوا انگارا اُس کے پیچھے لپکتا ہے۔''[2]

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: ''جب اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کرامؓ کے ساتھ عکاظ بازار کی طرف روانہ ہوئے تو آسمان میں شیاطین کو خبریں سننے سے

---

[1] سورہ الجن ۷۲: ۸۔۹

[2] سورہ الحجر ۱۵: ۱۷۔۱۸

روک دیا گیا۔ اُن پر شہابِ ثاقب کی بارش کی گئی پس وہ سب بھاگ کر واپس اپنے لوگوں کے پاس پہنچ گئے۔ جب اُن کے ساتھیوں نے پوچھا کہ کیا ہوا تو اُنہوں نے وجہ بتائی۔ اُن میں سے کچھ نے کہا کچھ ہوا ضرور ہے' چنانچہ وہ تمام زمین پر پھیل گئے تاکہ اس کی وجہ معلوم ہو سکے۔ اُن میں سے کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے صحابہ کرامؓ کے پاس بھی پہنچ گئے جو اُس وقت نماز پڑھ رہے تھے' اور انہوں نے قرآن سُنا اور آپس میں کہا کہ یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ ہم کو سننے سے روک دیا گیا ہے۔ جب وہ اپنے لوگوں میں واپس گئے تو اُن کو بتایا: 'یقیناً ہم نے بہت عمدہ قرآن سُنا ہے' یہ سچائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے' لہٰذا ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم کبھی بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔'[1] ''[2]

لہٰذا اب جنّ مستقبل کے متعلق وہ خبریں آسانی سے حاصل نہیں کر سکتے جو وہ بعثتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے وہ اب اِن خبروں میں بہت سا جھوٹ شامل کر لیتے ہیں۔ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ (جنّ) معلومات نیچے بھیج دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ کسی جادوگر یا پیشین گوئیاں کرنے والے کے ہونٹوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خبر پہنچانے سے پہلے ہی شہاب ثاقب اُن کو آ لیتا ہے اور اگر وہ شہاب ثاقب سے بچ کر خبر پہنچا بھی دیں تو اُس میں سینکڑوں جھوٹ ملا دیتے ہیں۔'' [3] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے ایک دفعہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے قسمت کا حال بتانے والوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے پھر کہا قسمت کا حال بتانے والے بعض اوقات ایسی باتیں بتاتے ہیں جو سچ نکلتی ہیں تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تھوڑا سا سچ ہوتا ہے جو جنّ چرا کر لاتا ہے اور اپنے دوست کے

---

[1] سورہ الجن ۷۲: ۱۔۲

[2] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔انگریزی' جلد ۶' صفحہ ۴۱۵۔۴۱۶' نمبر ۴۴۳) اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۱' صفحہ ۲۴۳۔۲۴۴' نمبر ۹۰۸) اور الترمذیؒ اور احمدؒ نے۔

[3] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔انگریزی جلد ۸' صفحہ ۱۵۰' نمبر ۲۳۲) اور الترمذیؒ نے۔

کان میں سو جھوٹ ملا کر بک دیتا ہے۔''[1]

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن الخطاب بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے ایک خوبصورت شخص[2] گزرا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو یہ شخص ابھی تک قبل از اسلام والے مذہب پر قائم ہے یا پھر شاید اُن کے قسمت کا حال بتانے والوں میں سے ہے۔'' آپؓ نے حکم دیا کہ اس آدمی کو میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ آیا تو آپؓ نے اُس سے اپنے شک کے بارے میں پوچھا۔ اُس نے جواب دیا: ''میں نے آج سے پہلے کبھی ایسا دن نہیں دیکھا جب ایک مسلمان پر اِس قسم کے الزامات لگائے گئے ہوں۔'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''یقیناً میں نے تم سے معلوم کرنے کا پکا ارادہ کیا ہوا ہے۔'' اِس پر اُس آدمی نے کہا: ''میں دور جہالت میں اُن کا قسمت کا حال بتانے والا تھا۔'' یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: ''مجھے وہ عجیب ترین بات بتاؤ جو تمہاری مادہ جن نے تمہیں بتائی تھی۔'' یہ سُن کر اُس آدمی نے کہا: ''ایک دن جب میں بازار میں تھا تو وہ بہت پریشان حالت میں میرے پاس آئی اور کہا: 'کیا تم نے جنّوں کو اُن کی بے عزتی کی وجہ سے بے حد پریشان نہیں دیکھا؟ اور اُن کا اونٹنیوں اور اُن کے سواروں کا پیچھا کرنا'[3]'' حضرت عمرؓ بیچ میں بول اُٹھے: ''یہ سچ ہے''۔[4]

جن اپنے انسانی رابطوں کو کسی حد تک مستقبل کے بارے میں بھی بتا سکتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص مستقبل کا حال بتانے والے کے پاس جاتا ہے تو مستقبل کا حال بتانے والے کا جن اُس شخص کے قرین[5] سے یہ معلوم کر لیتا ہے کہ یہ شخص یہاں آنے سے پہلے کیا ارادے اور منصوبے

---

[1] جمع کیا البخاریؒ نے (صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۷' صفحہ ۴۳۹' نمبر ۶۵۷) اور مسلمؒ نے (صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۴' صفحہ ۱۲۰۹' نمبر ۵۵۳۵)

[2] اُس کا نام سواد ابن قارب تھا۔

[3] جب جنّوں کو چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے سے روک دیا گیا تو اُن کو عربوں کی پیروی کرنا پڑی تا کہ معلوم ہو کہ ان کو کیوں روک دیا گیا۔

[4] جمع کیا البخاریؒ نے (صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۵' صفحہ ۱۳۱۔۱۳۲' نمبر ۲۰۶)

[5] وہ جن جو ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔

رکھتا تھا۔ اس طرح مستقبل کا حال بتانے والا اُس کو بتا سکتا ہے کہ وہ کیا کرے گا' یا کدھر کدھر جائے گا۔ اس طریقے سے اصلی مستقبل کا حال بتانے والا اجنبی شخص کے ماضی کو خوب اچھی طرح جان لیتا ہے۔ وہ ایک بالکل اجنبی کو اُس کے والدین کے نام' اس کی جائے پیدائش اور اُس کے بچپن کے واقعات وغیرہ بتا سکتا ہے۔ ماضی کے حالات کو صاف طور پر بیان کرنا اصلی مستقبل کا حال بتانے والے کی نشانیوں میں سے ایک ہے جس کا جنّ کے ساتھ رابطہ ہو چکا ہوتا ہے۔ چونکہ جنّ لمبے لمبے فاصلے آنِ واحد میں طے کر سکتے ہیں' وہ پوشیدہ چیزوں' گم شدہ اشیاء اور اَن دیکھے واقعات کے متعلق بھی بہت زیادہ معلومات جمع کر لینے کے قابل ہوتے ہیں۔ اُن کی اِس خاصیت کا ثبوت قرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور سبا کی ملکہ بلقیس کی کہانی میں ملتا ہے۔ جب ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کے لئے آئی تو آپ نے جنّ سے کہا کہ وہ ملکہ کے ملک سے اُس کا تخت اُٹھا کر لے آئے۔ ''جنوں میں سے ایک عفریت نے کہا میں آپ کے اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پیشتر ہی آپ کے لئے اُس کو لے کر حاضر ہو جاؤں گا' یقیناً میں طاقتور بھی ہوں اور اِس کام کے لئے قابلِ اعتماد بھی ہوں۔''[1]

قسمت کا حال بتانے کے متعلق شرعی فیصلہ

چونکہ قسمت کا حال بتانے کے عمل میں دینی عقائد کی بے حرمتی ہوتی ہے اور ملحدانہ عوامل استعمال ہوتے ہیں اس لئے اس کے خلاف اسلام کا نقطۂ نظر بہت سخت ہے۔ اسلام میں قسمت کا حال بتانے والوں کے ساتھ کسی قِسم کے تعلقات سے منع کیا گیا ہے سوائے اس کے کہ اُن کو ممنوعہ کام ترک کرنے کے لئے کہا جائے:

قسمت کا حال بتانے والوں سے ملاقات

اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اصول وضع فرمائے ہیں جو صاف طور پر قسمت کا

---

[1] سورۃ النمل ۲۷: ۳۹-۴۰

حال بتانے والوں کے پاس ملنے کے لئے جانے سے منع کرتے ہیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ) سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی شخص قسمت کا حال بتانے والے کے پاس جائے اور اُس سے کچھ پوچھے تو اُس کی چالیس دن اور رات کی نمازیں قبول نہیں ہونگی۔''[1] اس حدیث میں جو سزا ہے وہ صرف قسمت کا حال بتانے والے کے پاس جانے اور محض تجسس کی بنا پر کچھ پوچھنے کی ہے۔ اِس ممانعت کو حضرت معاویہ ابن الحکم السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے بھی تقویت ملتی ہے جس میں اُنہوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کچھ لوگ کاہنوں کے پاس زیارت کے لئے جاتے ہیں۔'' اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اُن کے پاس مت جایا کرو۔''[2] اِتنی سخت سزا فقط ملاقات کی اِس لئے ہے کہ یہ قسمت کا حال بتانے پر عقیدہ رکھنے کی طرف پہلا قدم ہے۔ اگر کوئی قسمت کا حال بتانے والوں کے پاس جائے اور اُن پر اعتقاد نہ رکھتا ہو اور کوئی پیشین گوئی سُن لے جو بعد میں پوری ہو جائے، تو وہ شخص یقیناً اُن قسمت کا حال بتانے والوں کا عقیدت مند ہو جائے گا اور قسمت کا حال بتانے کے عمل پر یقین کرنے لگے گا۔ جو شخص بھی قسمت کا حال بتانے والوں کے پاس جائے گا اُسے چالیس دن نماز بہر حال پڑھنا ہوگی اگر چہ اُس کو اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ اگر وہ نماز پڑھنا ہی ترک کر دے تو اس طرح وہ ایک اور بڑے گناہ کا مرتکب ہوگا۔ یہ اُس اسلامی شرع کی طرح ہے جو چوری کی چیزوں پر یا اُن کے اندر نماز پڑھنے سے متعلق ہے، جس پر بیشتر اہلِ فقہ متفق ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ جب فرض نماز پڑھی جاتی ہے تو عام حالات میں اس کے دو نتیجے نکلتے ہیں:

۱۔ پڑھنے والے شخص کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔

۲۔ پڑھنے والے کو اس کا ثواب ملتا ہے۔

اگر کوئی چوری کی چیز پر یا اُس کے اندر نماز پڑھتا ہے تو اُس سے اُس کا فرض تو ادا ہو جاتا

---

[1] جمع کیا مسلمؒ نے (صحیح مسلم، انگریزی ترجمہ، جلد ۴، صفحہ ۱۲۱۱، نمبر ۵۵۴۰)

[2] ایضاً۔ جلد ۴، صفحہ ۱۲۰۹، نمبر ۵۵۳۲

ہے مگر اس کا ثواب نہیں ملتا۔[1] اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی فرض نماز دوبارہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

قسمت کا حال بتانے والوں پر اعتقاد

اسلام نے ایسے شخص پر کفر کا فیصلہ دیا ہے جو قسمت کا حال بتانے والوں کے پاس یہ سمجھتے ہوئے جائے کہ اُن کے پاس غیب کا علم ہے اور وہ مستقبل کو جانتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی بھی قسمت کا حال بتانے والے کے پاس جاتا ہے اور اُس کے کہنے پر یقین کرتا ہے وہ اِس سے انکار کرتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا تھا۔''[2] اس طرح کا یقین کرنے کا مطلب ہے کہ مخلوق کو وہ اوصاف دے دیئے گئے جو غیب اور مستقبل کے علم کے متعلق اللہ کے اوصاف ہیں، جس کے نتیجے کے طور پر توحید الاسماء والصفات پر ایمان برباد ہو جاتا ہے اور توحید کے اس دائرے میں یہ شرک کی ایک قسم ہے۔

قیاس کی بنیاد پر کُفر کے اس فیصلے میں وہ لوگ شامل ہیں جو قسمت کا حال بتانے والوں کی لکھی ہوئی کتابیں اور تحریریں پڑھتے ہیں، ریڈیو یا ٹی وی پر اُن کی تقریریں سنتے یا دیکھتے ہیں، کیونکہ بیسویں صدی کے قسمت کا حال بتانے والے اپنی پیشین گوئیوں کو پھیلانے کے لئے اِن ہی مقبول ذرائع کو استعمال کرتے ہیں۔

اللہ نے قرآن میں صاف صاف فرمایا ہے کہ اُس کے سوا کوئی غیب کا علم نہیں جانتا۔ حتیٰ کہ اللہ کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ اللہ نے فرمایا ہے:

وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ ۚ

''اور اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''[3]

---

[1] بیان النوویؒ سے 'تیسیر العزیز الحمید' صفحہ ۴۰۷

[2] جمع کیا احمدؒ نے 'ابوداؤدؒ نے ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۰۹۵' نمبر ۳۸۹۵) اور البیہقیؒ نے۔

[3] سورہ الانعام ۶:۵۹

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

قُل لَّآ أَمۡلِكُ لِنَفۡسِي نَفۡعٗا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُۚ وَلَوۡ كُنتُ أَعۡلَمُ ٱلۡغَيۡبَ لَٱسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ ٱلۡخَيۡرِ وَمَا مَسَّنِيَ ٱلسُّوٓءُۚ

''کہہ دو میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا' مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔'' [1]

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

قُل لَّا يَعۡلَمُ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ ٱلۡغَيۡبَ إِلَّا ٱللَّهُ

''کہہ دو جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کے سوا غیب نہیں جانتا۔'' [2]

اس لئے تمام دنیا میں استعمال ہونے والے مختلف طریقے جو کاہن' قسمت کا حال بتانے والے اور اُن جیسے دوسرے لوگ استعمال کرتے ہیں مسلمانوں کے لئے منع کئے گئے ہیں۔ ہاتھ دیکھنا' آئی چنگ' قسمت کے بسکٹ' چائے کی پتیاں' ستاروں کے بروج کے نشان اور کمپیوٹر پروگرام بایورِدھم یہ سب اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ان کو ماننے والوں کو اُن کے مستقبل سے آگاہ کرتے ہیں۔ تاہم اللہ نے بالکل غیر مبہم انداز میں یہ کہہ دیا ہے کہ صرف وہی مستقبل کو جانتا ہے:

إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلۡمُ ٱلسَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ ٱلۡغَيۡثَ وَيَعۡلَمُ مَا فِي ٱلۡأَرۡحَامِۖ وَمَا تَدۡرِي نَفۡسٞ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدٗاۖ وَمَا تَدۡرِي نَفۡسُۢ بِأَيِّ أَرۡضٖ تَمُوتُۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرُۢ

''اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی (حاملہ کے) رحم کے معاملات کو جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کام کرے گا اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس زمین میں اُسے موت آئے گی۔ بے شک اللہ

---

[1] سورہ الاعراف ۷:۱۸۸

[2] سورہ النمل ۲۷:۶۵

ہی جاننے والا (اور) خبردار ہے۔''[1]

اس لئے مسلمانوں کو ایسی کتابوں' رسالوں' اخباروں اور افراد سے بہت احتیاط برتنا چاہیے جو کسی نہ کسی طریقے سے مستقبل یا غیب کے علم کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب کوئی مسلمان موسمی حالات بتاتا ہے کہ کل بارش ہوگی یا برف پڑے گی یا موسم کی کوئی اور تبدیلی رونما ہوگی تو اُس کو چاہیے کہ اس کے ساتھ ان شاء اللہ (اگر اللہ نے چاہا) کے کلمات بھی کہا کرے۔ اسی طرح جب مسلمان معالجہ اپنی مریضہ کو اطلاع دے کہ اُس کے یہاں نو ماہ بعد یا فلاں دن بچہ پیدا ہوگا' تو اُسے احتیاط کرتے ہوئے اپنے بیان میں اِن شاء اللہ کے کلمات شامل کرنے چاہئیں' کیونکہ اِس طرح کے بیانات فقط شماریات سے حاصل شدہ معلومات پر مبنی اندازے ہی ہوتے ہیں۔

[1] سورہ لقمٰن ۳۱:۳۴

چھٹا باب

علم نجوم

ماضی کے مسلمان عُلماء نے ستارہ شناسی اور سیاروں کا حساب لگانے کے علم کو مجموعی طور پر ایک نام 'تنجیم' دیا اور اُنہوں نے اس کو تین بڑے درجوں میں تقسیم کیا تا کہ اسلامی قانون کے مطابق اُن کا تجزیہ اور درجہ بندی کی جا سکے۔

ا۔ پہلے درجے میں اس عقیدے کی نمائندگی ہے کہ زمین پر رہنے والی مخلوق پر اجرام فلکی کا اثر ہوتا ہے اور اِن اجسام کی حرکت کے مشاہدے سے مستقبل میں ہونے والے واقعات کی پیشین گوئی کی جا سکتی ہے۔[۱] اِس عقیدے کا آغاز جس کا نام بعد میں علم نجوم رکھا گیا' جہاں تک معلوم ہو سکا ہے قدیم عراق میں تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح ہوا' اور یونانی تہذیب کے دائرے میں یہ اپنے عروج کو پہنچا۔ قدیم عراق والے علم نجوم کی ایک قسم ہندوستان اور چین میں چھ سو سال قبل مسیح پہنچی تھی' مگر چین میں صرف ستاروں سے مستقبل کے متعلق پیشین گوئی کرنے والے حصے کو ہی اپنایا گیا۔ قدیم عراق میں علم نجوم ایک شاہی ادارہ تھا جس میں بادشاہ اور اُس کی سلطنت کی بہتری کے لئے آسمان میں علامات سے شگون حاصل کئے جاتے تھے۔ قدیم عراق میں یہ عقیدہ رائج تھا کہ اجرام فلکی طاقتور دیوتا ہیں۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں جب یہ 'ستارے دیوتا' یونان میں متعارف کرائے گئے تو یہ سیاروں کے متعلق یونانی روایات کا ماخذ بن گئے۔ یونان میں علم نجوم شاہی دربار کے باہر بھی اُن لوگوں کے لئے جو اس کی قیمت ادا کر سکتے تھے' مستقبل کے حالات جاننے کے لئے دستیاب ہو گیا۔[۲]

۱۔ 'تفسیر العزیز الحمید' صفحہ ۴۴۱

۲۔ William D.Halsey (ed). 'Collier's Encyclopedia' (USA: Crowell-Collier Educational Corporation, 1970, vol.3, p.103

دو ہزار سال سے زیادہ تک علم نجوم نے مذہب' فلسفہ اور بُت پرست یورپ اور پھر مسیحی یورپ کی سائنس کو بھر پور انداز سے متاثر کئے رکھا۔ ڈانٹے اور سینٹ ٹامس اکوینس دونوں نے تیرہویں صدی کے یورپ میں نجوم کے سبب ہونے کے نظریے کو اپنے اپنے فلسفے میں شامل کیا۔ صابی قوم کا بھی یہی عقیدہ تھا جن کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ صابی لوگ سورج' چاند اور ستاروں کو خدا مانتے تھے اور اُن کو سجدہ کرتے تھے۔ انہوں نے خاص قسم کی عبادت گاہیں بنا کر اُن کے اندر اجرام فلکی کے نمائندہ بُت اور تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔ اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ اجرام فلکی کی روحیں اُن بتوں کے اندر اترتی تھیں اور لوگوں سے رابطہ کر کے اُن کی ضرورتیں پوری کرتی تھیں۔[1] اس قسم کے علم نجوم کو کفر قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ توحید الاسماء و الصفات کو ختم کرتا ہے۔ ایسے عقیدے ستاروں' سیاروں اور کہکشاؤں کو اللہ کی کچھ بے مثال صفات منسوب کرتے ہیں' جن میں سب سے نمایاں قدر (تقدیر) ہے۔ جو لوگ علم نجوم کے عامل ہیں وہ بھی کفر کرتے ہیں' کیونکہ وہ مستقبل کو جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ اپنے آپ سے اللہ کے علم کے کچھ اوصاف منسوب کر کے وہ اُن لوگوں کو جو اُن پر یقین رکھتے ہیں' اس مصیبت سے بچانے کا جھوٹا عندیہ دیتے ہیں جو اللہ نے اُن کی قسمت میں لکھی ہوتی ہے' اور وہ فائدہ حاصل کرانے کا جھوٹا وعدہ کرتے ہیں جو اللہ نے اُن کے لئے مقرر نہیں کیا ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کے مطابق بھی علم نجوم کو حرام قرار دیا گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی بھی علم نجوم کے کسی حصے کو سیکھتا ہے وہ جادو کے ایک حصے کو سیکھتا ہے۔ اُس کا اس طرح کا علم جتنا بڑھتا ہے اُتنا ہی اُس کا گناہ بڑھتا ہے۔''[2]

۲۔ دوسرے درجے میں وہ لوگ ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی مرضی ہے کہ اجرام فلکی کی حرکات اور ان کی ہیئت و ترتیب کی تبدیلی دُنیا میں مختلف واقعات کے رونما ہونے

---

[1] ''تیسیر العزیز الحمید' صفحہ ۴۴۱

[2] جمع کیا ابوداؤدؒ نے (''سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ جلد ۳' صفحہ ۱۰۹۵' نمبر ۳۸۹۶) اور ابن ماجہؒ نے۔

کی نشاندہی کرے۔[1] یہ اُن مسلمان نجومیوں کا بیان کردہ عقیدہ تھا جنہوں نے بابل کے زمانے کے علم نجوم کو سیکھا اور اس پر عمل کیا۔ علم نجوم کو بعد کے اُموی خلفاء اور شروع کے عباسی خلفاء نے بھی شاہی درباروں میں جگہ دی۔ ہر خلیفہ اپنے ساتھ ایک درباری نجومی رکھتا تھا' جو اُسے روزانہ کے کاموں میں مشورہ دیتا تھا اور آنے والے خطرات سے آگاہ کرتا تھا۔ چونکہ مسلمان عوام جانتے تھے کہ علم نجوم اپنی اصلی حالت میں کفر ہے اِس لئے اُن مسلمانوں نے جو اس کو استعمال کرنا چاہتے تھے کچھ مصالحت کر لی تاکہ یہ اسلامی طور پر قابل قبول لگے۔ نتیجے کے طور پر علم نجوم پر مبنی پیشین گوئیوں کو اللہ کی مرضی کہا جانے لگا۔ تاہم اسلام میں علم نجوم کی یہ قسم بھی حرام ہے اور اس پر عمل کرنے والے کو بھی کافر قرار دیا جانا چاہیے' کیونکہ بُت پرستوں کے عقیدے اور اس عقیدے میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قوت اجرام فلکی کو دے دی جاتی ہے اور وہ لوگ جو اُن کی ہیئت کی تعبیر کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ مستقبل کو جاننے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ تاہم بعد میں آنے والے کُچھ علماء نے اس معاملے میں اللہ کے قانون کے اطلاق میں نرمی برتی ہے اور اِس قسم کے علم نجوم کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے' اس وجہ سے کہ یہ بہت سے مسلمانوں میں عمومی طور پر قابلِ قبول ہو گیا ہے۔

۳۔ تیسرے اور آخری درجے کا تعلق ستاروں کی ہیئت اور ترتیب کے ذریعے سمندروں میں سفر کرنے والے ملاحوں اور ریگستان میں سفر کرنے والے مسافروں کے راستے کا تعین کرنے سے ہے' یا کاشتکاروں کا ان کے ذریعے موسم کی تبدیلی سے متعلق معلومات لینا ہے جس سے وہ فصلیں بونے کے وقت کا تعین کر سکیں۔[2] صرف ایسے اور ان سے ملتے جلتے کاموں میں مسلمانوں کے لئے علم نجوم کا یہ پہلو قرآن اور سُنت کی رُو سے حلال ہے۔

اِس استثناء کی بنیاد قرآن کی یہ آیت ہے:

وَهُوَ ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلنُّجُومَ لِتَهۡتَدُواْ بِهَا فِى ظُلُمَٰتِ ٱلۡبَرِّ وَٱلۡبَحۡرِ

---

[1] "تیسیر العزیز الحمید" صفحہ ۴۴۲

[2] ایضاً صفحہ ۴۴۷۔۴۴۸

''اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تاکہ بحر و بر کے اندھیروں میں اُن سے راستے معلوم کرو۔''[1]

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ[2] سے مندرجہ ذیل روایت نقل کی ہے: ''یقیناً اللہ نے ستاروں کو اطراف معلوم کرنے اور شیطان کو پتھر مارنے کے لئے بنایا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی ستاروں سے کچھ اور حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُس نے وحشیانہ خیال آرائی کی۔ وہ اپنا نقصان کرتا ہے اور اپنی زندگی کی خوشیاں برباد کرتا ہے اور وہ کام کرنا چاہتا ہے جس کا اُس کو کوئی علم نہیں۔ یقیناً ایسے کام کرنے والے اللہ کے احکامات سے آگاہ نہیں ہوتے' انہوں نے ستاروں میں خدائی اوصاف ایجاد کر لئے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کوئی اس ستارے کے مطابق شادی کرے گا اُس کے ساتھ یہ ہوگا یا وہ ہوگا' اور جو کوئی بھی اس ستارے یا اُس ستارے کے تحت سفر کرے گا اُس کو یہ ملے گا یا وہ ملے گا۔ قسم ہے مجھے اپنی زندگی کی! ہر ستارے کے نیچے سرخ' کالے لمبے' چھوٹے قد کے' بدصورت اور خوبصورت جانور پیدا ہوتے ہیں۔ مگر نہ تو ستارے' نہ جانور اور نہ پرندے غیب کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔ اگر کسی کو یہ سکھانا ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو یہ سکھا دیتا' جن کو اللہ نے خود اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا' فرشتوں سے سجدہ کروایا اور اُن کو ہر چیز کے نام سکھائے۔''

ستاروں کے استعمال کی حد بندی جو حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ نے کی ہے اُس کی بنیاد بھی سورہ الانعام کی آیت ۹۷ ہے جو پہلے بیان کی گئی ہے اور اِس کی بنیاد اِس آیت پر بھی ہے:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَـٰبِيحَ وَجَعَلْنَـٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيَـٰطِينِ

''اور ہم نے دُنیا کے آسمان کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور اُن کو شیاطین کے مارنے کا آلہ بنایا۔''[3]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں فرمایا کہ کبھی کبھی جن نیچے والے آسمانوں

---

[1] سورہ الانعام ۶:۹۷

[2] ایک بڑے عالم دین جنہوں نے صحابہ کرامؓ سے تعلیم حاصل کی۔

[3] سورہ الملک ۶۷:۵

تک جاتے ہیں اور چھپ کر فرشتوں کی باتیں سنتے ہیں جو وہ آپس میں دنیا میں آنے والے مختلف واقعات کے متعلق کرتے ہیں۔ یہ جن واپس زمین پر آ کر مستقبل کے متعلق پیشین گوئیاں کرنے والوں کو بتا دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید بتایا کہ اللہ تعالیٰ جنّوں کو بھگانے کے لئے اور اُن میں سے زیادہ تر کو چھپ کر باتیں سننے سے باز رکھنے کے لئے شہاب ثاقب کا استعمال کرتا ہے سوائے اس کے کہ کبھی کبھار وہ کوئی بات سُن لیتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسمت کا حال بتانے والے جو پیشین گوئیاں کرتے ہیں اُن میں تھوڑے سے سچ اور سینکڑوں جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے[1] لہٰذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ستاروں کو اُن کاموں کے علاوہ جو اللہ نے صاف طور پر بتائے ہیں یا جو خود ستاروں سے متعلق ہیں، دوسرے کاموں کے لئے استعمال کرنے سے گریز کریں۔

مسلمان نجومیوں کے دلائل

اپنے کام کی تائید اور جواز میں علم نجوم میں ملوث مسلمانوں نے قرآن کی چند آیات کو استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر حال ہی میں سورہ البروج کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا گیا ہے اور اِس سورہ کا نام ''بروج کے نشان''[2] رکھا گیا ہے اور اِس کی پہلی آیت کا ترجمہ اللہ کی طرف سے قسم کے طور پر ''بروج کے نشانوں کی قسم'' کیا گیا ہے۔ یہ لفظ 'بروج' کا غلط اور گمراہ کرنے والا ترجمہ ہے۔ اس لفظ کا اصل ترجمہ ہے ستاروں کی ہیئت اور ترتیب نہ کہ بروج کے نشان۔ بروج کے نشانات تو صرف جانوروں کی شکلیں ہیں جو قدیم اہل بابل اور اہل یونان نے ستاروں کے موجود ترتیبی اجتماع پر چسپاں کی ہوئی ہیں۔ اس لئے اِس آیت کو کسی طرح بھی ستاروں کی جاہلانہ پرستش کی تائید میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اِن تصویری شکلوں کا کسی طرح بھی

---

[1] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۷' صفحہ ۴۳۹' نمبر ۶۵۷) اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۴' صفحہ ۱۲۰۹' نمبر ۵۵۳۵)

[2] اے۔ یوسف علی' قرآن پاک (ترجمہ) (بیروت: دار القرآن الکریم) صفحہ ۱۷۱۴

ستاروں کے ترتیبی اجتماع سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ خلا میں ستاروں کی حرکت سے ترتیبی اجتماع میں وقت کے ساتھ زبردست تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

پہلے وقتوں میں سورہ النحل کی مندرجہ ذیل آیت کو خلفاء کے درباروں میں علم نجوم کے جواز میں استعمال کیا جاتا تھا:

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ

''اور (راستوں میں) نشانات بنا دیئے اور لوگ ستاروں سے بھی راستے معلوم کرتے ہیں''[1]

''مسلمان'' نجومی کہتے تھے کہ اس آیت کا مطلب ہے کہ ستارے غیب کے راستے کے نشان ہیں اور یہ کہ اس علم سے لوگوں کی اُن کے مستقبل کے متعلق صحیح رہنمائی کی جا سکتی ہے۔[2] تاہم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ، جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ترجمان القرآن (قرآن کے معنی بیان کرنے والا) کہتے تھے، نے فرمایا کہ اِس آیت میں جو نشانیوں کا ذکر ہے اُس کا مطلب ہے راستے کے نشان یا دن کے وقت نظر آنے والے امتیازی نشانات۔ اُن کا تعلق ستاروں سے ہرگز نہیں ہے۔ اور پھر آپؓ نے یہ کہا کہ ''وہ لوگ ستاروں سے بھی راستے معلوم کرتے ہیں'' کا مطلب ہے کہ رات کو اُن کے سمندری اور خشکی کے سفر کے دوران ستاروں سے اُن کی رہنمائی کی گئی ہے۔[3] دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت اور سورہ الانعام کی آیت ۹۷ کا مطلب ایک ہی ہے۔

تاہم اِن آیات یا قرآن کی دوسری آیات کا استعمال اس لئے کرنا کہ علم نجوم اور اس سے متعلق دوسرے باطل علوم کے پڑھنے اور عمل کرنے کی حمایت حاصل ہو مکمل طور پر غلط ہے۔ اس سے قرآن کی اور بھی بہت سی آیات کی نفی ہوتی ہے جن کا مطلب ہے کہ صرف اللہ ہی کو مستقبل کا

---

[1] سورہ النحل ۱۶:۱۶

[2] 'تیسیر العزیز الحمید' صفحہ ۴۴۴

[3] جمع کیا ابن جریر الطبریؒ نے اپنی تفسیر 'جامع البیان عن تاویل القرآن' میں' (مصر: الحلبی پبلشنگ کمپنی' تیسرا ایڈیشن' ۱۹۶۸) جلد ۱۴' صفحہ ۹۱

علم ہے' اس کے علاوہ یہ بہت سی احادیث کی بھی نفی کرتا ہے' جن میں صاف طور پر علم نجوم اور اس سے متعلق باطل علوم کو سیکھنے یا اِن پر یقین رکھنے کی مخالفت کی گئی ہے۔

مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کسی نے بھی علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھا گویا اُس نے جادو کا کچھ حصہ سیکھ لیا۔''[1] حضرت ابومہجم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اپنے بعد اپنی قوم میں جس چیز سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ ہے اس کے قائدین کی ناانصافی' ستاروں پر یقین اور اللہ کی قدر کا انکار۔''[2]

اس لئے حقیقت میں علم نجوم اور اس پر یقین یا اس کے استعمال کی اسلام میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ جو کوئی بھی مذہبی الفاظ کے معنی کو مروڑ کر اپنی پیچیدہ خواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے وہ اصل میں وہی کچھ کرتا ہے جو یہودیوں نے کیا تھا۔ اُنہوں نے تورات کی آیات کو سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے دانستہ طور پر الفاظ کے مطالب ہی تبدیل کر دیئے تھے۔[3]

جنم پتری یا زائچہ پر شرعی فیصلہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا نہ صرف علم نجوم کا عمل ہی حرام ہے بلکہ کسی نجومی کے پاس جانا' اُس کی پیشین گوئیاں سُننا' علم نجوم پر کتابیں خریدنا' یا اپنی جنم پتری (ہاروسکوپ) پڑھنا بھی منع ہے۔ چونکہ علم نجوم خاص طور پر مستقبل کی پیشین گوئیوں کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کو استعمال کرنے والوں کو قسمت کا حال بتانے والے سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا جو کوئی بھی اپنی جنم پتری بنواتا ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے زُمرے میں آتا ہے: ''جو کوئی بھی کسی قسمت کا حال بتانے والے کے پاس جا کر کچھ پوچھتا ہے اُس کی چالیس دن اور رات کی نمازیں

---

[1] جمع کیا ابوداؤدؒ نے ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۰۹۵' نمبر ۳۸۹۶) اور ابن ماجہؒ نے

[2] جمع کیا ابن عساکرؒ نے اور تصدیق کیا السیوطیؒ نے (بیان کیا گیا 'تیسیر العزیز الحمید' میں صفحہ ۴۴۵)

[3] دیکھئے سورہ النسآء ۴: ۴۷ اور المآئدہ ۵: ۱۳ اور ۴۱

قبول نہیں ہوں گی۔'' [1]

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے اِس حدیث میں یہ سزا صرف نجومی کے پاس جانے اور کچھ پوچھنے کی ہے' خواہ اُس شخص کا نجومی کی باتوں کی سچائی پر شک ہی ہو۔ اگر کسی کو نجومی کی بتائی ہوئی باتوں پر سچی یا جھوٹی ہونے کا شک ہی ہو تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ اوروں پر غیب اور مستقبل کا علم رکھنے یا نہ رکھنے کے معاملے میں مشکوک ضرور ہے۔ یہ ایک قسم کا شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کہا ہے:

وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَآ إِلَّا هُوَۚ

''اور اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' [2]

قُل لَّا يَعۡلَمُ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ ٱلۡغَيۡبَ إِلَّا ٱللَّهُ

''کہہ دو جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا اُن میں سے کوئی بھی غیب کی باتیں نہیں جانتا۔'' [3]

البتہ اگر کوئی اپنی جنم پتری یا زائچے کی پیشین گوئیوں پر یقین رکھتا ہے' خواہ وہ کسی نجومی نے بتائی ہوں یا نجوم کی کتاب میں لکھی ہوں تو وہ براہ راست کفر کا ارتکاب کرتا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جو کوئی بھی کسی کاہن یا قسمت کا حال بتانے والے کے پاس جاتا ہے اور اُس کی باتوں پر یقین کرتا ہے تو وہ اُس پر یقین نہیں رکھتا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔'' [4]

پچھلی حدیث کی طرح یہ حدیث بھی حرف بہ حرف قسمت کا حال بتانے والوں کے لئے ہے' مگر یہ نجومیوں پر بھی اُسی طرح صادق آتی ہے۔ دونوں ہی مستقبل کے علم کا دعویٰ کرتے ہیں۔ نجومی کا دعویٰ اُسی طرح توحید کے خلاف ہے جس طرح عام قسمت کا حال بتانے والے کا۔ اُس کا

---

[1] روایت کیا حضرت حفصہؓ اور جمع کیا مسلمؒ نے (صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۴' صفحہ۱۲۱۱' نمبر۵۵۴۰)

[2] سورہ الانعام ۶:۵۹

[3] سورہ النمل ۲۷:۶۵

[4] روایت کیا حضرت ابوہریرہؓ نے اور جمع کیا احمدؒ نے اور ابوداؤدؒ نے (سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' صفحہ۱۰۹۵' نمبر۳۸۹۵)

یہ دعویٰ بھی ہے کہ لوگوں کی شخصیت ستارے متعین کرتے ہیں اور یہ کہ لوگوں کے مستقبل کے اعمال اور زندگی کے واقعات ستاروں میں لکھے ہوتے ہیں۔ ایک عام قسمت کا حال بتانے والا بھی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ چائے کی پیالی میں بچ رہنے والی چائے کی پتیوں کی ترتیب یا ہاتھ کی لکیریں اُسے یہ سب کچھ بتاتی ہیں۔ دونوں صورتوں میں وہ لوگ اِس صلاحیت کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مخلوق کی طبعی ترتیب اور ہیئت کو پڑھ کر غیب کا حال معلوم کر لیتے ہیں۔

علم نجوم پر یقین اور جنم پتری لکھنا دونوں ہی اسلام کی روح اور تعلیمات کے خلاف ہیں۔ یہ تو کھوکھلی روح والے لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے حقیقی ایمان کا ذائقہ نہیں چکھا ہوتا' جو ایسی راہیں تلاش کرتے ہیں۔ یہ راہیں اصل میں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی قدر (تقدیر) سے بچنے کی ایک بے کار کوشش کو ظاہر کرتی ہیں۔ گمراہ انجان لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اُن کو اِس بات کا پتہ چل جائے کہ کل کیا ہونے والا ہے تو وہ آج سے ہی اُس کے لئے تیاری شروع کر دیں تاکہ اس طرح نقصان سے بچا جا سکے اور فائدہ یقینی ہو جائے۔ مگر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے یہ اعلان کرنے کو کہا گیا:

لَوْ كُنتُ أَعْلَمُ ٱلْغَيْبَ لَٱسْتَكْثَرْتُ مِنَ ٱلْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِىَ ٱلسُّوٓءُ ۚ إِنْ أَنَا۠ إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

''اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو مومنوں کو ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔''[1]

سچے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اِن چیزوں سے بہت دور رہیں۔ ایسی انگوٹھیاں یا زنجیریں جن پر ستاروں کے برجوں کی تصویریں بنی ہوں نہ پہنا کریں' خواہ کوئی اُن پر یقین نہ بھی رکھتا ہو۔ یہ چیزیں اُس خود ساختہ باطل نظام کا حصہ ہیں جو کفر پھیلاتا ہے اور اِن کو مکمل طور پر ترک کر دینا چاہیے۔ کسی صاحب ایمان مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان سے یہ نہیں پوچھنا چاہیے کہ اُس کا برج

---

[1] سورہ الاعراف ۷:۱۸۸

کون سا ہے یا اُس کے بُرج کا اندازہ نہیں لگانا چاہیے۔ نہ کسی مرد یا عورت کو اخبار کے کالموں میں جنم پتریاں پڑھنا چاہئیں اور نہ پڑھوا کر سُننا چاہئیں۔ اگر کوئی مسلمان، نجومی کی پیشین گوئی پر عمل پیرا ہوتا ہے تو اُس کو اللہ سے معافی مانگنا چاہیے اور اپنے اسلام کی تجدید کرنا چاہیے۔

ساتواں باب

جادو

جادو کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ یہ رسومات کے ذریعے مافوق الفطرت وسیلوں کو بُلا کر قدرتی عوامل پر بظاہر اختیار حاصل کرنا یا اُن کی پیش بینی کرنا ہے۔ علاوہ ازیں یہ یقین کہ لوگ کچھ رسومات' ترکیبوں اور عملوں کے ذریعے قدرت کو مجبور کر سکتے ہیں۔[1] مظاہر قدرت کے مطالعے کو روایتی طور پر سفید جادو یا قدرتی جادو کہا جاتا تھا' جو نشو ونما پا کر مغربی معاشرے میں اب جدید قدرتی سائنس کہلاتا ہے۔ اِس سے مختلف ''کالا جادو'' یا سحر ہے جو اپنے ذاتی کاموں کے لئے یا دوسرے بُرے کاموں کے لئے مافوق الفطرت قوتوں کو استعمال کرنے یا اُن کو بُلانے کی کوشش کا نام ہے۔ جادوگرنیوں کا علم' غیب کا حال بتانا اور مُردوں کی روحوں سے باتیں کرنا اور اس طرح کی دوسری اصطلاحات ہیں جو جادو اور جادو کرنے والوں کے متعلق استعمال کی جاتی ہیں۔ جادوگرنیوں کے علم کی تعریف یہ تھی کہ یہ جادو وہ عورت کرتی تھی جس پر جن کا آسیب ہو۔ غیب کا حال بتانا اُس کوشش کو کہا جاتا تھا جس میں 'مافوق الفطرت باطنی نظر' سے مستقبل کے حالات کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے' جبکہ مُردوں کی روحوں سے باتیں کرنا بھی غیب کا حال بتانے والے طریقوں میں سے ایک ہے۔

تاہم عربی زبان میں ایک ہی اصطلاح ''سحر'' ہر قسم کے جادو کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ لہٰذا اِس میں جنتر منتر' جادوگرنیوں کا علم' غیب کا حال بتانا' اور مُردوں کی روحوں سے رابطہ شامل ہیں۔ 'سحر' عربی زبان میں ہر اُس عمل کو کہتے ہیں جو خفیہ کارروائی یا ہوشیاری اور چالاکی کے عوامل کا نتیجہ ہو۔[2] مثلاً اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے: ''یقیناً کچھ

---

[1] "Reader's Digest Great Encyclopedic Dictionary' (New York: Fund & Wagnalls Publishing Co; 10th ed,1975) p.813

[2] "Arabic-English Lexicon," vol.1, pp1316-1317

بیان جادو ہوتے ہیں۔"[1] ایک عمدہ جادو بیان مقرر لوگوں کو غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط سمجھنے پر قائل کر سکتا ہے۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کچھ پہلوؤں کو جادو سے تعبیر کیا۔ روزہ رکھنے کے لئے طلوعِ آفتاب سے پہلے جو کھانا کھایا جاتا ہے اُس کو "سحور"[2] (جس کا مادہ سحر ہے) کہتے ہیں وہ اس لئے کہ اِس کھانے کا وقت رات کے آخری حصے میں یعنی اندھیرے میں ہوتا ہے۔[3]

جادو کی حقیقت

آجکل کے زمانے میں یہ مقبول رواج ہے کہ اس سے انکار کیا جائے کہ جادو کی بھی کوئی حقیقت ہے۔ عوام میں مقبول جادو کی کہانیوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ یہ سب نفسیاتی بیماریوں جیسے ہسٹیریا وغیرہ کا نتیجہ ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ جادو صرف اُن لوگوں پر اثر کرتا ہے جو اُس پر یقین رکھتے ہیں۔[4] جادو کے تمام کرتبوں کو سلسلہ وار نظر کے فریب اور ہاتھ کی صفائی پر مبنی دھوکے بتایا جاتا ہے۔

باوجود اِس حقیقت کے کہ اسلام طلسمات اور تعویذوں کے بدقسمتی سے بچانے اور خوش قسمتی حاصل کرنے پر اثرات کو رد کرتا ہے' یہ جادو کے کُچھ پہلوؤں کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ آجکل کا زیادہ تر جادو کل پرزوں کی مدد سے کی جانے والی شعبدہ بازی کی پیداوار ہے جو ہوشیاری سے سامعین کو دھوکے دینے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ قسمت کا حال بتانے والے کے معاملے میں تھا' دُنیا میں کچھ لوگ ہیں جن کا رابطہ شیاطین (بُرے جنوں) کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ سچ مچ کا جادو کرتے ہیں۔ جنوں اور اُن کی صلاحیتوں کو جاننے سے پہلے ہمیں چاہیئے کہ قرآن اور

---

[1] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۷' صفحہ ۴۴۵' نمبر ۶۶۲) مسلمؒ نے' ابوداؤدؒ نے ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۳۹۳' نمبر ۴۹۸۹) اور الترمذیؒ نے۔

[2] یا سحو۔۔ دیکھئے 'Arabic-English Lexicon' جلد ا' صفحہ ۱۳۱۷

[3] 'تیسیر العزیز الحمید' صفحہ ۳۸۲

[4] اشعری عالم دین فخر الدین الرازیؒ (متوفی ۱۲۱۰ء) نے یہ خیال اپنی سورہ البقرہ کی آیت ۱۰۲ کی تفسیر میں پیش کیا اور مشہور تاریخ دان ابن خلدون نے اسے پختگی دی۔

سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ شہادت دیکھیں جو اس موقف کی حمایت میں استعمال کی جاتی ہے کہ اسلام جادو کے کچھ مظاہر کی حقیقت کو تسلیم کرتا ہے۔ اس موضوع پر اس طریقے سے غور کرنا لازمی ہے کیونکہ اسلام میں حق اور باطل کو پرکھنے کی آخری کسوٹی یہ دو ذرائع ہی ہیں جو اللہ نے وحی کے ذریعے انسان پر منکشف کیے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن میں جادو کے متعلق اسلام کا بنیادی نظریہ ان آیات میں بیان فرمایا ہے:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ كِتَٰبَ ٱللَّهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

''اور جب آیا اُن کے پاس رسول، اللہ کی طرف سے تصدیق کرتا ہوا اُن (کتابوں) کی جو اُن کے پاس موجود تھیں (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تورات میں پیشین گوئیاں) تو پھینک دیا ایک گروہ نے اُن میں سے جنھیں دی گئی تھی کتاب، اللہ ہی کی کتاب کو پس پشت اس طرح گویا وہ (اسے) جانتے ہی نہیں۔''[1]

یہودیوں کی طرف بھیجے گئے پیغمبروں کے ساتھ اُن کی منافقت کو ظاہر کرنے کے بعد اللہ نے اُس جھوٹ کو نمایاں طور پر بیان کیا ہے جو انہوں نے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق گھڑ لیا تھا:

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ج وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ج وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ج وَلَقَدْ

---

[1] سورہ البقرہ ۲:۱۰۱

عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ج وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْابِهٖ أَنْفُسَهُمْ ج لَوْكَانُوا يَعْلَمُوْنَ

''اور پیچھے لگ گئے اُن (خرافات) کے جنہیں پڑھتے پڑھاتے تھے شیاطین سلیمان کے عہد حکومت میں اور نہیں کفر کیا سلیمان نے بلکہ اُن شیاطین نے کفر کیا' سکھاتے تھے لوگوں کو جادو اور جو (علم) نازل کیا گیا دو فرشتوں پر بابل میں ہاروت اور ماروت پر۔ اور وہ دونوں نہیں سکھاتے تھے کسی کو (وہ علم) جب تک نہ کہہ لیں یہ کہ 'یقیناً ہم تو محض ایک آزمائش ہیں پس تو کفر میں مبتلا نہ ہو۔' پھر بھی وہ سیکھتے تھے ان دونوں سے ایسی چیز کو کہ جدائی ڈال دیں اس سے مرد اور اُس کی بیوی کے درمیان' حالانکہ نہیں پہنچا سکتے نقصان اس سے کسی کو مگر اللہ کے اِذن سے اور سیکھتے تھے یہ لوگ (اُن سے) ایسی باتیں جو نقصان پہنچائیں اُنہیں اور انہیں نفع بالکل نہ دیں حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ بے شک جو اس کا خریدار بنا' نہیں ہے اُس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ اور یقیناً بہت ہی بُری تھی وہ چیز کہ بیچ ڈالا تھا اُنہوں نے اس کے عوض اپنی جانوں کو' کاش وہ جانتے۔''[1]

یہودی اپنے جادو کرنے کے عمل کو پوشیدہ صوفیانہ نظام جو 'کبالا' کہلاتا تھا کے تحت حق بجانب گردانتے تھے' اس دعوے کے ساتھ کہ اُنہوں نے یہ جادو خود حضرت سلیمان علیہ السلام سے سیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہودیوں نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دینے اور اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے کے بعد جادو کی ترکیبوں پر چلنا پسند کیا جو شیاطین نے اُنہیں سکھائی تھیں۔ یہ شیاطین جادو سکھانے کی وجہ سے ہی اپنا ایمان پہلے ہی کھو چکے تھے۔ اُنہوں نے اُن کو جادو کا وہ فن بھی سکھایا جس کو علم نجوم کہتے ہیں۔ یہ علم زمانہ قدیم میں اُن دو فرشتوں ہاروت اور ماروت نے سکھایا تھا جو آزمائش کے طور پر اہل بابل کی طرف بھیجے گئے تھے۔ لوگوں کو جادو کا کوئی گُر سکھانے سے پہلے فرشتے تنبیہ کیا کرتے تھے کہ وہ جادو سیکھ کر اپنے ایمان کو ضائع نہ کریں۔ لیکن لوگ اِس تنبیہ کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے علم نجوم سے یہ سیکھا کہ لوگوں کے درمیان دشمنی کیسے پیدا کی جا سکتی ہے اور شادیوں کو کیسے تباہ کیا جا سکتا ہے اور اس عمل میں اس درجہ تک بڑھ گئے کہ وہ یہ سمجھنے لگے کہ وہ جسے چاہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن اِس بات کا اصل فیصلہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے کہ کِس پر اس کا اثر ہو گا اور کِس پر نہیں۔ یہ علم جو

---

[1] سورہ البقرہ ۲:۱۰۲

انہوں نے سیکھا تھا اُن کو کوئی حقیقی نفع نہ دے پایا۔ چنانچہ اسے سیکھ کر اُنہوں نے اُلٹا اپنا ہی نقصان کیا۔ کیونکہ اصلی جادو کرنے کے لئے کافرانہ اعمال کا ارتکاب ضروری ہوتا ہے' اس لئے اُنہوں نے اپنے لئے دوزخ میں اپنا مقام یقینی بنا کر اپنا ہی نقصان کیا۔

وہ یہودی جنہوں نے یہ طریقے سیکھے بخوبی جانتے تھے کہ وہ لعنت زدہ ہیں کیونکہ یہ خود ان کی اپنی کتابوں میں منع کیا گیا تھا۔ مندرجہ ذیل آیات اب بھی تورات میں ملتی ہیں:

''جب تم اُس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو تمہارے آقا' تمہارے اللہ نے تمہیں دی ہے تو تم اُن قوموں کے قابل نفرت کاموں پر عمل کرنا نہیں سیکھو گے۔ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے جو اپنے بیٹے یا بیٹی کو قربانی کے طور پر جلائے' پیشین گوئی کرے' نجومی بنے' یا شگون بتائے یا جادوگر ہو' یا طلسم کرنے والا ہو' یا واسطہ بنے یا ساحر ہو' یا مُردوں کی روحوں سے باتیں کرنے والا ہو' کیونکہ جو کوئی بھی ان پر عمل کرتا ہے وہ اللہ کے نزدیک قابلِ نفرت ہے اور ان قابل نفرت حرکتوں کی وجہ سے تمہارا آقا' تمہارا اللہ تمہارے سامنے اُن کو نکال کر باہر پھینک رہا ہے۔''[1]

لیکن انہوں نے کتاب اللہ کی ان تحریروں کی پروا نہیں کی اور یہ بہانہ کیا کہ ایسی تحریریں ہیں ہی نہیں۔ تورات میں یہ بھی لکھا ہے کہ جس کسی نے بھی جادو کے کاموں میں حصہ لیا وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلے گا اور اُسے جنت کے ہر انعام سے مکمل طور پر محروم کر دیا جائے گا۔ مگر یہودیوں نے اِن آیات کو تورات میں سے بالکل ہی نکال دیا اور جادو کے کام کرتے رہے۔

اللہ نے اپنی آیات کے اختتام پر افسوس فرما کر اُن کی سنگین حالت کی تصدیق کی ہے۔ اگر یہودیوں کو معلوم ہوتا کہ آنے والی زندگی میں کس قدر دردناک عذاب ملے گا تو اُن کو احساس ہوتا کہ انہوں نے اپنی روحوں کے مستقبل کو چند سستے شعبدوں کے بدلے اِس مختصری زندگی میں فروخت کر کے کتنی ہولناک غلطی کی تھی۔

اِن آیات میں صاف طور پر ظاہر کر دیا گیا ہے کہ جادو حرام ہے۔ آیت کے اس حصے میں:

---

[1] Deuteronomy 18:9-12

"جو کوئی بھی یہ (جادو) خریدے گا اُس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔"[1] جہنم کی آگ میں ہمیشہ کی زندگی کسی بہت بڑے حرام کام کی سزا ہی ہو سکتی ہے۔ یہ آیت یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ جادوگر اور جو کوئی بھی جادو سیکھتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے کافر ہیں۔ آیت کے اس حصے میں **"جو کوئی بھی اسے خریدتا ہے"** کا مطلب عام ہے یعنی جادو سکھانے سے دولت کمانا یا اِس کے سیکھنے کے لئے رقم ادا کرنا' یا صرف اِس کا علم رکھنا سب کچھ شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کے اس حصے میں بھی جادو کو کفر کہا ہے: **"یقیناً ہم امتحان اور آزمائشیں ہیں پس تم کفر نہ کرو"** اور یہ کہ **"سلیمان (علیہ السلام) نے کفر نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو شیاطین تھے جنہوں نے کفر کیا لوگوں کو جادو سکھا کر۔"**[2]

پہلے ذکر کی گئی آیت میں اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ کچھ جادو واقعی حقیقت رکھتے ہیں۔ "صحیح البخاری" میں ایک حدیث ہے جو دوسری حدیث کی کتابوں میں بھی درج ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جادو کے اثر میں رہے۔ حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لبیب ابن اعصم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اثرات کو اپنے اوپر محسوس کیا تو جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور سورہ الفلق اور سورہ الناس جن کو 'معوذتان' کہتے ہیں وحی کی گئیں۔ پھر جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "یقیناً ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا ہے اور اس کا طلسم فلاں کنویں میں رکھا ہوا ہے۔" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن ابی طالب کو بھیجا کہ وہاں سے طلسم لے آئیں۔ جب وہ اُسے لے کر واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اس کی گرہوں کو ایک ایک کر کے کھولیں اور ہر گرہ کے ساتھ ان سورتوں میں سے ایک ایک آیت پڑھیں۔ جب اُنہوں نے ایسا کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں اُٹھ کھڑے ہوئے گویا وہ پہلے بندھے ہوئے تھے۔[3]

---

[1] سورہ البقرہ ۲:۱۰۲

[2] ایضاً ۲:۱۰۲

[3] جمع کیا عبد ابن حمیدؒ اور البیہقیؒ نے۔ اس کا زیادہ تر حصہ البخاری میں بھی دیکھا جا سکتا ہے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۷' صفحہ ۴۴۳-۴۴۴' نمبر ۶۶۰) اور مسلمؒ میں ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۱۹۲-۱۱۹۳' نمبر ۵۴۲۸)

دنیا کی ہر قوم میں کسی نہ کسی قسم کا جادو کرنے والوں کا ریکارڈ موجود ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ جھوٹ بھی ہوسکتا ہے، مگر پھر بھی یہ ممکن نہیں کہ تمام دُنیا کے انسان اِس بات پر متفق ہو جائیں کہ وہ جادو اور مافوق الفطرت واقعات کے متعلق ایک جیسی کہانیاں بنالیں۔ جو کوئی بھی تمام دُنیا میں پھیلی ہوئی ریکارڈ شدہ مافوق الفطرت عوامل کے واقعات پر سنجیدگی سے غور کرے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اِن سب کے درمیان کوئی مشترک حقیقت ضرور ہے۔ 'آسیب زدہ' مکان' روحوں کو بلانے کی مجلس' جوتش کا تختہ' سفلی جادو' آسیب زدہ شخص' مختلف زبانوں میں بولنا اور روحانی قوت سے اُڑنا وغیرہ یہ سب گورکھ دھندے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو جنّوں کی دُنیا سے ناواقف ہیں۔ اِن تمام واقعات کے اپنے اپنے مظاہر دُنیا کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں۔ اسلامی دُنیا میں بھی یہ مرض موجود ہے۔ خاص طور پر اُن شیوخ میں جو مختلف انتہا پسند صوفی سلسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ہوا میں اُڑتے معلوم ہوتے ہیں' آنِ واحد میں لمبے سفر طے کرتے ہیں' کہیں سے خوراک اور روپے پیسے مہیا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اُن کے ناسمجھ پیروکار اِن جادوئی کرتبوں کو خدائی کرامات سمجھتے ہیں اور خوشی خوشی اپنی دولت اور زندگیاں اپنے شیوخ کی خدمت میں صرف کر دیتے ہیں۔ مگر اِن سارے معاملات کے پیچھے جنّوں کی پوشیدہ اور منحوس دنیا موجود ہے۔

جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان کیا گیا تھا جن بنیادی طور پر نظر نہ آنے والی مخلوق ہے۔ سوائے اُن کے جو سانپ اور کُتے کے روپ میں ہوتے ہیں۔[1] تاہم کُچھ جن کوئی بھی شکل اختیار کرنے کے اہل ہوتے ہیں' بشمول انسانی روپ کے۔ مثال کے طور پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں جمع ہونے والی زکوٰۃ کی حفاظت کے لئے مجھے مقرر فرمایا۔ جب میں یہ فرض ادا کر رہا تھا تو ایک شخص آیا اور اُس نے خوراک کے ڈھیر میں سے خوراک اُٹھانا شروع کر دی۔ میں نے اُسے پکڑ لیا اور کہا: 'خدا کی قسم میں تم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا۔' اُس آدمی نے منت سماجت شروع کر

---

[1] اس حقیقت کی تصدیق کے لئے دیکھئے اس کتاب کا پانچواں باب۔ قسمت کا حال بتانے والوں کے متعلق، صفحہ ۸۵

دی اور کہا: 'میں بہت غریب ہوں اور میرے بال بچے بھی ہیں اور مجھے خوراک کی بہت ضرورت ہے۔' میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ اگلی صبح اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: 'ابو ہریرہ' کل رات جس کو تم نے پکڑا تھا اُس نے کیا کیا؟' میں نے کہا: 'اُس نے شکایت کی تھی کہ اُس کا کنبہ ہے اور اُسے خوراک کی سخت ضرورت ہے لہٰذا میں نے اُسے چھوڑ دیا۔' اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'یقیناً اُس نے تم سے جھوٹ بولا اور وہ پھر آئے گا۔' چونکہ مجھے پتہ تھا کہ وہ ضرور آئے گا اس لئے میں اُس کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ آیا اور کھانا اُٹھانے لگا تو میں نے اُسے پکڑ لیا اور کہا: 'آج میں تمہیں ضرور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا۔' اُس نے التجا کی: 'مجھے چھوڑ دو' میں واقعی بہت غریب ہوں اور میرا کُنبہ بھی ہے۔ میں اب پھر نہیں آؤں گا۔' مجھے اُس پر ترس آ گیا اور میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ اگلی صبح پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: 'اے ابو ہریرہؓ! کل رات تمہارے قیدی نے کیا کیا؟' میں نے کہا: 'اُس نے پھر شکایت کی کہ اُسے کھانے کی بہت ضرورت ہے اور اُس کا کنبہ بھی ہے اس لئے میں نے اُسے چھوڑ دیا۔' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: 'یقیناً اُس نے جھوٹ بولا' اور وہ پھر آئے گا۔' چنانچہ میں انتظار میں تھا اور جب وہ پھر آیا اور خوراک بکھیرنے لگا تو میں نے اُسے پکڑ لیا اور کہا: 'اللہ کی قسم میں تم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ضرور لے جاؤں گا۔ یہ تیسری بار ہے اور تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم پھر نہیں آ ؤ گے۔ مگر تم پھر آ گئے۔' اُس نے کہا: 'میں تمہیں کچھ ایسے الفاظ بتاتا ہوں جس سے اللہ تمہیں بہت فائدہ دے گا۔' میں نے پوچھا: 'وہ کیا ہیں؟' اُس نے جواب دیا: 'جب تم سونے لگو تو آیت الکرسی[1] شروع سے آخر تک پڑھا کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ کی طرف سے ایک محافظ مقرر کر دیا جائے گا اور شیطان اگلی صبح تک تمہارے پاس نہیں آئے گا۔' پھر میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ اگلے دن صبح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: 'تمہارے قیدی نے پچھلی رات کیا کیا؟' میں نے جواب میں بتایا کہ اُس نے کہا میں تم کو ایسے الفاظ بتاتا ہوں جس سے اللہ مجھے بہت فائدہ دے گا۔ اس لئے میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ وہ

---

[1] سورہ البقرہ ۲:۲۵۵

الفاظ کیا ہیں تو میں نے کہا سونے سے پہلے آیت الکرسی کی تلاوت کرنا۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ اُس نے کہا تھا کہ ایک محافظ اللہ کی طرف سے مجھ پر مقرر کیا جائے گا اور شیطان میرے صبح اُٹھنے تک میرے قریب نہیں آئے گا۔ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'یقیناً اُس نے سچ بولا اگرچہ وہ پکا جھوٹا ہے۔ ابو ہریرہؓ! کیا تم جانتے ہو کہ تم پچھلی تین راتوں میں کس کے ساتھ باتیں کرتے رہے ہو؟' میں نے جواب دیا: 'نہیں'۔ اِس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'وہ ایک شیطان تھا'۔''[1]

جنّ بہت لمبے فاصلے آن واحد میں طے کر لیتے ہیں اور اُن انسانی جسموں میں داخل ہو جاتے ہیں جو اُن کے داخلے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایسی غیر معمولی صلاحیتیں دینا مناسب جانا جس طرح اس نے دوسری مخلوقات کو انسانی صلاحیتوں سے بالا دوسری صلاحیتیں دی ہوئی ہیں۔ مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہی اپنی تمام مخلوق سے اونچے مرتبے کے لئے منتخب کیا ہے۔

جنوں کی صلاحیتوں کے متعلق ان بنیادی حقیقتوں کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو تمام مافوق الفطرت اور جادوئی واقعات جو جھوٹے نہیں ہوتے' کی اصلیت کی آسانی سے توضیح کی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر ''آسیب زدہ'' گھر جہاں بجلی خود بخود جلتی بجھتی رہتی ہے' دیواروں سے تصویریں گرتی ہیں' چیزیں ہوا میں اُڑتی ہوئی نظر آتی ہیں' فرشوں سے چرچراہٹ کی آوازیں نکلتی ہیں وغیرہ' یہ جنوں کی حرکات ہیں جو خود پوشیدہ رہ کر مادی چیزوں پر اس طرح کے عمل کرتے ہیں۔ مردہ لوگوں کی روحوں سے باتیں کرنے والی محفلوں میں بھی یہی جن ہوتے ہیں' جہاں یوں لگتا ہے جیسے روحیں زندہ لوگوں سے رابطہ کر رہی ہوں۔ جو لوگ اپنے فوت شدہ رشتے داروں کی آواز پہچانتے ہیں وہ اُن سے زندگی کے گزرے ہوئے واقعات کے متعلق باتیں سنتے ہیں۔ یہ عمل رابطہ کرنے والے لوگ کرتے ہیں جو فوت شدہ شخص کے متعلقہ قرین جن کو بُلا کر حاضر کرتے ہیں۔ یہی جن ہے جو مُردے کی آواز کی نقل میں اس کی زندگی کے واقعات بتاتا ہے۔ یہی طریقہ جوتش

[1] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۹' صفحہ ۴۹۱۔۴۹۲' نمبر ۵۳۰)

کے تختے کا ہے جو بظاہر سوالوں کا جواب دیتا معلوم ہوتا ہے۔ جنّ سے جب خاموشی سے رابطہ کر کے چھیڑ چھاڑ کی جاتی ہے تو آسانی سے عجیب وغریب نتائج حاصل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ مناسب ماحول موجود ہو۔ وہ لوگ جو خود ہوا میں اُڑتے نظر آتے ہیں یا چیزوں کو بغیر ہاتھ لگائے ہوا میں معلق کرتے ہیں، وہ جنّ کا غیر مرئی ہاتھ ہوتا ہے جو اصل میں اُن کو ہوا میں اُٹھا دیتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو آنِ واحد میں دور دراز کا سفر کرتے نظر آتے ہیں اور دو مختلف مقامات پر تقریباً ایک ہی وقت میں موجود ہوتے ہیں اُن کو بھی اُن کے قرین جنّ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں یا بعض اوقات اُن کا قرین جنّ خود اُن کی شکل اختیار کئے ہوتا ہے۔ اِن ہی کی طرح وہ لوگ جو ہوا میں سے خوراک یا روپے پیسے پکڑ کر دکھاتے ہیں وہ بھی یہ عمل تیز رفتار اور نظر نہ آنے والے جنّ کی مدد سے کرتے ہیں۔[1] بظاہر دوبارہ جنم لینے کے حیران کن واقعات میں بھی جیسے ہندوستان کی ایک سات سالہ لڑکی شانتی دیوی کا ذکر ہے کہ اُس نے اپنے پہلے جنم کی بالکل صاف اور صحیح باتیں بیان کیں۔ اُس نے اپنا پہلا جنم والا گھر متھرا شہر میں بتایا جو اُسکے گھر سے بہت دور دوسرے صوبے میں تھا۔ جب لوگوں نے وہاں جا کر اِس کی تحقیق کی تو وہاں کے لوگوں نے اس کی تصدیق کی کہ واقعی اس جگہ کبھی اس قسم کا گھر موجود تھا اور اُنہوں نے اُس کی بتائی ہوئی زندگی کی بعض تفصیلات کی بھی تصدیق کی۔[2] صاف ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں اُس لڑکی کے تحت الشعور میں جنّ ہی نے ڈالی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے واقعات کی تصدیق یوں فرمائی ہے: ''بے شک نیند میں انسان تین قسم کے خواب دیکھتا ہے: ایک تو وہ خواب جو الرحمٰن (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ) کی طرف سے ہوتا ہے، دوسرا وہ غمگین خواب جو شیطان دکھاتا ہے اور تیسرا وہ جو تحت الشعور دکھاتا ہے۔''[3] اس میں کوئی شک نہیں کہ جنّ انسانی جسم میں اس طرح داخل ہو سکتا ہے جس طرح وہ دماغ میں داخل ہوتا ہے۔ جنّ کے جسم میں داخل ہو جانے کے واقعات اتنے زیادہ ہیں کہ شمار نہیں کئے جا سکتے۔ یہ

---

[1] اس طرح کے بے شمار واقعات کے بیان کے لئے دیکھئے امام ابن تیمیہؒ کا جنّ کے متعلق مضمون، صفحہ ۴۷-۵۹

[2] Colin Wilson, 'The Occult', (New York: Random House,1971)pp.514-515

[3] روایت کیا ابوہریرۃؓ نے اور جمع کیا ابوداؤدؒ نے (''سنن ابوداؤد'' انگریزی ترجمہ، جلد ۳، صفحہ ۱۳۹۵، نمبر ۵۰۰۱)

عارضی طور پر بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ بہت سے عیسائی اور کافر فرقے جن میں لوگ جسمانی اور روحانی طور پر جوش میں آ کر اپنے اوپر وجد کی کیفیت طاری کر لیتے ہیں اور بے ہوشی میں اجنبی زبان میں باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اس کمزور حالت میں جن بہت آسانی سے اُن کے جسم میں داخل ہو کر اُن کے ہونٹوں سے بک بک کرنے لگتا ہے۔ کچھ صوفیاء[1] سلسلوں نے بھی اپنی ذِکر[2] کی محفلوں کے دوران ایسے مظاہر کو بیان کیا ہے۔ یا پھر یہ لمبے عرصے کا واقعہ بھی ہوسکتا ہے جس میں شخصیت میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ آسیب زدہ آدمی غیر معقول حرکات کرتے ہیں اور مافوق البشری طاقت کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں یا ممکن ہے جن خود آسیب زدہ انسانوں کے ذریعے باقاعدہ طور پر گفتگو بھی کریں۔

قرون وسطیٰ میں یورپ میں جن نکالنے کا فن[3] ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ عیسائیوں میں جن نکالنے کا طریقہ بائبل میں دیئے ہوئے اُن بے شمار واقعات پر مبنی ہے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسیب زدہ لوگوں میں سے جن نکالنے کے بارے میں تذکرہ ہے۔ ایسے ہی ایک واقعے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے ساتھ جیراسینز کے قصبے میں آئے اور اُن کو وہاں ایک آسیب زدہ آدمی ملا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جنوں کو حکم دیا کہ وہ اس شخص میں سے نکل جائیں، جن اُس آدمی کو چھوڑ کر پاس ہی ایک ٹیلے پر چرنے والے سؤروں میں گھس گئے۔ سؤروں کا یہ ریوڑ اُترائی والے کنارے پر تیز دوڑتے ہوئے سیدھا جھیل میں اُتر گیا اور سب سؤر ڈوب گئے۔[4] جن نکالنے کے عمل کو ستر کی دہائی کے آخر اور اسّی کی دہائی میں فلموں کا موضوع بھی بنایا گیا (مثلاً "Exorcist" اور "Rosemary's Baby" وغیرہ)۔ مغربی مادہ پرست دُنیا میں عام طور پر مافوق الفطرت عوامل کو رد کیا جاتا ہے۔ لہٰذا مغرب والوں کے نزدیک جن نکالنے کے عمل کی کوئی عقلی بنیاد نہیں اور اسے توہم پرستی کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ رویّہ یورپ

---

[1] تصوف جس نے مسلمان لوگوں میں ترقی پائی۔

[2] اس میں اللہ کے ناموں کو متواتر دُہرایا جاتا ہے اور اکثر خوش کن آواز کے ساتھ جسموں کو لہراتے ہوئے یا ناچتے ہوئے بھی۔

[3] بدروحوں یا جنوں کو انسانوں یا مقامات سے نکالنا۔

[4] See Matthew 8:28-34, Mark 5:1-20 and Luke 8:26-39

میں زمانہ قدیم اور ازمنہ وسطیٰ میں بہت بڑے پیمانے پر جن نکالنے والوں اور جادوگرنیوں کو پکڑ کر جلا دیا جانے کا رد عمل ہے۔ بہرحال اسلام میں جن نکالنے کے عمل کو حقیقی آسیب زدہ لوگوں اور اس سے پیدا شدہ دوسری بیماریوں کے علاج کا دُرست ذریعہ تسلیم کیا جاتا ہے' مگر اس عمل کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہو۔

آسیب زدہ شخص سے جن نکالنے کے بنیادی طور پر تین طریقے ہیں:

پہلا......ایک جن کو نکالنے کے لئے دوسرے جن کو بُلایا جائے۔ یہ طریقہ اسلام میں منع ہے کیونکہ جن کو بلانے والے عملیات دینی بے حرمتی پر مبنی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اسلام کے اصولوں کی بے ادبی کا امکان ہوتا ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے جو جادوگر یا جادوگرنی کسی ہم پیشہ کے کئے ہوئے جادو کے اثر کو ختم کرنے کے لئے کرتے ہیں۔

دوسرا......اِس طریقے سے جن نکالنے کے لئے ضروری ہے کہ جن کے سامنے کوئی شرک کیا جائے۔ جب جن عامل کو کفر کرتے دیکھتا ہے تو خوش ہو کر نکل جاتا ہے۔ اس طرح وہ عامل کو یقین کرا دیتا ہے کہ اُس کا طریقہ اور عقیدے صحیح ہیں۔ یہ عیسائی پادریوں کا طریقہ ہے جو جن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واسطہ دے کر اور صلیب دکھا کر نکل جانے کو کہتے ہیں اور کافر لوگوں کے گروہوں کا بھی جو اپنے اپنے جھوٹے دیوتاؤں کا واسطہ دے کر جنوں کو نکالتے ہیں۔

تیسرا......جن کو قرآن کی تلاوت اور اللہ سے پناہ طلب کرنے والی دُعاؤں سے بھی نکالا جا سکتا ہے۔ ان روحانی کلمات اور طریقوں سے آسیب زدہ کے اردگرد ماحول تبدیل ہونے میں مدد ملتی ہے۔ پھر جن کو حکم دے کر جسم سے نکالا جا سکتا ہے' اور ممکن ہے اس کے ساتھ ضربیں بھی لگائی جائیں۔ تاہم یہ طریقے اُس وقت تک بے کار ہیں جب تک اِن عملوں کو کرنے والے کا اپنا ایمان پکا نہ ہو اور اپنے نیک اعمال کی وجہ سے اللہ کے ساتھ اچھا تعلق نہ ہو۔

آج کل کے زمانے کے کچھ مسلمان مغربی سیکولر ماحول سے متاثر ہو کر آسیب کا انکار کرتے ہیں بلکہ کچھ تو جنوں کے وجود کے ہی منکر ہیں' جبکہ قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اِس کے برعکس کہتے ہیں۔کئی مصدقہ احادیث موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسیب زدہ لوگوں کے جن نکالے تھے۔ دیگر روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ایسا کیا تھا۔ مندرجہ ذیل تین احادیث میں تین مختلف طریقے بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت یعلیٰ ابن مرّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ''ایک دفعہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کر رہا تھا۔ راستے میں ایک عورت ملی جو گود میں اپنا بچہ لئے بیٹھی تھی۔ اُس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: 'اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم' اِس لڑکے کو آسیب ہے اور اِس کی وجہ سے ہم بہت تکلیف میں ہیں۔ نہ جانے دن میں اس کو کتنی دفعہ دورہ پڑتا ہے۔' اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اس کو میرے پاس لاؤ۔' اُس عورت نے بچہ اُٹھا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو اپنے سامنے اپنی کاٹھی کے بیچ میں لٹا دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا منہ کھولا اور اُس میں تین بار پھونک ماری[1] اور کہا: 'بسم اللہ۔ میں اللہ کا بندہ ہوں لہٰذا تم یہاں سے نکل جاؤ' اے اللہ کے دشمن!' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ اُس عورت کو لوٹا دیا اور کہا: 'ہماری واپسی پر ہمیں اسی جگہ ملنا اور بچے کا حال بتانا۔' اس کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ واپسی پر وہ عورت ہم کو وہاں پھر ملی۔ اُس کے ساتھ تین بھیڑیں بھی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: 'تمہارا بیٹا اب کیسا ہے؟' اُس عورت نے کہا: 'قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علی وسلم کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے' اُس دن کے بعد سے ہم نے اُس میں کوئی خرابی نہیں دیکھی۔ اس لئے میں یہ بھیڑیں آپؐ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لائی ہوں۔' اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: 'نیچے اُترو' ایک بھیڑ لے لو اور باقی اُسے واپس کر دو۔''[2]

حضرت اُم ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت اَلوازع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

---

[1] عربی لفظ جو یہاں استعمال ہوا ہے وہ ہے 'نَفَثَ' جس کا مطلب ہے زبان کے سرے کو ہونٹوں کے درمیان رکھ کر پھونک مارنا۔ اس لئے یہ پھونکنے 'نَفَخَ' اور ہلکا تھوکنے 'تَفَلَ' کی درمیانی حالت ہے۔

[2] جمع کیا احمدؒ نے۔

جب اُن کے دادا زارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قبیلے کے وفد کے ساتھ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے گئے تو اپنے ساتھ اُس بیٹے کو بھی لے گئے جو بے عقل تھا۔ جب وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو عرض کیا: ''میں اپنے ساتھ اپنے بے عقل بیٹے کو بھی لایا ہوں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے لئے دُعا فرمائیں۔'' اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُسے لے کر آؤ۔ دادا نے اُس کا سفری لباس اتارا اور اُسے اچھے کپڑے پہنا کر اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے میرے نزدیک لاؤ اور اس کی پیٹھ میری طرف کر دو۔'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس لڑکے کو کپڑوں سے پکڑا اور اُس کی پیٹھ پر زور زور سے مارنا شروع کیا اور مارتے ہوئے یہ فرمایا: ''نکل جا اللہ کے دشمن! اللہ کے دشمن نکل جا!'' لڑکا اُسی وقت اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے وہ بالکل ٹھیک ہو۔ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنے سامنے بٹھایا اور پانی منگوایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے منہ پر پانی پھیرا اور اُس کے لئے دُعا فرمائی۔ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کے بعد حاضرین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو لڑکے سے زیادہ صحت مند ہو۔[1]

حضرت خارجہ ابن الصّلت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ اُن کے چچا نے کہا:

''ایک دفعہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اُٹھے تو ہمارے راستے میں بدووں کا ایک قبیلہ آیا۔ اُس کے کچھ لوگوں نے ہم سے کہا: 'ہم نے سُنا ہے تم لوگ اُس شخص (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہت کچھ اچھی چیزیں لے کر آئے ہو۔ کیا تمہارے پاس آسیب زدہ شخص کے لئے کوئی دوائی یا منتر ہے؟' ہم نے جواب دیا: 'ہاں ہمارے پاس ہے۔' چنانچہ وہ ایک پاگل شخص کو لے کر آئے جو آسیب کے اثر میں جکڑا ہوا تھا۔ میں نے تین دن تک صبح شام اُس پر سورہ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا۔ ہر دفعہ جب میں تلاوت ختم کرتا تو منہ میں لعاب جمع کر کے تھوک دیتا تھا۔ آخرکار وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کسی چیز سے بندھا ہوا تھا اور اب آزاد ہو گیا ہے۔ بدُو اجرت کے طور پر میرے لئے

---

[1] جمع کیا احمدؒ اور ابوداؤد الطیالسیؒ نے مطر ابن عبدالرحمٰنؒ سے ('اُسد الغابہ' جلد ۲' صفحہ ۱۴۵)۔ ابن حجرؒ نے اُم ابانؓ کو قابل قبول راوی قرار دیا ہے۔

ایک تحفہ لے کر آئے۔ میں نے انہیں بتایا: 'میں اسے قبول نہیں کر سکتا جب تک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھ لوں'۔ جب میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'لے لو۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم ہے' جو کوئی بھی جھوٹے منتروں سے کمایا ہوا کھائے گا وہ اپنے گناہ کی سزا بھی بھگتے گا۔ مگر تم نے تو سچے کلام کی تلاوت سے یہ معاوضہ حاصل کیا ہے۔''[1]

جادو پر اسلامی فیصلہ

چونکہ اسلام میں جادو سیکھنا اور جادو کرنا دونوں کو کفر قرار دیا گیا ہے اس لئے جو کوئی بھی جادو کرتا ہوا پکڑا جائے اُس کے لئے شریعت میں بہت سخت سزا رکھی گئی ہے۔ اگر کوئی جادو پر عمل کرتا ہوا پکڑا جائے اور وہ توبہ نہ کرے اور جادو کرنا نہ چھوڑے تو اُس کی سزا موت ہے۔ اِس قانون کی بنیاد اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت جندب ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جادوگر کے لئے مقرر کردہ سزا یہ ہے کہ اُس کو تلوار سے قتل کر دیا جائے۔''[2]

اس قانون پر خلفائے راشدین نے' جنھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مسلمان قوم کی امامت کی' بہت سختی سے عمل کیا۔ حضرت بجالہ ابن عبدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے روم اور فارس میں جہاد کرنے والی مسلمان افواج کو ایک خط لکھ کر حکم دیا کہ وہ اُن سب زرتشتیوں سے کہہ دیں جنھوں نے اپنی ماؤں' بیٹیوں اور بہنوں سے شادی کی ہوئی ہے کہ وہ ایسی شادیاں ختم کر دیں۔ اُن کو یہ بھی بتایا گیا کہ وہ زرتشتیوں کا کھانا

---

[1] جمع کیا ابوداؤدؒ نے ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد۳' صفحہ۱۰۹۲' نمبر ۳۸۰۸)

[2] جمع کیا الترمذیؒ نے۔ یہ حدیث اگرچہ روایت کے سلسلے سے ضعیف ہے لیکن اس کا درجہ بلند کر کے ''حسن'' (تقریباً مستند) کر دیا گیا ہے' کیونکہ اس کی حمایت میں ثبوت موجود ہیں۔ چار میں سے تین مشہور فقہا (امام احمدؒ ' امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ) نے اس کے مطابق فیصلے دیئے جبکہ چوتھے امام الشافعیؒ نے فیصلہ دیا کہ جادوگر کو صرف اُس وقت قتل کیا جائے جب اُس کے جادوئی کرتب کفر کی حد تک پہنچ جائیں۔ (دیکھئے 'تیسیر العزیز الحمید' صفحہ ۳۹۰۔۳۹۱)

کھالیا کریں تاکہ اُن کو بھی اہل کتاب[1] میں شامل کیا جاسکے۔ آخر میں اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ ہر قسمت کا حال بتانے والے اور جادوگر جس کو بھی پائیں قتل کردیں۔ حضرت بجالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اِس حکم کی بنیاد پر خود انہوں نے تین جادوگر قتل کیے۔[2]

حضرت محمد ابن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی تھیں اپنی ایک خادمہ کو بھی قتل کروایا تھا کیونکہ اُس نے اُن پر جادو کیا تھا۔[3]

یہ سزا تورات میں بھی آج تک درج ہے جو عیسائیوں اور یہودیوں کو صاف طور پر بتا رہی ہے کہ جادو ممنوع ہے:

''ایسا مرد یا ایسی عورت جو جادو کرتا ہے یا کرواتا ہے قتل کردیا جائے گا' اِن کو سنگسار کیا جائے گا اور اُن کا خون اُن کے اوپر ڈال دیا جائے گا۔''[4]

خلفائے راشدین کے بعد ان قوانین میں نرمی برتی گئی۔ اُموی بادشاہوں نے نہ صرف جادوگروں اور قسمت کا حال بتانے والوں کو اپنے ممنوعہ کام کرنے کی اجازت دے دی بلکہ اُن کو شاہی دربار میں بھی شامل کرلیا۔ چونکہ حکومت نے اس قانون کو نافذ کرنا بند کردیا تھا اس لئے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اِس کو نافذ کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی۔ حضرت ابوعثمان النّھدی رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ خلیفہ الولید ابن عبدالملک (۷۰۵ تا ۷۱۵ء) نے اپنے دربار میں ایک آدمی رکھا ہوا تھا جو جادو کے کرتب دکھاتا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے ایک آدمی کا سر تن سے جُدا کردیا۔ حاضرین دربار جب اس عمل کی دہشت سے ہیجان زدہ ہوگئے تو لوگوں کو اور زیادہ حیران کرنے کے لئے اُس نے اُس کٹے ہوئے سر کو دوبارہ جوڑ دیا اور وہ آدمی ایسے ٹھیک ہوگیا

---

[1] وہ لوگ جو الہامی کتب پر ایمان رکھتے ہیں جیسے یہودی اور عیسائی۔ حدیث کے اس حصے کو جمع کیا البخاریؒ الترمذیؒ اور النسائیؒ نے۔

[2] جمع کیا احمدؒ 'ابوداؤدؒ اور البیہقیؒ نے۔

[3] جمع کیا مالکؒ نے ('مؤطا امام مالک' انگریزی ترجمہ' صفحہ ۳۴۴۔۳۴۵' نمبر ۱۵۱۱)

[4] Leviticus 20:27

جیسے اُس کا سر کبھی کٹا ہی نہیں تھا۔ دربار میں موجود لوگوں نے نعرہ بلند کیا: ''سبحان اللہ! یہ تو مُردوں کو بھی زندہ کرسکتا ہے!'' ایک صحابی حضرت جندب الاَزْدِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الولید کے دربار میں جب شور سُنا تو وہ آئے اور جادوگر کا کرتب دیکھا۔ اگلے دن وہ اپنی کمر سے تلوار باندھ کر آئے۔ جب جادوگر کرتب دکھانے کے لئے اپنی جگہ سے اُٹھا تو حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجمع کو چیرتے ہوئے اپنی تلوار نکال کر آگے بڑھے اور جادوگر کا سر قلم کر دیا۔ پھر خوفزدہ مجمع کی طرف دیکھ کر انہوں نے فرمایا: ''اگر یہ واقعی مُردے کو زندہ کرسکتا ہے تو اب وہ اپنے آپ کو زندہ کرلے۔'' خلیفہ الولید نے انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔[1]

جادوگروں پر اس قدر سخت فیصلے کی ضرورت اس لئے ہے کہ معاشرے کے کمزور لوگ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات کو جادوگروں سے منسوب نہ کرنے لگیں اور اس طرح توحید الاسماء و الصفات میں شرک کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ جادوئی اعمال میں سرگرم جادوگر مذہب کی بے حُرمتی کرنے کے علاوہ اکثر اپنے لئے ماورائی قوتوں اور خدائی اوصاف کا دعویٰ کرتے ہیں تا کہ لوگ اُن کے مرید بنیں اور اُن کو ناجائز شہرت حاصل ہو۔

---

[1] جمع کیا البخاریؒ نے تاریخ پر اپنی کتاب میں۔

آٹھواں باب

علو

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی وحی کی گئی کتابوں میں اور اپنے پیغمبروں کے ذریعے اپنے متعلق وضاحت سے بیان فرمایا ہے تا کہ انسان بہتر طور سے سمجھ سکے کہ حقیقت میں اللہ کون ہے۔ چونکہ انسانی ذہن اپنے علم اور رسائی میں محدود ہے اس لئے اُس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ ایسی شے کے متعلق کچھ سمجھ سکے جو لامحدود ہو۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے رحم فرما کر یہ اپنے ذمے لے لیا کہ وہ اپنے کچھ اوصاف سے انسانوں کو وحی کے ذریعے آگاہ کرے تا کہ انسان مخلوق کے اوصاف کو اللہ کے اوصاف سے خلط ملط نہ کر لے۔ جب اللہ کے اوصاف کو مخلوق کے اوصاف کے ساتھ خلط ملط کر دیا جائے تو نتیجتاً انسان مخلوق کو خدائی کا درجہ دے بیٹھتا ہے۔ مخلوق کو اس قسم کا خدائی درجہ دینا ہی تمام قسم کی بُت پرستی کی روح اور بنیاد ہے۔ تمام کافرانہ مذاہب اور دیومالاؤں میں انسان خود ہی مخلوق میں سے انسانوں اور اشیاء کو غلط طور پر خدائی اوصاف کا حامل قرار دے دیتا ہے اور نتیجے کے طور پر اللہ کے بجائے یا اللہ کے ساتھ اُن چیزوں کی عبادت ہونے لگتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات میں سے ایک وہ صفت ہے جو مخلوق کی عبادت کے برخلاف اللہ کی عبادت کے لحاظ سے سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ یہ صفت وہ ہے جو اُس وقت الجھن کا شکار ہوئی جب یونان سے متاثر معتزلہ کا فلسفیانہ مکتبِ فکر مسلمانوں میں نمودار ہوا اور جس صفت کے متعلق آج بھی بہت سے مسلمانوں میں غلط فہمی موجود ہے۔[1] اس دقیق صفت کا نام اَلْعُلُو ہے جس کے معانی ہیں بلند و بالا یا ماوراء۔ جب اس صفت کو اللہ کی پہچان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ حقیقت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بلند و بالا ہے۔ وہ نہ تو اپنی مخلوق کے گھیرے میں ہے اور نہ مخلوق کا کوئی حصہ کسی طرح سے بھی اُس سے اونچا ہے۔ وہ اپنی

---

[1] ناصر الدین الالبانی "مختصر العلو" (بیروت: المکتب الاسلامی، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۱) صفحہ ۲۳۔

تخلیق کردہ کائنات کا حصہ نہیں ہے اور نہ یہ کائنات اُس کا کوئی حصہ ہے۔ حقیقت میں اُس کی ذات اُس کی مخلوق سے بالکل علیحدہ اور نمایاں ہے۔ وہ خالق ہے اور یہ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے' سب اُس کی تخلیق کا حصہ ہیں۔ تاہم اُس کی صفات بغیر کسی رکاوٹ کے اُس کی تخلیق کے اندر کارفرما ہیں۔ وہ دیکھتا ہے' سنتا ہے' سب کچھ جانتا ہے اور اُس کی تخلیق کردہ کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے سب کا مسبب الاسباب وہی ہے۔ اُس کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں اللہ کا تصور اُس کی مخلوق کی نسبت سے حقیقت میں دوہرا ہے۔ مگر اکیلے اللہ کے تعلق یا اکیلے مخلوق کے حوالے سے یہ خالص وحدانی ہے۔ یہ تعلق دوہرا اس لئے ہے کہ اللہ تو اللہ ہے اور مخلوق مخلوق ہے۔ یعنی دو علیحدہ علیحدہ اکائیاں' خالق اور مخلوق' لامحدود اور محدود۔ ایک دوسرا نہیں ہے اور نہ یہ دونوں ایک ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ کے متعلق اسلامی تصور بلا کسی رعایت کے وحدانی ہے' جس کا مطلب ہے کہ وہ مطلقاً ایک ہے اور اکیلا ہے' اُس کے کوئی ماں باپ نہیں ہیں' اُس کی کوئی اولاد نہیں ہے' کوئی اُس کا حصہ دار نہیں ہے۔ وہ اپنی الوہیت میں کوئی ثانی نہیں رکھتا اور کوئی چیز اُس سے مشابہت نہیں رکھتی۔ وہ اکیلا اس کائنات میں قوت کا سرچشمہ ہے اور ہر چیز اُس کے فضل کی محتاج ہے۔ مخلوق کے حوالے سے بھی یہ خالص وحدانی ہے کیونکہ تمام کائنات اور اس میں جو کچھ بھی ہے صرف ایک اللہ نے اکیلے پیدا کیا ہے۔ تمام زندہ مخلوق اور دوسری چیزیں ایک ہی خالق کی تخلیق ہیں اور اس طرح ایک جیسے بنیادی عناصر سے بنائی گئی ہیں جو قدرت کے ترکیبی اجزا ہیں۔

اہمیت

عبادتِ الٰہی کے حوالے سے اللہ کی صفت 'اَلْعُلُو' کی انسان کے لئے خاص اہمیت ہے۔ اسلام کے مکمل شکل میں وارد ہونے سے پہلے انسان اس اعلیٰ صفت کے مفہوم سے بہت دور بھٹک چکا تھا۔ عیسائیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ اللہ زمین پر آ کر گوشت اور خون کا جسم لے کر عیسیٰ علیہ السلام کے روپ میں حلول کر کے انسان بن گیا' پیغمبر عیسیٰؑ کو اُن کے دعوے کے مطابق پھانسی دی گئی اور

وہ فوت ہو گئے۔ اس سے پہلے یہودیوں کا بھی یہ دعویٰ تھا کہ اللہ زمین پر ایک انسان کی شکل میں آیا اور پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں ہار گیا۔[1] اہل فارس اپنے بادشاہوں کو تمام خدائی صفات رکھنے والے دیوتاؤں کا درجہ دیتے تھے' چنانچہ وہ اُن کی براہ راست پرستش کرتے تھے۔ ہندو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اُن کا سب سے بڑا دیوتا ''برہما'' ہر جگہ اور ہر چیز میں ہوتا ہے لہٰذا وہ بے شمار بتوں' انسانوں حتیٰ کہ جانوروں کی' اُنہیں مجسم ''برہما'' سمجھتے ہوئے' پوجا کرتے تھے۔[2] اس عقیدے نے ہندوؤں کو نا قابل یقین حالت میں مبتلا کر دیا ہے' جس کی بنا پر وہ اپنے مقدس شہر بنارس کی یاترا کو جاتے ہیں جہاں وہ دیوتا شِو جی کے سیدھے ذکر کی شکل میں بنائے گئے بُت کی پوجا کرتے ہیں جسے وہ عقیدت سے ''لنگم'' کہتے ہیں۔[3]

ہندوؤں کا یہ عقیدہ کہ ''برہما'' ہر جگہ ہر چیز میں ہوتا ہے بعد میں عیسائیوں کے عقائد کے نظام کا بھی حصہ بن گیا اور اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے کئی نسلوں بعد آخر کار مسلمانوں میں بھی سرایت کر گیا۔ جب خلافت عباسیہ کے سنہری دور میں ہندوستان' فارس اور یونان کے فلسفوں کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا تو یہ نظریہ کہ اللہ ہر جگہ ہے اور ہر چیز میں ہے فلسفی حلقوں میں شامل ہو گیا اور صوفی سلسلوں کے اعتقاد کا بنیادی اُصول بن گیا۔ بعدازاں اس نظریے نے ایک فلسفی مکتبِ فکر جو معتزلہ (عقلیت پسند فرقہ) کہلایا' میں زور پکڑا۔ اس مکتب فکر کے پیروکاروں کے پاس عباسی خلیفہ المامون (حکومت ۸۱۳ تا ۸۳۲ء) کی حکومت کی اعلیٰ ملازمتیں تھیں۔ خلیفہ کی

---

[1] Genesis 33:24-30

[2] John R.Hinnells, 'Dictionary of Religions' (England: Penguin Books, 1984) pp.67-68

[3] 'کولینز انسائیکلو پیڈیا' جلد ۱۲' صفحہ ۱۳۰' دیکھیے سنتھا رامار اؤ کا مضمون ''بنارس: ہندوستان کا روشنی کا شہر'' ''نیشنل جیوگرافک' فروری ۱۹۸۶ صفحہ ۲۳۵۔ ''ایک دوہری فطرت والا دیوتا شِو جو تباہ بھی کرتا ہے اور پیدا بھی کرتا ہے۔ لنگم جو عموماً پتھروں سے بنائے جاتے ہیں ذکر کی علامت ہوتے ہیں جو دیوتا کی پیدا کرنے کی قوت کو ظاہر کرتے ہیں۔ بڑے بڑے لنگم مندروں کی عام خصوصیت ہیں۔ لنگم خاص طور پر ایک گول پیندے پر رکھا ہوتا ہے جس کو 'یونی' (مادہ کے جسم کا حصہ) کہتے ہیں جو شکتی کو ظاہر کرتا ہے' یعنی دیوتا کا مادہ نصف حصہ' اور خدائی قوت کا منبع۔ عام لفظوں میں لنگم تمام ہندو کائنات کی علامت ہے۔ ایک عام ہندو رسم کے دوران پنڈت لنگم پر پھول چڑھاتا ہے' خالص مکھن اُس پر ملتا ہے اور اسے دودھ اور پانی سے دھوتا ہے!''

حمایت حاصل کرنے کے بعد اُنہوں نے اپنے مکتبِ فکر کے دیگر بگڑے ہوئے عقائد کے ساتھ ساتھ اللہ ہر جگہ اور ہر چیز میں ہے' کے عقیدے کی بھی خوب زور شور سے تبلیغ شروع کر دی۔ ساری مملکت میں تحقیقاتی عدالتیں قائم کر دی گئیں اور بہت سے علماء کو معتزلہ کے فلسفے سے اختلاف کی بنا پر موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا' جیلوں میں ڈال دیا گیا اور اذیتیں دی گئیں۔

بالآخر امام احمد ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہ (۷۷۸ تا ۸۵۵ء) نے شروع کے مسلمان علماء اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عقائد کے دفاع اور حمایت میں آواز بلند کی اور غلط تصورات کا رُخ مڑ گیا۔ خلیفہ متوکل (حکومت ۸۴۷ تا ۸۶۱ء) کی خلافت کے دوران تمام اہم اور حساس اسامیوں سے معتزلہ فلسفیوں کو نکال دیا گیا اور اُن کے فلسفے کو بھی سرکاری طور پر معیوب قرار دیا گیا۔ اگرچہ وقت کے ساتھ معتزلہ فرقے کے بہت سے نظریات ختم ہو گئے مگر یہ نظریہ کہ اللہ ہر جگہ ہے آج تک اشعری مکتبِ فکر[1] کے پیروکاروں میں موجود ہے۔ اِس مکتبِ فکر کے بانی وہ علماء تھے جنہوں نے معتزلہ فلسفے کو چھوڑ کر اِس کی بے اعتدالیوں کی فلسفیانہ بنیاد پر تردید کی کوشش کی تھی۔

''اللہ ہر جگہ ہے'' کے تصور میں خطرہ

''اللہ ہر جگہ ہے'' کی غلط صفت پر عقیدے کی بنا پر کچھ لوگوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ

---

[1] فلسفیانہ مذہبی مکتبِ فکر جس کا نام ابوالحسن علی الاشعریؒ (۸۷۳ تا ۹۳۵ء) کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ بصرہ میں پیدا ہونے والے عالم دین تھے' وہ چالیس سال کی عمر تک معتزلہ کو ماننے والے مذہبی عالم الجبائیؒ کے پُر جوش شاگرد تھے۔ حدیث کا مطالعہ کرنے کے بعد ان پر معتزلہ کے خیالات اور اسلام کی روح میں تضاد آشکار ہوا' تب وہ راسخ العقیدہ اسلامی نظریات کے زبردست حامی بن گئے۔ اُن کو راسخ العقیدہ مذہبی فلسفہ (کلام) کا بانی سمجھا جاتا ہے' اور اُن کی سب سے مشہور تصانیف میں یہ شامل ہیں: 'الابانہ عن اصول الدیانہ' (ترجمہ از W.C.Klein, New Haven, 1940) اور 'مقالات الاسلامیین' (قاہرہ: مکتبہ النہضہ المصریہ' دوسرا ایڈیشن' ۱۹۶۹)۔ اپنی زندگی کے آخری حصے میں الاشعریؒ نے مذہب میں فلسفیانہ انداز کو بالکل چھوڑ دیا اور مکمل طور پر حدیث پر انحصار کرنے لگے۔ تاہم دوسرے مذہبی عالموں' خاص طور پر شافعی فقہ والوں نے اُن کے پہلے خیالات کو اپنا لیا اور اس طرح الاشعری مکتبہ فکر کی اپنی زندگی کا آغاز ہوا۔ الباقلانیؒ (متوفی ۱۰۱۳ء) نے الاشعری تردید کو مختصر کر کے ایک نظام بنا دیا' عقلی بنیاد قائم کی اور دلائل کو ترتیب وار کر دیا۔ اُن کے بعد مشہور الاشعری عالموں میں یہ نام آتے ہیں' امام الحرمین الجوینیؒ (متوفی ۱۰۸۶ء)' الغزالیؒ (متوفی ۱۱۱۲ء) اور الرازیؒ (متوفی ۱۲۱۰ء)۔ ('شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' صفحہ ۴۶۔۴۷ اور ۲۱۰۔۲۱۵)

انسانوں میں زیادہ ہے بہ نسبت جانوروں' نباتات اور معدنیات وغیرہ کے۔ اس نظریے کے بعد صرف وقت گزرنے کی بات تھی کہ کچھ لوگوں نے یہ دعویٰ شروع کر دیا کہ اُن کے اپنے اندر اللہ زیادہ ہے بہ نسبت دوسروں کے' حلول کر کے (جسم کے اندر داخل ہو کر یعنی مجسم ہو کر) یا اتحاد کر کے (یعنی انسان کی روح کے اللہ کی تصور کردہ روح کے ساتھ مکمل ملاپ کر کے)۔ نویں صدی کے مسلمانوں میں ایک دیوانے صوفی جن کو ولی مشہور کیا گیا' الحلاج (۸۵۸۔۹۹۲ء) نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ اور اللہ ایک ہیں۔[۱] نُصیری فرقہ جو دسویں صدی میں شیعہ فرقے سے الگ ہونے والا گروہ تھا نے یہ دعویٰ کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت علیؓ ابن ابی طالب اللہ کا ظاہری روپ تھے۔[۲] گیارھویں صدی میں شیعہ فرقے سے علیحدہ ہونے والے ایک گروہ جس کو دروز کہا جاتا ہے نے یہ اعلان کیا کہ فاطمی شیعہ خلیفہ الحاکم بن امر اللہ (۹۹۶ تا ۱۰۲۱ء) انسانوں میں آخری مجسم خدا تھا۔[۳] ابن عربی (۱۱۶۵ تا ۱۲۴۰ء) جو بارھویں صدی عیسوی کے نام نہاد صوفی بزرگ تھے' نے اپنے مریدوں کو اپنی شاعری کے ذریعے یہ نصیحت کی کہ وہ صرف اپنے آپ کی ہی عبادت کیا کریں اور اپنی ذات سے باہر کسی اور کی عبادت نہ کریں کیونکہ ابن عربی کا عقیدہ تھا کہ اللہ انسان کے اندر ہے۔[۴] امریکا میں علیجاہ محمد (متوفی ۱۹۷۵ء) کے دعوے کی روح بھی اسی نظریے پر مبنی تھی کہ امریکا کے کالے لوگ ''اللہ'' ہیں اور اُن کا مُرشد فرد محمد خود 'بڑا اللہ' تھا[۵] (نعوذ باللہ من ذالک)۔ پادری جم جونز جس نے ۱۹۷۹ء میں گویانا میں اپنے ۹۰۰ ساتھیوں کے ساتھ خودکشی کی

---

[۱] A.J.Arberry, "Muslim Saints and Mystics" (London: Routledge and Kegan Paul, 1976) pp. 266-271

[۲] 'شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام' صفحہ ۴۵۴۔۴۵۵

[۳] ایضاً صفحہ ۹۴۔۹۵

[۴] ابن عربی نے اللہ کو اس طرح بیان کیا ہے: ''یہ اُس کی شان ہے جس نے سب چیزوں کو ظاہر کر دیا جبکہ خود اُن کا جوہر بن گیا۔'' (دیکھئے ابن عربی' الفتوحات المکیہ' جلد ۲' صفحہ ۶۰۴) یہ درج ہے 'ھذہ ھی الصوفیہ' میں جس کو تحریر کیا عبد الرحمٰن الوکیلؒ نے (مکہ: دار الکتب العلمیہ' تیسرا ایڈیشن' ۱۹۷۹ء) صفحہ ۳۵

[۵] Elijah Mohammad, "Our Saviour Has Arrived" (Chicago: Mohammad's Temple of Islam.No2, 1974) pp.26,39-46, 56-57

تھی ایسی جدید ترین مثالوں میں سے ایک ہے کہ انسان اپنے آپ کے اللہ ہونے کا دعویٰ کرے اور لوگ اُسے قبول کریں۔ درحقیقت جم جونز نے اپنا فلسفہ اور سادہ لوح لوگوں کو ورغلانے کی نفسیاتی ترکیبیں ایک اور امریکن شخص سے سیکھی تھیں جو خود کو خدائی باپ کہلواتا تھا۔ اُس کا اصلی نام جارج بیکر تھا' وہ ۱۹۲۰ء کے عشرے کے شروع کی سرد بازاری میں منظرِ عام پر آیا اور اُس نے غریبوں کے لئے بہت سے طعام خانے کھولے۔ لوگوں کے معدوں پر قبضہ جمانے کے بعد اُس نے اُن پر اپنے مجسم خدا ہونے کا دعویٰ پیش کیا۔ کچھ عرصے بعد اُس نے کینیڈا کی ایک عورت سے شادی کر لی اور اُسے 'خدائی ماں' کا لقب دیا۔ ۱۹۳۰ء کے عشرے کے وسط کے قریب اُس کے پیروکاروں کی تعداد لاکھوں تک جا پہنچی تھی جو نہ صرف امریکہ کے طول وعرض میں بلکہ یورپ میں بھی موجود تھے۔[1]

چنانچہ اِن خدائی دعویداروں کا تعلق کسی خاص علاقے یا مذہبی طبقے تک محدود نہیں تھا۔ اُنہیں جہاں کہیں بھی مٹی زرخیز ملی وہ پھلنے پھولنے لگے۔ اگر ذہنوں کو پہلے سے یہ عقیدہ دے کر تیار کیا جا چکا ہو کہ اللہ ہر جگہ اپنی مخلوق میں ہے اور انسان میں خدا کے حلول یا خدا سے ملاپ کا تصور قبول ہو تو خدائی کا دعویٰ کرنے والوں کو چیلے آسانی سے مل جاتے ہیں۔

نتیجہ یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ''اللہ ہر جگہ ہے'' کا عقیدہ انتہائی خطرناک ہے کیونکہ یہ بنیادی طور پر اللہ کے نزدیک سب سے بڑے گناہ یعنی مخلوق کی عبادت' کی حوصلہ افزائی کرتا ہے' حمایت کرتا ہے اور اُس کو استدلال مہیا کرتا ہے۔ یہ عقیدہ ایک طرح سے اللہ کے ناموں اور صفات کی توحید میں بھی شرک ہے کیونکہ یہ اللہ کو ایسی صفت منسوب کرنے کا مدعی ہے جو اللہ کی صفات میں سے نہیں ہے۔ اللہ کی اس طرح کی صفت کا بیان نہ تو قرآن میں ملتا ہے اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی زبان سے ایسا فرمایا ہے۔ درحقیقت قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برعکس تصدیق کرتے ہیں۔

---

1. E.U.Essien-Udom, "Black Nationalism" (Chicago: University of Chicago Press, 1962)p.32

واضح ثبوت:

چونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا یا اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرنا ہے، اور اللہ کے علاوہ ہر شے اللہ کی تخلیق کردہ ہے، اس لئے اسلام کے تمام اصول مخلوق کی براہ راست یا بالواسطہ عبادت کے خلاف ہیں۔ ایمان کے بنیادی عقیدے خالق اور مخلوق کے درمیان فرق کو قطعی طور پر واضح کرتے ہیں۔

راسخ العقیدہ مسلمان علماء نے اسلامی عقائد کے بنیادی عناصر کی بنا پر بہت سے ثبوت اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے بتائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مکمل طور پر اپنی مخلوق سے علیحدہ اور بلند و بالا ہے۔ ذیل میں ان میں سے سات ثبوت بیان کئے جاتے ہیں:

ا۔ قدرتی ثبوت:

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق انسان دنیا میں کچھ قدرتی رُجحانات کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور وہ محض اپنے ماحول کی پیداوار نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کی بُنیاد قرآن میں اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب اُس نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اُن کے جسم سے قیامت تک پیدا ہونے والے سب لوگوں کو نسل در نسل نکال کر اُن سے اپنی یکتائی کی گواہی لی[1]۔ اِس تصور کی اہمیت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث مبارک میں یوں فرمایا ہے کہ ہر بچہ اللہ کی عبادت کا فطری رُجحان لئے ہوئے پیدا ہوتا ہے مگر اُس کے والدین اُسے یہودی، مجوسی یا عیسائی بنا دیتے ہیں[2]۔ اس لئے ''اللہ ہر جگہ ہے'' کے عقیدے کے مضمرات پر انسان کا طبعی رِدّعمل کسی حد تک اُس کے غلط ہونے کے معیار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر اللہ ہر جگہ ہے اور ہر چیز میں ہے تو پھر اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گندگی اور گندی جگہوں میں بھی اُس کے وجود کا اعتراف کیا جائے۔ جب لوگ اِس

---

[1] سورہ الاعراف ۷:۱۷۲

[2] روایت کیا ابوہریرہؓ نے اور جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۸' صفحہ ۳۶۹۔۳۷۰' نمبر ۵۹۷) اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۴' صفحہ ۱۳۹۹' نمبر ۶۴۲۹)

حقیقت کا سامنا کرتے ہیں تو قدرتی طور پر اس خیال سے ہی کراہت محسوس کرتے ہیں۔ وہ فطری طور پر اپنے آپ کو ایسے کسی بیان کو ماننے کے لئے تیار نہیں پاتے جو یہ بتائے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جو اس کائنات کا خالق ہے وہ نعوذ باللہ انسانی غلاظت یا ایسی ہی دوسری چیزوں یا جگہوں میں موجود ہے جو اُس کی شان اور جاہ وجلال کے منافی ہو۔ لہٰذا اِس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ چونکہ انسان کے اندر جو فطری رُجحان اللہ نے رکھے ہیں اِس دعوے کو رَد کرتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ ہے' اس لئے ایسے دعوے کا صحیح ہونا خارج از امکان ہے۔ وہ لوگ جو ''اللہ ہر جگہ ہے'' کے عقیدے کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے وہ شاید یہ کہیں کہ انسان کی اس تصور سے کراہت اُس کی تربیت اور تعلیم کی وجہ سے ہے نہ کہ اُس کے فطری رُجحان کی وجہ سے۔ لیکن بچوں کی بہت بڑی اکثریت خود بخود بغیر کسی ہچکچاہٹ یا سوچ بچار کے اس تصور کو رَد کر دیتی ہے خواہ اُن میں سے زیادہ تر کے ذہنوں میں پہلے سے یہ خیال ڈال دیا گیا ہو کہ اللہ ہر جگہ ہے۔

۲۔ نماز کا ثبوت:

اسلام میں نماز کے متعلق قوانین اور احکامات کے مطابق عبادت کے مقامات کو مجسموں' اللہ کی تصویروں یا اُس کی مخلوق کی تصویروں سے بالکل پاک ہونا چاہیے اور نماز پڑھتے ہوئے جو مختلف جسمانی حالتیں انسان اختیار کرتا ہے (رکوع اور سجود وغیرہ) وہ سب بھی اللہ کے سوا کسی اور ہستی یا شے کی طرف ممنوع ہیں۔ اگر اللہ ہر جگہ ہر چیز میں اور ہر انسان کے اندر ہوتا تو یہ لوگوں کو بالکل قابل قبول ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے یا پھر اپنی ذات کو سامنے رکھ کر عبادت کر لیتے' جیسا کہ نام نہاد صوفی ابن عربی نے اپنی بعض تحریروں میں تجویز کیا تھا۔ اس طرح یہ بھی ممکن نہ ہوتا کہ کسی بُت پرست یا درختوں کی پوجا کرنے والے یا پھر جانوروں کی پرستش کرنے والے کو یہ کہہ کر قائل کیا جائے کہ اُس کا طریقہ عبادت غلط ہے' اور اُس کو صرف اَن دیکھے اللہ ہی کی عبادت کرنا چاہیے جو اکیلا ہے اور اُس کا کوئی شریک یا ساتھی نہیں۔ وہ بُت پرست آسانی سے یہ

جواب دیتا کہ وہ اُس چیز کی عبادت نہیں کر رہا جو سامنے ہے بلکہ وہ تو اُس اللہ کی عبادت کر رہا ہے جو اُن چیزوں کے اندر ہے یا اُس اللہ کی جس نے اپنے آپ کو انسانوں اور جانوروں کی شکل میں مجسم کیا ہوا ہے۔ لیکن اس اِستدلال کے باوجود اسلام اس طرح کے اعمال کرنے والوں کو کافر قرار دیتا ہے (یعنی ایمان سے محروم)۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنے والا شخص اصل میں اللہ کی مخلوق کے سامنے جھک رہا ہوتا ہے۔ اسلام تو آیا ہی اس لئے تھا کہ وہ انسانوں کو انسان کی عبادت اور دوسری مخلوق کی عبادت سے ہٹا کر اُن کو صرف اکیلے خالقِ حقیقی کی عبادت کا راستہ بتائے۔ اس بنا پر اسلام میں عبادت کے متعلق احکامات صاف طور پر بتاتے ہیں کہ اللہ کسی بھی مخلوق کے اندر نہیں ہوتا، وہ مکمل طور پر مخلوق سے علیحدہ ہے۔ اس صورت کو اِس امر سے مزید تقویت ملتی ہے کہ اسلام میں اللہ کو تصویروں میں پیش کرنے پر مکمل پابندی ہے اور عالم حیوانات میں سے کسی جاندار کی تصویر بنانا بھی منع ہے۔

۳۔ معراج کا ثبوت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت سے دو سال قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات معجزانہ طور پر مکہ سے یروشلم (مسجد اقصیٰ) تک سفر کیا (اِسرا)، جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج[1] شروع کیا اور سات آسمانوں میں سے ہوتے ہوئے تخلیق کے انتہائی اونچے مقام تک پہنچ گئے۔ یہ معجزانہ سفر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے عنایت کیا گیا تا کہ وہ بذاتِ خود اللہ کے حضور موجود ہو جائیں۔ سات آسمانوں کے اوپر عرش کے اُس مقام پر اللہ نے دن میں پانچ وقت کی نماز فرض فرمائی، اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ براہ راست گفتگو فرمائی اور سورہ البقرہ (سورہ ۲) کی آخری آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائیں۔[2] اگر اللہ ہر جگہ ہوتا

---

[1] معراج (لغوی معنی سیڑھی) اصل میں وہ سواری ہے جس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں کا سفر کیا۔ تاہم اوپر جانے کے پورے عمل کو ہی عام طور پر معراج کہتے ہیں۔ (دیکھئے (Lane's "Arabic-English Lexicon", vol.2. pp.1966-1967

[2] دیکھئے 'صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۹' صفحہ ۴۴۹۔ ۴۵۰' نمبر ۶۰۸ اور 'صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۱' صفحہ ۱۰۳۔ ۱۰۴' نمبر ۳۱۳ جن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اِس واقعے کے متعلق بیان ہے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں بھی جانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ وہ زمین پر رہتے ہوئے اپنے ہی گھر میں اللہ کے حضور پیش ہو سکتے تھے۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ طور پر آسمانوں سے اُوپر جانے والے واقعے میں یہ نازک مطلب پوشیدہ ہے کہ اللہ اپنی تخلیق سے بالا عرش پر ہے اور تخلیق کا حصہ نہیں ہے۔

۴۔ قرآن سے ثبوت:

قرآن کی وہ آیات جن میں اللہ کا اپنی مخلوق سے بلند و بالا ہونے کا بیان ہے اتنی زیادہ ہیں کہ اُن کا شمار مشکل ہے' وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ قرآن کے تقریباً ہر سورہ میں موجود ہیں۔ بالواسطہ بیانات میں وہ آیات ہیں جن میں مختلف چیزوں کا اللہ تک اوپر پہنچنے یا اللہ کی طرف سے نیچے آنے کا بیان ہے۔ مثال کے طور پر سورہ الاخلاص میں اللہ اپنے آپ کو ''الصمد''[1] کہتا ہے جس کا مطلب ہے وہ جس کے پاس چیزیں اوپر جاتی ہیں۔ کبھی یہ حوالے لغوی معنوں میں ہوتے ہیں' جیسا کہ فرشتوں کے متعلق اللہ نے فرمایا:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ

''چڑھ جاتے ہیں فرشتے اور روح (جبریل) اُس کے حضور ایک ایسے دن میں جس کا طول پچاس ہزار سال ہے۔''[2]

اور کبھی یہ حوالے روحانی ہوتے ہیں جیسے نماز اور ذکر جس کے متعلق اللہ نے فرمایا:

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ

''اُسی کی طرف چڑھتے ہیں پاکیزہ کلمات۔''[3]

---

[1] سورہ الاخلاص ۱۱۲:۲

[2] سورہ المعارج ۷۰:۴

[3] سورہ فاطر ۳۵:۱۰

اور مندرجہ ذیل آیت میں بھی یوں فرمایا ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّيٓ أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝ أَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَأَطَّلِعَ إِلٰى إِلٰهِ مُوسٰى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا

''اور کہا فرعون نے اے ہامان بناؤ میرے لئے ایک اونچا محل شاید کہ میں پہنچ جاؤں (اس کے ذریعے) راستوں تک۔ آسمانوں کے راستوں تک اور جھانک کر دیکھ سکوں موسیٰ کے معبود کو اور بلاشبہ میں گمان کرتا ہوں اُس کو جھوٹا۔''[1]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیچے آنے والی چیزوں کی مثال اس آیت میں ملتی ہے:

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ

''کہہ دو کہ نازل کیا ہے اسے روح القدس نے تمہارے رب کی طرف سے بالکل ٹھیک تاکہ ثابت قدم رکھے ایمان والوں کو اور ہدایت و بشارت ہے مسلمانوں کے لئے۔''[2]

براہ راست حوالہ جات اللہ تعالیٰ کے ناموں میں اور اُس کے صاف صاف بیانوں میں مل سکتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو اَلْعَلِی اور اَلْاَعْلٰی کہتا ہے، دونوں کا مطلب ہے سب سے اونچا، جس کے اوپر اور کچھ نہیں ہے۔ اور مثلاً اَلْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ[3] اور رَبِّکَ الْاَعْلٰی[4]۔ اللہ نے صاف طور پر بھی اپنے متعلق کہا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے اوپر ہے:

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ

''اور وہ زبردست غلبہ والا ہے اپنے بندوں سے اوپر۔''[5]

---

[1] سورہ المومن ۴۰:۳۶۔۳۷

[2] سورہ النحل ۱۶:۱۰۲

[3] سورہ البقرہ ۲:۲۵۵

[4] سورہ الاعلیٰ ۸۷:۱

[5] سورہ الانعام ۶:۱۸ اور ۶۱

اور اللہ نے اپنی عبادت کرنے والوں کے متعلق یوں فرمایا ہے:

يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ

''وہ اپنے پروردگار سے جو اُن کے اوپر ہے ڈرتے رہتے ہیں۔''[1]

اِس لئے قرآن خود ہی صاف طور پر نشاندہی کرتا ہے اُن لوگوں کے لئے جو اُس کے معنی پر غور کرتے ہیں کہ اللہ اپنی تخلیق کے بہت اوپر ہے نہ کہ اس کے اندر یا کسی طرح سے بھی اس کے حلقے میں۔[2]

۵۔ احادیث سے ثبوت:

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اِس بات کا وافر ثبوت ہے جس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین پر نہیں ہے اور نہ اپنی تخلیق کے اندر ہے۔ قرآنی آیات کی طرح کچھ احادیث اِس معاملے میں براہ راست حوالہ رکھتی ہیں اور کچھ بالواسطہ۔ بالواسطہ حوالے وہ ہیں جن میں فرشتوں کی اللہ تعالیٰ تک اوپر جانے کی بات ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث جس میں اُنہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فرشتوں کا ایک گروہ تمہارے ساتھ رات کے وقت رہتا ہے اور ایک (دوسرا گروہ) دن میں، یہ دونوں گروہ عصر کی نماز اور فجر کی نماز کے وقت ایک دوسرے سے ملتے ہیں، پھر وہ فرشتے جو رات بھر تمہارے ساتھ رہے تھے آسمانوں پر چڑھ جاتے ہیں جہاں اللہ اُن سے (تمہارے متعلق) پوچھتا ہے اگرچہ وہ سب کچھ خود ہی جانتا ہے۔''[3]

بالواسطہ حوالہ جات میں وہ احادیث شامل ہیں جن میں اللہ کو اپنے عرش کے اُوپر بتایا گیا ہے اور عرش تمام تخلیق سے بالا ہے۔ اس قسم کی مثال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس

---

[1] سورہ النحل ۱۶:۵۰

[2] 'العقیدۃ الطحاویہ' صفحہ ۲۸۵۔۲۸۶

[3] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔انگریزی' جلد ۹' صفحہ ۳۸۶۔۳۸۷' نمبر ۵۲۵) اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۱' صفحہ ۳۰۶۔۳۰۷' نمبر ۱۳۲۰) اور النسائیؒ نے۔

روایت میں مل سکتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق کو مکمل کر لیا تو اُس نے کتاب میں لکھا جو اُس کے پاس عرش پر تھی' یقیناً میرا رحم میرے غصے سے قبل ہو گا۔''[1]

براہ راست حوالہ جات کی ایک مثال اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بیان ہے جس میں وہ دوسری ازواج مطہراتؓ سے بڑے فخر سے بیان کرتی تھیں کہ باقی سب کو اُن کے خاندان والوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں دیا تھا جبکہ اُن کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں دیا۔[2]

ایک اور حوالہ اُس دُعا میں موجود ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیمار لوگوں کو اپنے لئے مانگنے کو سکھائی تھی:

رَبَّنَا اللّٰهُ الَّذِیْ فِي السَّمَآءِ تَقَدَّسَ أَسْمُكَ

''ہمارا رب اللہ ہے جو آسمانوں کے اُوپر ہے۔ تیرے نام کی پاکیزگی ہو۔''[3]

مندرجہ ذیل حدیث تمام براہ راست حوالوں میں سب سے واضح ہے:

حضرت معاویہ ابن الحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ''میری ایک لونڈی تھی جو جبل اُحد کے علاقے میں ایک مقام الجوّاریہ کے قریب میری بھیڑیں چرایا کرتی تھی۔ ایک دن جب میں اُن کو دیکھنے کے لئے وہاں گیا تو معلوم ہوا کہ بھیڑیا اُس کے ریوڑ میں سے ایک بھیڑ کو اُٹھا کر لے گیا ہے۔ چونکہ میں بھی حضرت آدم علیہ السلام کی دیگر اولاد کی طرح قابل افسوس غلطیاں کرنے پر مائل تھا' میں نے زور سے اُس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ جب میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ واقعہ سُنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اس فعل کو بہت بُرا قرار دیا۔ میں نے کہا: 'اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا پھر میں اُس کو آزاد نہ کر

---

[1] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔انگریزی' جلد ۹' صفحہ ۲۸۲۔۲۸۳' نمبر ۵۱۸) اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۴' صفحہ ۱۴۳۷' نمبر ۶۶۲۸)

[2] روایت کیا حضرت انسؓ نے اور جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔انگریزی' جلد ۹' صفحہ ۳۸۲' نمبر ۵۱۷)

[3] جمع کیا ابوداؤدؒ نے ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۰۹' نمبر ۳۸۸۳)

دوں؟'[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: 'اُسے میرے پاس لے کر آؤ۔' میں اُسے لے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے پوچھا: 'اللہ کہاں ہے؟' اُس لڑکی نے جواب دیا آسمان سے اوپر۔' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: 'میں کون ہوں؟' اُس لڑکی نے جواب دیا: 'آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔' اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اسے آزاد کردو کیونکہ یقیناً یہ سچی مومنہ ہے۔''[2]

جب کسی کے ایمان کا امتحان لینا مقصود ہو تو منطقی طور پر پوچھا جانے والا سوال یہ ہوگا کہ ''کیا تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو؟'' لیکن اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال نہیں پوچھا' کیونکہ اُس زمانے میں زیادہ تر لوگ اللہ کو مانتے تھے جیسا کہ قرآن میں اکثر بیان کیا گیا ہے:

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ وَسَخَّرَ ٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ ٱللَّهُ

''اگر تم اُن سے پوچھو کہ یہ آسمان اور یہ زمین کس نے بنائے ہیں اور سورج اور چاند کو کون قابو میں رکھتا ہے تو وہ یقیناً کہیں گے' اللہ۔''[3]

چونکہ اُس زمانے میں مکہ کے کافروں کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ کسی نہ کسی طرح اُن کے بتوں کے اندر موجود ہے اور اس طرح وہ مخلوق کا حصہ ہے اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تعین کرنا چاہتے تھے کہ اُس لڑکی کا ایمان مکہ کے دوسرے لوگوں کی طرح الجھن والا کافرانہ ہے یا صاف طور پر توحید والا اور اللہ کی تعلیمات کے مطابق ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا سوال کیا جس سے معلوم ہو جائے کہ وہ یہ جانتی ہے کہ اللہ اپنی مخلوق کا حصہ نہیں ہے یا کہیں اُس کا یہ عقیدہ ہے کہ

---

[1] البخاریؒ' مسلمؒ اور ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو جمع کیا جس کے راوی ہیں حضرت ابوہریرہؓ جنہوں نے بیان کیا کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم (کسی کو) مارو تو منہ پر نہ مارو۔'' دیکھئے 'صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۴' صفحہ ۱۳۷۸' نمبر ۶۳۲۱ ۔ ۶۳۲۶ اور سُنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد۳' صفحہ ۱۲۵۶' نمبر ۴۴۷۸)۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غلام کے منہ پر طمانچہ مارنے یا مارنے پیٹنے کا کفارہ یہ ہے کہ اُسے آزاد کر دیا جائے۔'' ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۳' صفحہ ۸۸۲ ۔ ۸۸۳' نمبر ۴۰۷۸)

[2] جمع کیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۱' صفحہ ۲۷۱ ' ۲۷۲' نمبر ۱۰۹۴)

[3] سورہ العنکبوت ۲۹:۶۱

اللہ کی عبادت اُس کی مخلوق میں کی جا سکتی ہے۔ اُس لڑکی کا یہ جواب کہ اللہ آسمانوں سے اوپر ہے سچے مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہے کہ اس سوال کا کہ "اللہ کہاں ہے؟" صرف یہی درست جواب ہونا چاہیئے' کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کہ وہ سچی مومنہ ہے اسی بنیاد پر کیا۔ اگر اللہ ہر جگہ ہوتا' جیسا کہ کچھ مسلمان آج کل بھی کہتے ہیں' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے جواب یعنی "آسمان سے اوپر" کی تصحیح فرما دیتے۔ چونکہ جو کچھ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کہا جاتا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُسے رد نہ فرماتے تو اُسے اسلامی قانون کے مطابق مصدقہ سنت (تقریریہ) قرار دیا جاتا ہے اور حجت مانا جاتا ہے۔ بہر حال اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اُس کے بیان کو مان لیا بلکہ اس بیان کو اُس کے سچی ایمان والی ہونے کے فیصلے کی بنیاد قرار دیا۔

۶۔ منطقی ثبوت:

منطقی طور پر یہ ظاہر ہے کہ جہاں کہیں بھی دو چیزیں اکٹھی ہوں گی اُن میں سے ایک دوسری کا یا کوئی حصہ ہوگی اور اُس پر انحصار کرتی ہوگی جیسے کہ اُس چیز کے اوصاف' یا یہ پہلی سے بالکل مختلف ہوگی اور اپنی بقا کے لئے خود مختار ہوگی۔ چنانچہ جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ کائنات پیدا کی تو اِس کو یا تو اپنے اندر ہی پیدا کیا یا پھر اسے اپنے آپ سے باہر تخلیق کیا۔ پہلی صورت اس لئے قابلِ قبول نہیں ہو سکتی کہ اِس کا مطلب ہوگا کہ اللہ جو لامحدود ہے' رب الاعلیٰ ہے وہ اپنے اندر نقص اور کمزوری کے محدود اوصاف رکھتا ہے۔ اِس لئے اللہ نے ضرور کائنات کو اپنی ذات کے باہر تخلیق کیا ہوگا' ایک علیحدہ وجود' اُس کی ذات سے ہر طرح مختلف مگر اُس پر انحصار کرنے والی۔ کائنات کو اپنے سے علیحدہ بنانے کے بعد اُس نے اِس کو یا تو اپنے آپ سے اوپر بنایا ہوگا یا پھر اپنے آپ سے نیچے۔ چونکہ انسانی تجربے میں اِس قسم کی کوئی مثال نہیں ہے کہ لوگوں نے اپنی عبادات اپنے نیچے کی طرف کی ہوں' اور مخلوق سے نیچے ہونے سے اللہ کی عظمت' شان اور جاہ وجلال کی بھی نفی

ہوتی ہے' اس لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ لازماً اپنی بنائی ہوئی کائنات سے اوپر ہے اور اس سے بالکل علیحدہ اور نمایاں۔

جہاں تک ایسے اختلافی بیانات کا تعلق ہے کہ اللہ نہ تو اس کائنات سے مربوط ہے اور نہ اس سے علیحدہ' یا یہ کہ وہ نہ تو اس کائنات کے اندر ہے اور نہ اِس سے باہر[1]' یہ نہ صرف غیر منطقی الفاظ ہیں بلکہ درحقیقت اِن میں اللہ کے وجود کا انکار ہے۔[2] ایسے دعوے اللہ کو انسانی فکر کے حقیقت سے ماورا دائرے میں دھکیلنے کی کوشش ہیں جہاں متضاد اوصاف کی چیزیں ایک ساتھ رہ سکتی ہیں اور جہاں ناممکنات بھی موجود ہوتے ہیں (جیسے ایک خدا میں تین خدا)۔

۷۔ علمائے سلف کا اِجماع:

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے مخلوق سے علیحدہ واعلیٰ وبالا ہونے کی سچائی کی تصدیق میں علمائے سلف رحمتہ اللہ علیہم کے اِتنے زیادہ حوالہ جات ہیں کہ وہ سب اِس چھوٹی سی کتاب میں بیان نہیں کئے جا سکتے۔ پندرھویں صدی کے حدیث کے عالم الذہبیؒ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے ''اَلْعُلُوّ لِلْعَلِیِّ الْعَظِیْم''۔ اُس میں آپ نے دوسو سے زیادہ بڑے بڑے علمائے سلفؒ کے بیانات جمع کئے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے مخلوق سے اعلیٰ وبالا ہونے کی تصدیق کی۔[3]

اِن بیانات کی ایک بہت اچھی مثال مطیع البلخی رحمتہ اللہ علیہ کی اس تحریر میں ہے جس میں اُنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے اُس شخص کے بارے میں پوچھا جو یہ کہتا ہے کہ اُسے نہیں معلوم کہ اُس کا اللہ آسمانوں میں ہے یا زمین پر۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اُس شخص نے کفر کیا ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے' وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا عرش کے اوپر ہے (سورہ طٰہٰ ۲۰:۵)' اور اُس کا عرش سات آسمانوں سے اوپر ہے۔'' البلخی رحمتہ اللہ علیہ نے پھر پوچھا: ''اگر وہ یہ کہے کہ اللہ عرش پر ہے مگر وہ نہیں جانتا کہ عرش آسمانوں میں ہے یا زمین پر؟'' امام ابوحنیفہ رحمتہ

[1] دیکھیے حاشیہ الباجوری علیٰ الجوہرہ' صفحہ ۵۸۔

[2] 'العقیدۃ الطحاویہ' صفحہ ۲۹۰۔۲۹۱۔ مزید دیکھیے احمد ابن حنبلؒ کی 'الرد علی الجہمیہ'

[3] مختصر العلو' صفحہ ۵

اللہ علیہ نے فرمایا: ''اُس نے کفر کیا ہے کیونکہ اُس نے اِس بات کا انکار کیا ہے کہ اللہ آسمانوں سے اوپر ہے' اور جو کوئی اِس بات کا انکار کرتا ہے کہ اللہ آسمانوں سے اوپر ہے وہ کفر کرتا ہے۔''[1] اگرچہ حنفی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگ آج کل یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ ہے لیکن شروع کے حنفی مسلک کے لوگ ایسا نہیں سمجھتے تھے۔ وہ واقعہ جس میں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے شاگردِ خاص امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے بشر المریسی[2] کو توبہ کرنے کو کہا تھا جب اُس نے اِس سے انکار کیا تھا کہ اللہ عرش کے اوپر ہے' اُس زمانے میں اور اُس زمانے کے متعلق لکھی جانے والی بہت سی کتابوں میں درج ہے۔[3]

خلاصہ:

لہٰذا اسلام اور اس کے بنیادی اصولِ توحید کے مطابق یہ بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ:

۱۔ اللہ مکمل طور پر اپنی مخلوق سے علیحدہ ہے۔

۲۔ مخلوق کسی طرح سے بھی نہ تو اللہ کو گھیرے ہوئے ہے اور نہ اللہ کے اوپر ہے۔

۳۔ اللہ سب چیزوں سے اوپر' اعلیٰ و بالا ہے۔

اسلام کے ماخذوں کے مطابق یہی اللہ کا مستند تصور ہے۔ یہ بہت سادہ اور مضبوط ہے اور اُس قسم کے غلط تصورات کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا جو اکثر مخلوق کی عبادت کی طرف لے جاتے ہیں۔

یہ تصور بہرحال اِس کی نفی نہیں کرتا کہ اللہ کے اوصاف اُس کی تمام تخلیق میں کارفرما ہیں۔ کوئی چیز اُس کی نظر سے' اُس کے علم سے اور اُس کی طاقت سے باہر نہیں ہے۔ لیکن جس طرح آج یہ بہت بڑا تکنیکی کارنامہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم اپنے گھروں کے آرام دہ کمروں میں بیٹھ کر دُنیا کے

---

[1] روایت کیا ابواسماعیل الانصاریؒ نے اپنی کتاب 'الفاروق' میں اور بیان کیا گیا 'العقیدۃ الطحاویۃ' میں' صفحہ ۲۸۸

[2] بشر (متوفی ۸۳۳ء) بغداد کا رہنے والا تھا اور معتزلہ مکتبِ فکر کے فقہ اور فلسفے کا عالم تھا۔ (دیکھئے 'الاعلام' بیروت: دار العلم للملائین' ساتواں ایڈیشن' ۱۹۸۴ء جلد ۲' صفحہ ۵۵' از خیر الدین الزرکلی)

[3] بیان کیا عبدالرحمٰن ابن ابی حاتمؒ اور دوسروں نے۔ دیکھئے 'العقیدۃ الطحاویۃ' صفحہ ۲۸۸

دوسرے حصوں میں ہونے والے واقعات دیکھ سکتے ہیں' اللہ براہ راست دیکھتا اور سنتا ہے' اور جانتا ہے جو کچھ بھی اس کائنات میں ہوتا ہے بغیر اس کے اندر جائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ''اللہ کے ہاتھ میں سات آسمان' سات زمینیں اور جو کچھ اُن میں اور اُن کے درمیان ہے' ایسے ہی ہیں جس طرح تمہارے ہاتھ میں سرسوں کا بیج۔''[1] اور جس طرح ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول سے چلانا ہاتھ سے چلانے والے ٹی وی کے مقابلے میں بہت بڑی تکنیکی ترقی سمجھی جاتی ہے' اللہ کی قوت بغیر کسی رکاوٹ کے مخلوق کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے میں کارفرما ہے بغیر اللہ کے وہاں موجود ہونے کے۔ حقیقت میں یہ نظریہ کہ اللہ اپنی مخلوق کے اندر ہے توحید الاسماء والصفات میں بھی شرک کی ایک شکل ہے کیونکہ اِس سے اللہ تعالیٰ کو انسانوں جیسی کُچھ کمزوریاں منسوب کر دی جاتی ہیں۔ یہ تو انسان کے لئے ہے کہ اُسے اِس دُنیا میں ہونے والے واقعات کو دیکھنے' سننے' جاننے اور اُن پر اثر انداز ہونے کے لئے دُنیا میں حاضر ہونا ضروری ہے۔

دوسری طرف اللہ کی طاقت اور علم کی کوئی حدود نہیں۔ انسان کے خیالات تک اللہ کے سامنے مکمل طور پر عیاں ہیں اور اُس کے دل کی جذباتی حرکات بھی اللہ کے قابو میں ہیں۔ یہ وہ روشنی ہے جس کے تحت اُن چند آیات کو جو اللہ کی قربت کی طرف اشارہ کرتی ہیں سمجھا جانا چاہیے۔

مثال کے طور پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

''اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے ہی پیدا کیا ہے انسان کو اور ہم ہی جانتے ہیں کیا کیا وسوسے پیدا ہوتے ہیں اُس کے دل میں اور ہم زیادہ قریب ہیں اُس کے اُس کی شہ رگ سے بھی۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

---

[1] 'العقیدۃ الطحاویہ' صفحہ ۲۸۱

[2] سورہ قٓ ۵۰:۱۶

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَجِيبُوا۟ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ

''اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ کے بلانے پر اور اُس کے رسول کے بُلانے پر جب بلائیں وہ تم کو اُس چیز کی طرف جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے اور جان رکھو کہ اللہ حائل ہوجاتا ہے درمیان آدمی کے اور اُس کے دل کے اور یہ حقیقت بھی کہ اسی کے حضور گھیر گھار کر لایا جائے گا تمہیں۔''[1]

اِن آیات کا مطلب یہ نہیں لیا جانا چاہیے کہ اللہ انسان کے اندر اُس جگہ ہوتا ہے جو شہ رگ سے بھی قریب ہے یا یہ کہ وہ انسان کے دل کے اندر ہے اور اُس کے دل کی حالتیں بدلتا رہتا ہے۔ اِن کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے کچھ باہر نہیں ہے حتیٰ کہ انسان کے انتہائی اندر کے خیالات بھی اور کوئی چیز اُس کی طاقت وقدرت اور اختیار سے باہر نہیں حتیٰ کہ دل کے اندر پیدا ہونے والے جذبات بھی۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ

''کیا نہیں جانتے وہ کہ بے شک اللہ جانتا ہے ہر وہ بات جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں؟''[2]

وَٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِۦٓ إِخْوَٰنًا

''اور یاد کرو احسان اللہ کا جو اُس نے تم پر کیا کہ تھے تم (آپس میں) دشمن پھر الفت پیدا کر دی اُس نے تمہارے دلوں میں سو ہو گئے تم اللہ کے فضل وکرم سے بھائی بھائی۔''[3]

اور اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دُعا مانگا کرتے تھے:

---

[1] سورہ الانفال ۸:۲۴

[2] سورہ البقرہ ۲:۷۷

[3] سورہ آل عمران ۳:۱۰۳

يَامُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ

''اے دلوں کو بدلنے والے، میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ۔'' [1]

اسی طرح اس طرح کی آیات:

مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَآ أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا۟

''نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین (آدمیوں) میں مگر ہوتا ہے اللہ ان میں چوتھا اور نہ پانچ میں اور ہوتا ہے اُن میں چھٹا اور نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر ہوتا ہے وہ ان کے ساتھ جہاں بھی وہ ہوں۔'' [2]

کو اُن کے سیاق وسباق میں سمجھنا چاہیے۔ اس آیت کے شروع کے حصے کو پڑھنے سے یہ سامنے آتا ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ جانتا ہے ہر وہ بات جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے؟''

اور اس آیت کے آخری حصے میں یہ ارشاد ہے:

ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا۟ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ

''پھر وہ بتائے گا اُنہیں قیامت کے دن اس کے بارے میں جو وہ کرتے رہے بلا شبہ اللہ ہر چیز کے بارے میں پوری طرح علم رکھتا ہے۔''

تو یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اللہ یہاں اپنے علم کے متعلق بتا رہا ہے نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ بلند و برتر خود لوگوں کے درمیان حاضر ہوتا ہے۔ وہ تو اپنی مخلوق کے اوپر اور بہت بالا و اعلیٰ ہے۔ [3]

---

[1] جمع کیا الترمذیؒ نے اور تصدیق کی محمد ناصر الدین الالبانیؒ نے (صحیح سنن الترمذی، ریاض: عرب بیورو آف ایجوکیشن برائے گلف سٹیٹس، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۸) جلد ۳ صفحہ ۱۷۱، نمبر ۲۷۹۲

[2] سورہ المجادلہ ۵۸:۷

[3] احمد ابن الحسین البیہقیؒ ''کتاب الاسماء والصفات'' (بیروت: دار الکتب العلمیہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۴)، صفحہ ۵۴۱-۵۴۲

یہ قول جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہوا کہ ''آسمان اور زمین میں اللہ نہیں سما سکتا مگر سچے ایمان والے کے دل میں سما جاتا ہے'' معتبر نہیں ہے لیکن اگر اس قول کا ظاہری مطلب مان بھی لیا جائے تو کوئی بھی سمجھدار آدمی اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کرے گا کہ اللہ انسان کے اندر ہے۔ اگر کسی ایمان والے کے دل میں اللہ کے وجود کو فرض کر بھی لیا جائے اور وہ ایمان والا شخص تو اِس زمین اور آسمان کے اندر ہے' تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ زمین اور آسمان کے اندر ہے کیونکہ اگر الف کو ب کے اندر رکھا جائے اور ب کو ج کے اندر رکھا جائے تو الف ج کے اندر ہی ہے۔

چنانچہ مستند اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے جو قرآن اور سُنتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے' تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کائنات اور اس کے اندر کی تمام اشیاء سے بلند و بالا ہے اس طرح جیسا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے جاہ وجلال کے شایان شان ہے اور وہ کسی طرح بھی اپنی تخلیق کے اندر نہیں ہے اور نہ تخلیق اُس کے اندر ہے' لیکن اللہ کا لامحدود علم' رحم اور قدرت کائنات کے ہر ذرے میں بغیر کسی قسم کی مزاحمت کے کارفرما ہیں۔[1]

[1] عمر الاشقر' العقیدہ فی اللہ' (کویت: مکتبہ الفلاح۔ دوسرا ایڈیشن' ۱۹۷۹) صفحہ ۱۷۱

نواں باب

اللہ کا دیدار

اللہ تعالیٰ کا تصور

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے' انسان کا ذہن محدود ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ لامحدود ہے اس لئے انسان یہ توقع نہیں کرسکتا کہ وہ اللہ کے اوصاف کے متعلق کچھ سمجھ سکے سوائے اس کے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ خود وحی کے ذریعے اُس کو بتانا چاہے۔ اگر انسان اپنے ذہن میں اللہ کی کوئی تصویر بنانے کی کوشش کرے گا تو وہ بھٹک جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر اُس چیز سے مختلف ہے جو انسانی ذہن تصور کرسکتا ہے۔ انسانی ذہن اللہ کا جو کوئی بھی عکس تیار کرے گا وہ تخلیق کا ہی کوئی حصہ ہوگا یا تخلیق کی ہوئی چیزوں کا مجموعہ ہوگا جو اس کے مشاہدے میں آئی ہوں گی۔ لہٰذا جب وہ اللہ تعالیٰ کی کوئی تصویر ذہن میں بناتا ہے تو وہ بالآخر مخلوق کی صفات اللہ تعالیٰ کو منسوب کردیتا ہے۔ البتہ انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ عقلی اور جذباتی طور پر اللہ تعالیٰ کے کچھ اوصاف کو سمجھ لے' اس لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اُن میں سے کچھ انسان پر ظاہر کردیئے ہیں۔ مثلاً 'القادر' یعنی ہر قسم کی طاقت و قدرت والا' جس کا مطلب ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نہ کرسکتا ہو۔ اسی طرح 'الرحمٰن' بہت رحم کرنے والا' جس کا مطلب ہے کہ مخلوق میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے رحم سے نہ نوازا ہو' خواہ وہ اس کے مستحق ہوں یا نہ ہوں۔ ایسی سمجھ بوجھ کے لئے ذہن میں کسی قسم کی تصویری علامتوں کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ صرف یہی طریقہ ہے جس پر چل کر انسانی ذہن اللہ کے متعلق صحیح تصور قائم کرسکتا ہے۔ اللہ کے تصور کے متعلق انسانی سمجھ کی حدود میں غلطی اور اُلجھن اُن عوامل میں سے ایک تھی جو

یونان اور روم کے شروع کے عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سچی تعلیمات کے راستے سے بھٹکنے کا سبب بنی۔ یورپ کے جن لوگوں نے عیسائیت کو قبول کیا اُنہوں نے اپنے گرجا گھروں اور درگاہوں میں خدا کی لمبی لہراتی سفید داڑھی والے یورپی بزرگ کے روپ میں تصاویر اور بت بنا کر رکھ دیئے۔ فلسطین کے ابتدائی عیسائی یہودی پس منظر رکھتے تھے جس میں خالقِ کائنات کی ہر قسم کی تصاویر کی سختی سے ممانعت تھی' تاہم یورپ والے اس معاملے میں بھٹک گئے' اس کی وجہ یہ تھی کہ پُرانی تاریخی روایت کے مطابق وہ لوگ اپنے دیوتاؤں کو انسانی روپ میں پیش کیا کرتے تھے اور مذہبی رہنمائی کے لئے یہودیوں کے مسخ کردہ صحیفوں پر انحصار کرتے تھے۔ تورات کے پہلے باب 'کتاب پیدائش' میں انسان کی تخلیق کے متعلق یہودیوں نے اپنے طور پر یوں لکھ لیا تھا:

''پھر خدا نے کہا' چلو ہم اپنے عکس میں انسان بناتے ہیں جو ہم سے مشابہ ہو' پس خدا نے اپنے عکس کی طرح انسان کی تخلیق کی' خدا کے عکس میں اُس نے اُسے تخلیق کیا۔'' (۱:۲۶۔۲۷)

تورات کی اِن آیات اور ان جیسی دوسری آیات سے یورپ کے ابتدائی عیسائیوں نے یہ اخذ کیا کہ الہامی صحیفوں کی تعلیمات میں بھی خدا کی شکل اُسی طرح انسان سے ملتی جُلتی بیان کی گئی ہے جس طرح کہ وہ اپنی دیومالاؤں میں دیوتاؤں کو انسانی شکل میں ظاہر کرتے چلے آئے تھے۔ لہٰذا اُنہوں نے کافی دولت' وقت اور قوت خدا کی تصویریں اور بُت انسانی شکل میں بنانے میں صرف کر دی۔

اللہ تعالیٰ کو انسانی شکل میں پیش کرنے کا عمل پہلے کی طرح اب بھی عام ہے۔ جب انسان کا اللہ تعالیٰ کی وحی کے ساتھ رشتہ کٹ گیا جس میں اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی تھی کہ وہ اپنی مخلوق سے کسی قسم کی مشابہت نہیں رکھتا' تو انسان نے اپنی عبادات کا رخ اُس کی مخلوق کی طرف پھیرنا شروع کر دیا۔ ایسا کرنے کے لئے اُس نے اکثر خُدا کو انسانی شکل میں ہی پیش کرنا پسند کیا کیونکہ انسان ہی دنیا میں جانداروں میں سب سے زیادہ بڑائی کا حامل تھا۔ چنانچہ مثال کے طور پر چین میں چُو خاندان کی حکومت (۱۰۲۷ ق م تا ۴۰۲ء) کے وقت سے سرکاری یا قومی مذہب ایک خیالی دیوتا شین

'T`ien' (جنت) پر توجہ مرکوز کرتا تھا جس کو انسانی شکل دی گئی تھی اور یہ نام دیئے گئے تھے:

'یوہوانگ، شہنشاہ جیڈ، بلند آقا، آسمانی عدالتوں کا حاکم'۔[1]

قرآن میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بہت صاف طور پر فرمایا ہے کہ انسان ایسی کوئی چیز سوچ ہی نہیں سکتا جو اللہ سے مشابہت رکھتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ

''کوئی شے اللہ سے مشابہت نہیں رکھتی۔ اور وہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔''[2]

اور یہ بھی فرمایا:

وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ كُفُوًا أَحَدٌۢ

''اور کوئی بھی اُس جیسا نہیں ہے۔''[3]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے دیدار کی درخواست

اس حقیقت کو صاف طور پر بیان کرنے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرح نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ ہماری آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا ہے:

لَّا تُدْرِكُهُ ٱلْأَبْصَٰرُ وَهُوَ يُدْرِكُ ٱلْأَبْصَٰرَ

''نہیں پاسکتیں اُس کو نگاہیں اور وہ پالیتا ہے نگاہوں کو۔''[4]

یہ ربّانی بیان واضح کردیتا ہے کہ انسان اس کا اہل نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکے۔ اس حقیقت کی مزید وضاحت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس سے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا ایک واقعہ بیان کیا ہے:

---

[1] 'ڈکشنری آف ریلیجنز' صفحہ ۸۵

[2] سورہ الشوریٰ ۴۲:۱۱

[3] سورہ الاخلاص ۱۱۲:۴

[4] سورہ الانعام ۶:۱۰۳

وَلَمَّا جَآءَ مُوسَىٰ لِمِيقَٰتِنَا وَكَلَّمَهُۥ رَبُّهُۥ قَالَ رَبِّ أَرِنِىٓ أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَىٰنِى وَلَٰكِنِ ٱنظُرْ إِلَى ٱلْجَبَلِ فَإِنِ ٱسْتَقَرَّ مَكَانَهُۥ فَسَوْفَ تَرَىٰنِى ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُۥ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُۥ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ أَفَاقَ قَالَ سُبْحَٰنَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلْمُؤْمِنِينَ

''اور جب آیا موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے مقرر کردہ وقت پر' کلام کیا اُس سے اُس کے رب نے تو التجا کی موسیٰ (علیہ السلام) نے اے میرے رب! مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن دیکھو اُس پہاڑ کی طرف پھر اگر وہ قائم رہ گیا اپنی جگہ تو ضرور تم مجھے دیکھ سکو گے۔ چنانچہ جب تجلّی کی اُس کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اُسے ریزہ ریزہ اور گر پڑے موسیٰ (علیہ السلام) غش کھا کر۔ پھر جب ہوش آیا تو کہنے لگے پاک ہے تیری ذات' توبہ کرتا ہوں میں تیرے حضور اور میں ہوں سب سے پہلا ایمان والا۔''[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ شاید اُن کو اللہ جل شانہ کے دیدار کی اجازت مل جائے گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُس وقت کی ساری انسانیت میں سے اپنا پیغام دینے کے لئے منتخب کیا تھا۔[2] لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو صاف طور پر بتا دیا کہ ایسا اُن کے لئے یا کسی اور کے لئے ممکن نہیں ہے۔ کسی شخص میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اللہ کی تجلّی کی شدت کو ہی برداشت کر سکے' چہ جائے کہ وہ اُس لامحدود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا نظارہ کرے۔[3] جب وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز مانگنے کی معافی چاہی جس کی اجازت نہیں تھی۔

---

[1] سورہ الاعراف ۷:۱۴۳

[2] سورہ الاعراف ۷:۱۴۴

[3] 'العقیدۃ الطحاویہ' صفحہ ۱۹۱

کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا تھا؟

کُچھ مسلمانوں نے محسوس کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں استثناء برتا جنہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں سفر کرا کے اُس مقام سے بھی آگے بلا لیا جہاں تک فرشتے جا سکتے ہیں۔ لیکن جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تابعین[1] میں سے ایک حضرت مسروق رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کیا نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا تو اُنہوں نے جواب دیا: ''تمہارا سوال سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں! جو کوئی بھی تمہیں یہ کہتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا اُس نے جھوٹ کہا ہے۔''[2] اور جب حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا' تو اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''وہاں صرف روشنی تھی' میں اللہ کو کیسے دیکھ سکتا تھا۔''[3] ایک اور موقع پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روشنی کی اہمیت بیان فرمائی اور یہ فرمایا کہ یہ اللہ خود نہیں تھا' یہ فرماتے ہوئے کہ: ''یقیناً اللہ سوتا نہیں ہے اور نہ سونا اُس کے شایانِ شان ہے۔ وہ ہی ہے جو ترازو کے پلڑوں کو نیچے کرتا ہے اور اُنہیں اوپر کرتا ہے۔ رات کو ہونے والے اعمال دن کو ہونے والے اعمال سے پہلے اُس کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور دن میں ہونے والے اعمال رات والے اعمال سے پہلے اُس کے پاس پہنچتے ہیں اور اُس کا نقاب روشنی ہے۔''[4]

چنانچہ وثوق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیش رو پیغمبروں کی طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو اس زندگی میں نہیں دیکھا۔ اِس حقیقت کی بنیاد پر اُن لوگوں کا دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے جن کے متعلق مفروضہ ہے کہ اُنہوں نے اس زندگی میں اللہ کو دیکھا

---

[1] صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شاگرد

[2] جمع کیا مسلمؒ نے (صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۱' صفحہ ۱۱۱-۱۱۲' نمبر ۳۳۷ اور ۳۳۹)

[3] جمع کیا مسلمؒ نے (صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۱' صفحہ ۱۱۳' نمبر ۳۴۱)

[4] روایت کیا حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ نے اور جمع کیا مسلمؒ نے (صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۱' صفحہ ۱۱۳' نمبر ۳۴۳)

تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کو پیغمبروں نے نہیں دیکھا، جن کو اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت پر فوقیت دی، تو کوئی عام انسان خواہ وہ کتنا ہی صالح اور پرہیز گار ہو اللہ کو کیسے دیکھ سکتا ہے؟ کسی کا یہ دعویٰ کہ اُس نے اللہ کو دیکھا ہے درحقیقت گمراہی اور بداعتقادی کا بیان ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص جو اس قسم کا دعویٰ کرتا ہے پیغمبروں سے بھی بڑا ہے۔

شیطان کا دھوکہ دے کر اللہ کا روپ اختیار کرنا

اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے اُن صوفی حضرات نے، جو اللہ کو دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، کچھ نہ کچھ ضرور دیکھا ہوتا ہے۔ وہ اکثر یہ بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے بہت ہی شاندار روشنی کا مظاہرہ دیکھا اور شاید غیر زمینی مخلوق بھی دیکھی۔ تاہم اس حقیقت سے کہ ایسے مظاہرے دیکھنے کے بعد ایسا دعویٰ کرنے والے بہت سے صوفی اکثر اسلام کے بنیادی اعمال کو چھوڑ دیتے ہیں، صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ وہ دیکھتے ہیں وہ شیطانی عمل ہوتا ہے نہ کہ ربانی۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا دعویٰ کرنے والے اکثر یہ اعلان کرتے ہیں کہ اب اُن کو عام لوگوں کی طرح باقاعدگی سے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں رہی، کیونکہ اب روحانی ترقی کر کے اُن کا مقام عام لوگوں سے بلند ہو گیا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۷۷ تا ۱۱۶۶ء) نے جن سے قادریہ صوفی سلسلہ منسوب کیا گیا ہے، ایک واقعہ بیان کیا ہے جو خود اُن کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اِس واقعے میں اُن لوگوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے جو اللہ کو دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ایسا نظارہ کرنے کے بعد اکثر وہ لوگ کیوں بنیادی اسلامی اعمال چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''ایک دن میں بہت انہماک سے عبادت میں مشغول تھا کہ اچانک میرے سامنے ایک شاندار تخت نمودار ہوا جس کے اطراف میں بڑی تیز روشنی جگمگا رہی تھی۔ ایک گرج دار آواز میرے کانوں میں آئی: 'اے عبدالقادر، میں تمہارا رب ہوں، میں نے تمہارے لئے وہ سب کچھ جائز کر دیا ہے جو دوسروں کے لئے منع ہے۔'' حضرت عبدالقادرؒ نے پوچھا: ''کیا تم وہ اللہ ہو جس

کے سوا کوئی اور خدا نہیں؟'' جب اس سوال کا جواب نہیں آیا تو اُنہوں نے کہا: ''دفع ہو جا! اے اللہ کے دشمن۔'' اِس کے ساتھ ہی وہ روشنی غائب ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا۔ وہی آواز پھر آئی: ''اے عبدالقادر آج تم اپنی دین کی سمجھ اور اپنے علم کی وجہ سے میری چال کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ میں تو اپنے اس طریقے سے ستر سے زیادہ نیک عبادت گزار لوگوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔''

اس واقعے کے بعد لوگوں نے حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ شیطان ہے؟ آپ نے جواب دیا: ''میں نے شیطان کو اُس کے اس دعوے سے پہچان لیا تھا کہ اللہ نے میرے لئے وہ سب کچھ جائز کر دیا ہے جو دوسروں کے لئے منع ہے۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا گیا دین کبھی منسوخ یا تبدیل نہیں ہو سکتا۔ مجھے اس بات سے بھی پتہ چل گیا تھا کہ وہ کون ہے جب شیطان نے اعلان کیا کہ میں تمہارا رب ہوں لیکن وہ اس بات کی تصدیق نہ کر سکا کہ وہ اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔''[1]

اسی طرح ماضی میں کچھ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ اُنہوں نے کعبہ دیکھا اور عالم رُؤیا میں اُس کا طواف بھی کیا۔ کچھ نے کہا کہ اُن کے سامنے ایک بہت بڑا تخت پھیلا ہوا تھا جس پر کوئی شاندار شخصیت بیٹھی ہوئی تھی، اور بہت سے لوگ اُس کے آس پاس چڑھ اور اُتر رہے تھے۔ اُنہوں نے یہ سمجھا کہ وہ شاندار شخصیت اللہ تعالیٰ جلال والے اور شان والے کی تھی اور دوسرے لوگ فرشتے تھے، لیکن حقیقت میں وہ شیطان تھا اور دوسرے لوگ اُس کے چیلے چانٹے تھے۔[2]

نتیجتاً یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں یا دن کی روشنی میں دیکھنے کے دعووں کی بنیاد شیطانی نفسیاتی اور جذباتی کیفیات ہی ہو سکتی ہیں۔ ایسی حالتوں میں شیطان بہت شاندار اور شوخ روشنیوں کے جھرمٹ میں اُن لوگوں کے سامنے آتا ہے جو اس قسم کے نظاروں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اُن کو بتاتا ہے کہ وہ اُن کا رب ہے۔ خالص توحید کا علم نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ایسے دعوے قبول کر لیتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔

---

[1] امام ابن تیمیہ 'التوسّل والوسیلہ' (ریاض: دارالافتاء، ۱۹۸۴ء) صفحہ ۲۸

[2] ایضاً صفحہ ۲۸

سورہ النجم کا مطلب

کچھ لوگ[1] سورہ النجم کی اس آیت کو اِس دعوے کی حمایت میں استعمال کرتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا تھا:

وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ

''اور وہ بالائی اُفق پر تھا۔ پھر قریب آیا اور اُتر آیا۔ یہاں تک کہ ہو گیا برابر فاصلہ دو کمانوں کے یا اس سے بھی کم۔ تب وحی پہنچائی اُس نے اللہ کے بندے کو جو وحی پہنچائی تھی۔ نہ جھوٹ جانا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل نے اُسے جو دیکھا اُس نے۔ کیا تم اُس سے جھگڑتے ہو اِس چیز پر جو اُس نے دیکھا ہے۔ اور بلاشبہ وہ اُسے دیکھ چکا ہے اُترتے ہوئے ایک بار اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے قریب۔''[2]

وہ وثوق سے کہتے ہیں کہ مندرجہ بالا آیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا حوالہ دیا گیا ہے جبکہ حضرت مسروق رحمتہ اللہ علیہ نے جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان آیات کے متعلق پوچھا تو آپؓ نے فرمایا: ''میں نے اِس امت میں سب سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تھا: 'یقیناً وہ جبرائیلؑ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی اُن پر سلامتی ہو۔ میں نے سوائے اِن دو موقعوں کے اُن کو کبھی اُن کی اُس شکل میں نہیں دیکھا تھا جس میں وہ تخلیق ہوئے تھے۔ میں نے اُن کو آسمان سے نیچے اُترتے ہوئے دیکھا اور وہ اتنے بڑے وجود کے تھے کہ آسمان اور زمین کے درمیان کی تمام جگہ بھر گئی تھی۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پھر فرمایا: ''کیا تم نے نہیں سنا جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ 'نگاہیں اُس کو نہیں دیکھ سکتیں مگر وہ سب نگاہوں کو

---

[1] اُن میں امام النوویؒ بھی شامل ہیں۔ اُن کی 'صحیح مسلم' کی تشریح' جلد ۳' صفحہ ۱۲ (دیکھئے 'شرح کتاب التوحید من صحیح البخاری' مدینہ: مکتبہ الدار' ۱۹۸۵' صفحہ ۱۱۵۔۱۱۶' از عبداللہ آل غنیمان)

[2] سورہ النجم ۵۳: ۷۔۱۴

دیکھتا ہے۔ وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے'[1]۔ اور تم نے نہیں سنا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ 'اللہ کِسی بھی شخص سے کلام نہیں کرتا سوائے الہام کے ذریعے' یا پردے کے پیچھے سے یا پیامبر (فرشتہ) بھیج کر'؟[2]'' [3] چنانچہ سورہ النجم کی اِن آیات کو اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس مفروضے کی کسی طرح حمایت نہیں کرتیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا تھا۔[4]

اللہ کے نہ دیکھے جانے میں پوشیدہ حکمت

اگر اللہ تعالیٰ کو اس زندگی میں دیکھا جا سکتا تو اس زندگی میں ہونے والی تمام آزمائشیں بے معنی ہو جاتیں۔ جو چیز اس زندگی کو اصل آزمائش بناتی ہے وہ یہ حقیقت ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر اُس پر ایمان لانا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نظر آ رہا ہوتا تو ہر کوئی اُس پر اور پیغمبروں کی بتائی ہوئی باتوں پر ایمان لے آتا۔ اس طرح درحقیقت انسان فرشتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کا مکمل طور پر تابعدار بن جاتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فرشتوں سے اعلیٰ بننے والی مخلوق بنایا ہے' جن کا اللہ تعالیٰ پر ایمان بلا اختیار ہے' اس لئے انسان کا بے اعتقادی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا انتخاب اس صورت حال میں ہی ہونا چاہیے جب اللہ تعالیٰ کے وجود پر شک ممکن ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو انسانوں سے چھپایا ہوا ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔

آنے والی زندگی میں اللہ کا دیدار [5]

قرآن میں ایسے بے شمار حوالے ملتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ

---

[1] سورہ الانعام ۶:۱۰۳

[2] سورہ الشوریٰ ۴۲:۵۱

[3] جمع کیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۱' صفحہ ۱۱۱-۱۱۲' نمبر ۳۴۷)

[4] روایت جو حضرت ابن عباسؓ سے منسوب ہے اور جسے جمع کیا ہے ابن خزیمہؒ نے اپنی 'کتاب التوحید' میں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا' ضعیف ہے (دیکھئے 'العقیدۃ الطحاویہ' صفحہ ۱۹۷ حاشیہ ۱۶۹)

[5] ماضی کے مسلمانوں کے وہ خاص فرقے جنہوں نے آخرت کی زندگی میں اللہ کو دیکھے جانے سے انکار کیا یہ ہیں: جہمیہ' خارجیوں میں سے معتزلہ اور اُس کے پیروکار۔ موجودہ زمانے میں صرف اثنا عشری شیعہ ابھی تک اس کا انکار کرتے ہیں کہ آنے والی زندگی میں اللہ کا دیدار ہوگا۔ (دیکھئے 'العقیدۃ الطحاویہ' صفحہ ۸۹)

آنے والی زندگی میں مومن انسان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ روز قیامت کے کچھ واقعات کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ

''کچھ چہرے ہوں گے اُس دن تر وتازہ۔ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔''[1]

اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بڑے واقعے کی اور بھی زیادہ وضاحت فرمائی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''کیا روزِ جزا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہیں چودھویں کے پورے چاند کو دیکھنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جواب دیا: ''نہیں۔'' پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً تم اسی طور پر اللہ کو دیکھو گے۔''[2] ایک اور موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً تم میں سے ہر ایک اُس دن اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا جو اُس سے ملاقات کا دن ہے۔ اور اُس دن تمہارے اور اُس کے درمیان نہ تو کوئی پردہ ہوگا اور نہ کوئی ترجمان۔''[3] حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا: ''روز قیامت وہ پہلا دن ہوگا کہ کوئی آنکھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو دیکھے گی۔''[4] اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اہل جنت کے لئے ایک خاص اضافی رحمت ہوگی۔ یہ اضافی عنایت بذات خود اُن تمام مسرتوں سے بڑھ کر ہوگی جو اللہ جل شانہٗ نے جنت کے باغوں کے حقیقی وارثوں کے لئے رکھی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اضافی مسرت کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ

---

[1] سورہ القیامہ ۷۵:۲۲-۲۳

[2] روایت کیا حضرت ابو ہریرہؓ نے اور جمع کیا البخاریؒ نے (صحیح البخاری، عربی۔انگریزی، جلد۹، صفحہ۳۹۰-۳۹۱، نمبر۵۳۲) اور مسلمؒ نے (صحیح مسلم انگریزی ترجمہ، جلد۱، صفحہ۱۱۵، نمبر۳۴۹)

[3] روایت کیا حضرت عدیؓ ابن ابی حاتم نے اور جمع کیا البخاریؒ نے (صحیح البخاری، عربی۔انگریزی، جلد۹، صفحہ۴۰۳، نمبر۵۳۵)

[4] ایک مستند روایت جس کو جمع کیا الدار قطنیؒ اور الدارمیؒ نے اپنی کتاب الرد علی الجہمیہ (جہمیوں کی نفی) (بیروت: المکتبہ الاسلامی، سن درج نہیں ہے، صفحہ۵۷)

''اُن کے لئے ہو گی وہاں ہر وہ چیز جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس ہے اس سے بھی زیادہ۔''[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ممتاز صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن ابی طالب اور حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے کہ یہ اضافی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان کیا ہے وہ اللہ کا دیدار ہے۔[2] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ

''اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے اچھے کام کئے' بھلائی ہے اور مزید۔''[3]

اور پھر فرمایا: ''جب جنت کے حق دار جنت میں داخل ہو جائیں گے اور دوزخ کے حق دار دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو پکارنے والا پکارے گا: 'اے جنت کے رہنے والو اللہ کا تمہارے لئے ایک وعدہ ہے جو وہ پورا کرنا چاہتا ہے۔' اہل جنت پوچھیں گے: 'وہ کیا ہے؟ اُس نے تو پہلے ہی ہمارے نیک اعمال کے پلڑے بھاری کر دیئے ہیں' ہمارے چہرے روشن کر دیئے ہیں اور ہم کو جنت میں داخل کر دیا ہے اور ہم میں سے کئی لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا ہے۔' اِس کے بعد پردہ ہٹا دیا جائے گا اور وہ سب ٹکٹکی لگائے اللہ جل شانہٗ کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی تمام نعمتوں میں اُن کے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ' محبوب چیز اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا ہو گا اور یہی وہ اضافی نعمت ہے۔''[4]

جہاں تک پہلے بیان کی گئی آیت کا تعلق ہے ''نگاہیں اُس کو نہیں پا سکتیں اور وہ پا لیتا ہے نگاہوں کو'' یہ آیت اِس بات کی نفی کرتی ہے کہ اِس زندگی میں کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن آنے والی زندگی میں یہ صرف کامل طور پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے امکان کی نفی کرتی ہے۔

---

[1] سورہ قٓ ۳۵:۵۰

[2] جمع کیا الطبریؒ نے (دیکھئے 'العقیدۃ الطحاویہ' صفحہ ۱۹۰)

[3] سورہ یونس ۲۶:۱۰

[4] جمع کیا الترمذیؒ نے' ابن ماجہؒ نے اور احمدؒ نے۔

نیک لوگ اللہ تعالیٰ کا صرف ایک حصہ دیکھ سکیں گے کیونکہ اُن کی نظر وہاں بھی مخلوق والی محدود ہی ہو گی جب کہ اللہ جل شانہٗ ازلی' ابدی اور لامحدود رب اعلیٰ ہے اور ہمیشہ رہے گا جس کو نظر' علم یا طاقت کے احاطہ میں نہیں لایا جا سکتا۔[1] جہاں تک کافروں کا تعلق ہے وہ اگلی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ پائیں گے جو کہ اُن کے لئے بہت بڑی محرومی اور مایوسی کا باعث ہوگا۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ

''حقیقت یوں ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے دیدار سے اُس دن اوٹ میں رکھے جائیں گے۔''[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار

یہ دوسری قسم کا نظارہ ہے جو کسی حد تک مسلمانوں میں الجھن اور فتنے کا باعث بنا ہے۔ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُنھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور اُن سے مخصوص رہنمائی حاصل کی ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ اُنھوں نے خواب میں یہ دیدار کیا جب کہ دوسرے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُنھوں نے حقیقت میں جاگتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ وہ لوگ جو اس قسم کا دعویٰ کرتے ہیں عام طور پر لوگوں میں بہت عزت پاتے ہیں۔ وہ اکثر دین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے بہت سی نئی نئی باتیں پیدا کرتے ہیں۔ اِن دعووں کی بنیاد اس حدیث پر ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے حقیقت میں مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کرسکتا۔''[3] اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور قابل اعتبار ہے' لہٰذا اس کی

---

[1] 'العقیدۃ الطحاویہ' صفحہ ۱۸۸' ۱۹۳' ۱۹۸ اور دیکھئے سورہ طٰہٰ ۲۰: ۱۱۰ جہاں اللہ فرماتا ہے: ''وہ (لوگ) اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتے (اپنے) علم سے۔''

[2] سورہ المطففین ۸۳: ۱۵

[3] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۹' صفحہ ۱۰۴' نمبر ۱۲۳) اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۴' صفحہ ۱۲۲۵' نمبر ۵۶۳۵' اور صفحہ ۱۲۲۶' نمبر ۵۶۳۹)

تردید نہیں کی جاسکتی یا اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس کا مطلب سمجھنے کے لئے چند امور زیر نظر رکھنے کی ضرورت ہے:

ا۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیطان خواب میں آ کر مختلف روپ دھار کر لوگوں کو گمراہ کر سکتا ہے۔

ب۔ اس حدیث کے مطابق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل شکل وصورت شیطان اختیار نہیں کر سکتا۔

ج۔ یہ حدیث اس حقیقت کی بھی تصدیق کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک کو خواب میں دیکھا جاسکتا ہے۔

چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے دیا تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تھے اس لئے اگر کوئی ایسا شخص جو صحیح طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتا ہو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کو دیکھے تو اُسے یقین کرنے کا حق حاصل ہے کہ وہ اتنا خوش قسمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرایا۔ وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ اہلیت نہیں بخشی کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل شکل وصورت اختیار کر سکے۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانتے شیطان اُن لوگوں کے خواب میں آ سکتا ہے اور یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ اللہ کا پیغمبر ہے۔ پھر وہ خواب دیکھنے والے کو مذہب میں نئی نئی باتیں سکھا سکتا ہے یا اُس سے کہہ سکتا ہے کہ وہ مہدی آخرالزماں ہے یا حتیٰ کہ وہ پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام ہے جن کو دنیا کے آخری زمانے میں ظاہر ہونا ہے۔ ایسے بے شمار لوگ ہیں جنہوں نے خوابوں کی بنیاد پر مذہب میں نئی نئی باتیں شامل کیں یا ایسے دعوے کئے۔ لوگ ایسے دعووں کو صحیح ماننے پر خاص طور پر مائل ہوتے ہیں کیونکہ وہ مندرجہ بالا حدیث کے مفہوم کو صحیح طور پر نہیں سمجھے ہوتے۔ چونکہ شریعت (اسلامی قانون) تو مکمل ہے اس لئے یہ دعویٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں آ کر اس میں نیا اضافہ کیا ہے یقیناً غلط ہونا چاہیے۔ ایسے دعوے کے دو مطلب نکلتے ہیں: (ا) یا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنی زندگی میں اپنا مقصد پورا نہیں کیا تھا یا (۲) اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے مستقبل سے بے خبر تھا' اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ضروری ہدایات نہیں دیں۔ ایسے دونوں مفہوم اسلام کے بنیادی اصولوں کے منافی ہیں۔

جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جاگتی حالت میں دیکھنے کا سوال ہے تو یہ دعویٰ اس حدیث کے دائرے سے باہر ہے اور ناممکنات میں سے ہے۔ ایسا کوئی بھی نظارہ جو واقع ہوتا ہے یقینی طور پر شیطانی ہیولا ہوگا' اس کا نتیجہ خواہ کچھ بھی نکلے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک رات کے اُس سفر کے دوران جس میں معجزانہ طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یروشلم اور پھر آسمانوں کے اوپر تشریف لے گئے' اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھیجے جانے والے بہت سے پیغمبروں سے ملاقات کرائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے بات چیت کی۔ وہ لوگ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُنہوں نے جاگتے ہوئے نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے وہ دراصل اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام تک بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دینِ اسلام میں اس طرح کی کوئی بھی نئی تبدیلی ہرگز قابل قبول نہیں خواہ اُس کی بنیاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا بتائی جائے یا کوئی اور' ان باتوں کی ممانعت کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث موجود ہیں۔ مثلاً اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''جو کوئی بھی ہمارے اس معاملے (یعنی اسلام) میں نئی چیز پیدا کرتا ہے جو اِس کا حصہ نہیں' اُسے رد کر دیا جائے گا۔''[1]

---

[1] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۳' صفحہ ۵۳۵' نمبر ۸۶۱)' مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۹۳۱' نمبر ۴۲۶۶) اور ابوداؤدؒ نے ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۲۹۴' نمبر ۴۵۸۹)

دسواں باب

ولی کی پرستش

اللہ کی عنایت

انسان کی خصلت کا یہ حصہ ہے کہ وہ کچھ لوگوں کو دوسرے لوگوں سے اعلیٰ مقام دیتا ہے۔ وہ اُن کا بڑا احترام کرنا چاہتا ہے اور زندگی میں خود فیصلے کرنے کی بجائے اُن کا اتباع کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ اُس حقیقت کا براہ راست نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو دوسروں پر مختلف طریقوں سے فضیلت دی ہے۔ سماجی طور پر مرد کو عورت پر فوقیت دی گئی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

''مرد سرپرست ونگہبان ہیں عورتوں کے اس بنا پر کہ فضیلت دی ہے اللہ نے انسانوں میں بعض کو بعض پر۔''[1]

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ

''اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے۔''[2]

اور کچھ لوگوں کو معاشی طور پر دوسروں پر فضیلت دی گئی ہے:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ

''اور اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں۔''[3]

بنی اسرائیل کو دوسری تمام انسانیت پر اللہ کی رہنمائی کی بدولت ترجیح دی گئی تھی:

---

[1] سورہ النساء ۴:۳۴

[2] سورہ البقرہ ۲:۲۲۸

[3] سورہ النحل ۱۶:۷۱

جوابی وار کاری نہیں ہوگا۔

ایمان علی نے نئے پاکستان کا منصوبہ فائلوں میں سجانے کے لیے نہیں بنایا تھا۔ صدارت صرف صدر بننے کے لیے نہیں' ایک نیا پاکستان بنانے کے لیے حاصل کی تھی اور صدارت کے عہدے تک پہنچانے والوں سے مکمل اختیارات لیے تھے۔ اختیار دینے والے نئے پاکستان کے منصوبے پر مکمل ایمان رکھتے تھے۔ انھوں نے منصوبے کے ایک ایک جزو پر گھنٹوں بحث کی تھی۔ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ مریض کی صحت کے لیے کڑوی گولیاں نگلنا ضروری ہیں۔ اطمینان حاصل کرنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ کڑوی گولیاں بااختیار لوگوں کو خود نگلنا تھیں۔ ایمان علی کی گولیاں عام لوگوں کے لیے نہیں' ان کے لیے تھیں جو عوام کو کڑوی گولیاں کھلا کر آپس میں مٹھائیاں بانٹتے اور کھاتے رہے تھے۔ اختیار دینے والوں کو یہ اطمینان بھی حاصل کرنا تھا کہ ایمان علی اختیار استعمال کرنے کا ہنر جانتا ہے یا نہیں؟ اس کی ٹیم کتنی اہل ہے؟ ڈٹی رہے گی یا طوفان اٹھتے ہی بھاگ جائے گی؟ انھوں نے سوچ سمجھ کر اور ہر طرح تسلی کر کے ایمان علی کو اختیار دیا تھا اور نئے پاکستان کی طاقت بن گئے تھے۔

طاقت کی بنیاد اقتدار مافیا کا ٹوٹا ہوا گروپ تھا جو حکومتیں توڑنے اور بنانے کا کھیل کھیلتا رہا تھا اور اب اپنے گناہوں کی تلافی کرنا چاہتا تھا۔ گروپ کا سربراہ اور نوکر شاہی کا بے تاج بادشاہ کرم قریشی' جاگیرداروں کا جاگیردار فلک پیر' خفیہ ایجنسیوں کا ماہر شفیع رضا' سیکیورٹی کے امور کا ماہر جنرل سعید ملک اور اسلحے کا سب سے بڑا تاجر عارف علی' یہ سب تھے لیکن اقتدار مافیا کے اس گروپ سے زیادہ بڑی اور ایمان علی کی اصل طاقت فوج کا سربراہ جنرل منصف خان تھا۔ جنرل منصف نئے پاکستان پر اس حد تک یقین رکھتا تھا کہ ایمان علی نہ ہوتا تو وہ خود نئی عمارت تعمیر کرنے کی کوشش کرتا۔ تجویز پیش بھی ہوئی تھی کہ جنرل منصف کو صدر بنا کر سامنے رکھا جائے تاکہ کسی کو مخالفت کی جرأت نہ ہو اور ایمان علی جنرل منصف کی ٹیم کے طور پر نئے پاکستان کی تعمیر کرے۔ ایمان علی سے پہلے خود جنرل منصف نے منع کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا

نئے پاکستان کا چہرہ فوجی ہو جائے گا اور اسے ملک میں اور ملک سے باہر اعتبار حاصل کرنا مشکل ہوگا۔ ایمان علی جنرل منصف کے ریٹائر ہونے سے پہلے نئے پاکستان کا ایجنڈا مکمل کرنا چاہتا تھا۔ ضروری نہیں تھا نیا آنے والا بھی جنرل منصف کی طرح نئے پاکستان پر اس حد تک ایمان رکھتا ہو۔

سب سے مشکل کام فوج کی اصلاح کرنا تھا۔ فوج کی اصلاح کا ایجنڈا ناممکن اور خواب قرار دیا گیا تھا۔ سب کو یقین تھا کہ فوج اصلاحات پر تیار نہ ہوگی' لیکن ایمان علی نے جنرل منصف کی مدد سے یہ ناممکن کام کر دکھایا تھا۔ اس نے غلامی کی نوآبادیاتی دور کی مٹی میں اٹی ہوئی فوج کی گرد جھاڑ کر اسے آزاد پاکستان کی فوج بنا دیا تھا۔ جنرل منصف نے ہر کام ضابطے اور ترتیب کے ساتھ کیا تھا۔ حاضر اور ریٹائر جنرلوں پر مشتمل ریفارمز کمیشن بنایا تھا جس نے اصلاحات کی پرانی سفارشوں کو کھنگالا تھا۔ فوج کی صفیں اور اس کے ادارے کو نئے سرے سے منظم کرنے کے لیے نئی اصلاحات تیار کی تھیں۔ بھرتی کے قواعد اور تربیت کے مراکز بدل دیے تھے۔ نیا ضابطۂ اخلاق بنا تھا۔ جنرل منصف نے ایک کام فوری کیا تھا' اس نے بیٹ مین کا نظام ختم کر دیا تھا۔ فوجی افسروں کو ان کے جوتے پالش کرنے اور پیٹیوں کے بکل چمکانے کے لیے جو دو دو فوجی دیے جاتے تھے وہ واپس لے لیے تھے۔ اس نے کہا تھا اسے جوتے پالش کرنے اور فوجی افسروں کی بیگمات کا حکم ماننے والی فوج نہیں چاہیے۔ امریکہ کے فوجی افسر اپنے جوتے خود صاف کر سکتے تھے تو ایک غریب ملک کے فوجی افسروں کو کیوں شرم تھی۔ سپاہی غلامی کے بندھن سے آزاد ہو کر خوش ہوئے تھے۔ ان کے لیے جوتے صاف کرنے کے بجائے اپنے شہر کی گلیاں صاف کرنا زیادہ فخر کی بات تھی۔ پاکستان کی فوج اس ڈھانچے سے باہر نکل آئی تھی جو لارڈ اولیور کرامویل نے ۱۶۴۵ء میں فیوڈل عہد کی برطانوی فوجوں کے لیے بنایا تھا۔

ایمان علی کو ملک کے منتظم اعلیٰ کے تمام اختیارات حاصل تھے۔ وہ اب آئینی طور پر ہی

نہیں عملی طور پر بھی فوج کا سپریم کمانڈر تھا۔ اسے فوج کی اعلیٰ کمان میں تبدیلی اور تقرری کا اختیار تھا۔ اس نے پالیسیوں پر حکومت کا کنٹرول مستحکم کیا تھا۔ کشمیر' ایٹمی پروگرام اور دفاع کی پالیسیوں پر فوج کی اجارہ داری ختم کر کے فیصلے کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ملک کے آئینی' عدالتی اور انتظامی اداروں میں کام کرنے والے فوجی افسروں کو فوج میں واپس بھیج دیا گیا تھا۔ سرکاری خزانے سے ایک وقت میں ایک تنخواہ لینے کا اصول سختی سے نافذ کر دیا گیا تھا۔ سرکاری نوکری کرنے والے ریٹائر فوجیوں کو پنشن سے دست بردار ہونا پڑا تھا۔ شہری انتظامیہ میں عہدہ حاصل کرنے والے حاضر فوجی افسروں کو بھی فوج سے ملنے والی تنخواہ اور سہولتیں چھوڑنا پڑی تھیں۔ فوجی افسر شہری انتظامیہ سے الگ ہو کر اپنی صفوں میں واپس جانے لگے تھے۔ جو ریٹائر ہو چکے تھے' پرائیویٹ سیکٹر میں ملازمتیں تلاش کر رہے تھے۔

مشیروں نے کہا تھا کہ سرکاری کارپوریشنوں کے انتظام پر فوج کے افسروں کو قائم رکھا جائے۔ ایمان علی نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا ڈسپلن اور مینجمنٹ دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ فوجی افسر مارکیٹنگ' بازاری معیشت اور کاروباری مصلحتیں نہیں سمجھتے۔ وہ صرف ناک کی سیدھ میں چلتے ہیں۔ ان میں وہ لچک اور وژن نہیں ہوتا جو صنعتی اور تجارتی ادارے چلانے کے لیے ضروری ہے۔ ان کی تربیت شہری دفتروں کی آرام دہ کرسیوں پر بیٹھنے کے لیے نہیں' میدانِ عمل میں کام کرنے کے لیے ہوئی ہے۔ ایمان علی نے ان سے میدانوں میں کام لیا تھا۔ وہ سڑکیں بنانے اور نہریں کھودنے کے کام میں ہاتھ بٹا رہے تھے۔ سرحدوں کی حفاظت کے ساتھ سیکیورٹی کے اندرونی نظام کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ ان کی وجہ سے گلیاں' سڑکیں' بازار' گھر اور عبادت گاہیں محفوظ ہو گئی تھیں۔ نئے پاکستان کے جو خطوط نکھر رہے تھے ان میں فوج کی کارکردگی بھی نمایاں تھی۔ فوج کو عوامی محبتوں کا مرکز بنانے کے لیے کسی اشتہاری مہم کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

فوج کے لیے اصلاحات کا عمل اور اختیارات اور سہولتوں سے محروم ہونا آسان نہیں

تھا۔فوج نفسیاتی طور پر خود کو ملک کا حکم ران اور حکومت کرنا اپنا حق سمجھتی تھی۔ یہ ذہنیت کئی دہائیوں کی پیدا کردہ تھی۔اس کی حالت انیسویں صدی کے جرمنی کی تھی جس کی فوج ملک کے وسائل سے زیادہ پھیل گئی تھی اور جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ جرمنی ایک فوج ہے جس کے پاس ایک ملک ہے' نہ کہ ایک ملک جس کے پاس فوج بھی ہے۔حاکمیت کے یہ انداز بدلنا مشکل ثابت ہوا تھا۔جنرل منصف نے نرمی اور سختی دونوں طریقے آزمائے تھے۔ایک ایک رجمنٹ اور ایک ایک میس میں جا کر سمجھایا تھا کہ اصلاحات کیوں ضروری ہیں۔ملک جس حالت میں تھا اس کا چہرہ دکھایا تھا' اعداد وشمار بتائے تھے' گراف دکھائے تھے جو تیزی سے نیچے جا رہے تھے۔ سمجھایا تھا کہ انگلیاں اٹھا کر الزام دینے کا نہیں کچھ کرنے کا وقت ہے۔آپریشن تکلیف دہ ہے لیکن مریض کو بچانے کے لیے ضروری ہے۔سب کچھ اسی طرح چلتا رہا تو بچانے کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔ جنرل منصف نے بہت تحمل سے اختلاف کی آواز سنی تھی' بہت نرمی سے جواب دیے تھے۔لیکن جب اصلاحات پر عمل شروع کیا تھا تو رویے کی نرمی غائب ہوگئی تھی۔خلاف ورزی پر کورٹ مارشل کا حکم تھا۔ساتھی جنرلوں سے کہا تھا اگر انھیں اختلاف ہے تو وہ رِٹائرمنٹ لے سکتے ہیں۔سب سر جھکا کر اپنے سپہ سالار کی قیادت میں اصلاحات کا عمل پورا کرنے میں مصروف ہوگئے تھے۔ پاکستان کی فوج اپنے جس ڈسپلن کی وجہ سے مشہور تھی اس کی وجہ سے یہ مشکل مرحلہ طے پا گیا تھا۔فوج میں بے چینی کی خبریں صرف اخباروں میں چھپی تھیں' حقیقت نہیں بن سکتی تھیں۔

سب سے زیادہ ہنگامہ اس وقت ہوا جب ایمان علی نے دفاعی بجٹ میں ایک دو نہیں دس فیصد کمی کر دی تھی۔اس نے فوج کا ایک سپاہی بھی کم نہیں کیا تھا۔کہا تھا وہ بے روزگاری بڑھانے نہیں' کم کرنے آیا ہے۔اس نے ایٹمی پروگرام اور ایٹمی ہتھیاروں کو لے جانے والا میزائل پروگرام برقرار رکھا تھا لیکن فوج کا ہارڈ ویئر کا بجٹ کم کر دیا تھا۔ بھاری اسلحے کی خریداری میں پیسہ بچایا تھا۔ملکی دفاعی پیداوار پر انحصار بڑھانے اور باہر سے سستا اسلحہ خریدنے

کی پالیسی اپنائی تھی۔شور مچا تھا کہ ایمان علی نے ملک کا دفاع کمزور کر دیا ہے۔ ایمان علی کا کہنا تھا کہ روایتی جنگ میں دشمن سے نہیں جیتا جا سکتا۔پچھلی کئی جنگوں کا یہی سبق تھا۔ دشمن کی معیشت کا سائز بڑا تھا۔ اس سے اسلحے کی دوڑ میں بھی مقابلہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک طرف ایمان علی دشمن سے صلح کر کے اسے دوست بنانے کی کوشش کر رہا تھا' دوسری طرف اس نے چین سے دفاعی معاہدہ کر کے جنگ کی صورت میں پاکستان کا ساتھ دینے کی ضمانت حاصل کی تھی۔ بڑی طاقتوں سے یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ دشمن کو پاکستان پر حملہ کرنے سے باز رکھیں گے۔ایمان علی نے کہا تھا دشمن نے دوست بن کر دغا دی' بڑی طاقتیں دشمن کو حملہ کرنے سے نہ روک سکیں اور دوست مدد کرنے نہیں آئے تو ہم اپنی انشورنس پالیسی استعمال کریں گے۔ایٹمی جنگ چھیڑ دیں گے' ماریں گے اور مر جائیں گے۔

نوکرشاہی پر قابو پانا مشکل نہیں ہوا تھا۔اس کی لگامیں کھینچنے کا کام کرم قریشی کے سپرد تھا۔فوج کو شہری انتظامیہ سے الگ کیا تو نوکرشاہی خوش ہوئی تھی۔انھیں اپنے سر پر بندوق تان کر کھڑے ہوئے فوجی افسر پسند نہیں تھے۔ان کا خیال تھا ان کی حکمرانی کا زمانہ واپس آ گیا ہے' لیکن جب ایمان علی نے ان کے گرد لپٹا ہوا سرخ فیتے کا جال کھولنا شروع کیا تو بے چین ہونے لگے۔ایمان علی کو تھکی ہوئی اور فائلوں میں پھنسی ہوئی نوکرشاہی نہیں چاہیے تھی۔ کرم قریشی نے ان کی کارکردگی بڑھانے کے لیے کام کے طریقے بدل دیے تھے۔وہ فائلوں کی جس لمبی زنجیر میں بندھے تھے' اسے توڑ دیا تھا۔ایک تازہ دم نوجوان بیوروکریسی بھرتی کی تھی۔ملک میں آئی ٹی کے ماہرین کی کمی نہیں تھی' وہ ملک کو دنیا کی رفتار سے ہم آہنگ کرنے کے کام میں لگ گئے تھے۔

نوکرشاہی کو اپنے اخراجات کی کمی سے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ان کے الاؤنس کم اور گاڑیاں چھوٹی ہوگئی تھیں۔ان سے ڈرائیور اور گھروں میں کام کرنے والے سرکاری ملازمین واپس لے لیے گئے تھے۔ملک کا صدر بھی چھوٹے گھر میں رہتا اور چھوٹی گاڑی استعمال کرتا تھا'

اس لیے ان کے پاس شکایت کا جواز نہیں تھا۔ ایمان علی نے جب غیر ضروری سفارت خانے بند اور باقی رہ جانے والے سفارت خانوں کا عملہ اور ان کی سہولتیں کم کیں تو اسے سمجھایا گیا تھا کہ وزارت خارجہ ناراض ہو جائے گی' ان سے کام لینا مشکل ہو جائے گا۔ ایمان علی کا ایک ہی جواب تھا' جسے اصلاحات قبول نہیں اور جو نئے حالات میں کام نہیں کرنا چاہتا وہ ملازمت چھوڑ سکتا ہے' اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ ایمان علی کا کہنا تھا تیں سالوں سے وزارت خارجہ کا چارج وزارت خارجہ کی نوکر شاہی کے ہاتھ میں تھا۔ وزیر تک اسی کے تھے۔ لیکن انھوں نے کوئی ایسا کارنامہ انجام نہیں دیا جس پر وہ فخر کرسکیں اور جس کی وجہ سے ان کا نخرہ برداشت کیا جا سکے۔ پاکستان بتدریج سفارتی میدانوں میں تنہا ہو گیا تھا۔ صرف وہی دوست رہ گئے تھے جنھیں اپنے کسی مفاد کے لیے پاکستان کی ضرورت تھی۔ سفارت کار پاکستان کا امیج بہتر کر سکے نہ اس کی تجارت کو فروغ دے سکے تھے۔ غیر ملکی سرمایہ کاری بڑھنے کے بجائے ۷۵ فیصد کم ہو گئی تھی۔ ایمان علی کو یہ صورتِ حال بدلنا تھی۔ نیا پاکستان بنانے کے لیے ملک میں تازہ دم نوجوانوں اور ان کے ساتھ باہر سے پڑھ کر آئے لوگوں کی کھیپ موجود تھی۔ غیر ممالک میں کام کرنے والے بہت سے ماہرین وطن واپس آنا چاہتے تھے۔ رضا کارانہ طور پر کام کے لیے رِٹائرڈ افسروں کی قطار بھی لگی تھی۔ لوگوں کی کمی نہیں تھی۔ ایمان علی نے احتجاج کرنے والوں کے تبادلے کر دیے یا انھیں فارغ کر دیا تھا۔ جراحت کے لیے چیرا لگانا ضروری تھا۔

جنرل سعید ملک کو امن و امان قائم کرنے کی ذمہ داری دی تھی۔ اس نے فوج کی مدد اور اپنے آہنی ہاتھ استعمال کر کے ملک کو اسلحے سے پاک کرنے کے لیے بے رحمانہ آپریشن کیا تھا۔ چپہ چپہ کھود کر اسلحہ برآمد کیا تھا۔ سرحدیں اس طرح سیل کی تھیں کہ ایک پستول بھی اندر نہیں آ سکتا تھا۔ سب سے مشکل کام مذہبی جنونیوں اور فرقہ پرستوں کو غیر مسلح کرنا تھا۔ جنرل سعید ملک اسلام کے نام پر بلیک میل نہیں ہوا تھا۔ اس نے مذہبی تنظیموں کے دفاتر' مراکز اور مدارس پر چھاپے مار کر اسلحہ برآمد کیا تھا۔ کڑا فوجی پہرہ لگا دیا تھا۔ ایمان علی کے خلاف فتوے جاری

کرنے والی فیکٹریاں جنرل سعید ملک کے خلاف فتویٰ جاری نہیں کر سکی تھیں۔ سخت گیری کے ساتھ بوڑھے جنرل کی مذہب سے گہری عقیدت پورے ملک میں مشہور تھی۔

ایمان علی نے جنرل سعید ملک کے مشورے پر دینی مدرسوں کو سرکاری تحویل میں لیا تو ملک میں طوفان آ گیا تھا۔ دوستوں نے پھر سمجھانے کی کوشش کی تھی' آہستہ آہستہ' لیکن ایمان علی کو جنرل سعید ملک پر بھروسہ تھا۔ جنرل نے روسی فوجوں کے خلاف افغان مجاہدین کی جنگ کے دوران اسلامی گروپوں کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور ریٹائر ہونے کے بعد بھی ان سے تعلق رکھا تھا۔ اسے پتا تھا دینی مدرسوں اور مراکز کو قومی کرنٹ میں شامل نہ کیا تو وہ جہادی تنظیموں کو روبوٹ فراہم کرنے والی فیکٹریاں بن کر رہ جائیں گے۔ ان سے پڑھ کر نکلنے والے محض چندوں پر پلنے والے پیش امام بنیں گے یا فرقہ پرستی کا ایندھن۔ جنرل سعید ملک پورے ایمانی جذبے سے کام کر رہا تھا۔ اسے ایمان علی کی مکمل تائید حاصل تھی جس نے مخالفت کی ہر لہر سختی سے کچل دی تھی۔ ایمان علی نے جنرل سعید ملک کے مشورے پر مدرسوں کے نصاب میں دینی تعلیم کے ساتھ دوسرے علوم بھی داخل کر دیے تھے تاکہ اسلامی تعلیم حاصل کرنے والے دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کی اہلیت حاصل کر سکیں۔ دینی مدرسوں میں جب پہلی بار کمپیوٹر آیا تو اسے کفر کا شیطانی کارخانہ سمجھا گیا۔ شاگردوں نے ہاتھ لگانا گناہ سمجھا تھا' لیکن جب اسکرین پر قرآنی آیات ابھرتے دیکھیں تو آہستہ آہستہ قریب آ گئے اور نئے عہد سے اپنا رشتہ جوڑنے لگے۔

جاگیرداری کا عفریت دنیا سے تقریباً نصف صدی پہلے ناپید ہو گیا تھا۔ اس کی نسل صرف پاکستان جیسے پس ماندہ معاشرے میں پھل پھول رہی تھی۔ ایمان علی نے اس بھینسے کو بھی دونوں سینگوں سے پکڑ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دی تھیں۔ بھینسے نے بہت پاؤں چلائے تھے' پھنکاریں ماری تھیں' لیکن اسے لے جا کر اس کے باڑے میں بند کر دیا گیا تھا۔ پاکستان کو ایسی زرعی اصلاحات کی ضرورت تھی جو صرف قانون کی کتابوں میں نہ رہیں۔

زراعت کے شعبے میں انقلابی تبدیلیوں کے بغیر ترقی کا تصور بھی محال تھا۔ آبادی کی اکثریت زرعی معیشت سے منسلک تھی، برآمدات کا سارا دارومدار زراعت پر تھا، آبادی کے بڑھتے ہوئے دیو کے لیے اجناس کی ضرورت تھی، لیکن پورا زرعی شعبہ اٹھارہویں انیسویں صدی کے فیوڈل عہد میں سو رہا تھا۔ جگانے کے لیے زور زور سے جھٹکے دینے پڑے تھے۔

ایمان علی نے زمین داری مکمل طور پر ختم کر کے تمام زرعی زمینوں پر حکومتی قبضے کی تجویز رد کر دی تھی۔ یہ انتہائی قدم اٹھانے کے لیے ضروری ڈھانچہ موجود نہیں تھا۔ اس انقلابی عمل سے جو افراتفری پیدا ہوتی اور جو بھونچال آتا اس کے اثرات بہت دیر تک رہتے اور مطلوبہ نتائج حاصل ہونے میں کئی سال لگتے۔ ایمان علی کو فوری نتائج درکار تھے۔ ایمان علی کی اصلاحات کسی انقلاب سے کم نہیں تھیں۔ ذاتی اور خاندانی ملکیت محدود کر دی گئی تھی۔ مقررہ حد سے زائد زمینیں بلا معاوضہ لے لی گئی تھیں۔ غیر آباد یا اچھے اصولوں کے تحت کاشت نہ کی جانے والی زمینیں حکومت کی تحویل میں لینے کا قانون بنا دیا گیا تھا۔ غیر حاضر زمیندار کا حقِ ملکیت برقرار رکھا گیا تھا لیکن زمینیں پٹے پر دینے کا نظام ختم کر کے ان کی زمینیں حکومت نے لے لی تھیں۔ حکومت کی تحویل میں لی جانے والی زمینیں بے زمین ہاریوں میں تقسیم کی جا رہی تھیں یا انھیں کاشت کرنے کے لیے دے دی گئی تھیں۔ غیر آباد زمینوں پر بھی ہریالی اگنے لگی تھی۔ بٹائی کا اختیار زمین دار کے پاس نہیں تھا جو فصل اگاتا تھا وہی حصہ بھی دیتا تھا۔

کسانوں کی مدد کے لیے کوآپریٹوز قائم کر دی گئی تھیں۔ کوآپریٹوز زرعی کالجوں کے پڑھے ہوئے نوجوانوں، زرعی ماہرین، ہاریوں، کاشت کاروں، زمین داروں اور حکومت کے نمائندوں پر مشتمل تھیں۔ ایمان علی نے چین سے مدد کی درخواست کی تھی۔ ان کے ماہرین اور رضا کار پاکستان آ کر کوآپریٹوز کا نظام اور ڈھانچہ بنانے میں مدد دے رہے تھے۔ کوآپریٹوز نے سرکاری قبضے میں لی گئی زمینیں کسانوں میں تقسیم کرنے کا انتظام سنبھال لیا تھا۔ کوآپریٹوز کسانوں کو بیج اور کھاد حاصل کرنے، فصلوں کو بازار تک پہنچانے اور آمدنی کا حساب کتاب

رکھنے میں مدد کرتیں، ٹریکٹر اور دوسری مشینری کے استعمال کرنے کی تربیت دیتیں اور پانی کی تقسیم کے نظام کی نگرانی کرتیں۔

زرعی آمدنی پر ٹیکس لگا دیا گیا تھا۔ کم آمدنی پر کم اور زیادہ آمدنی پر زیادہ شرح سے۔ زرعی آمدنی چھپانے کا مطلب تھا فصل اچھی نہیں ہوسکی، جس کا مطلب تھا کاشت کاری کے طریقوں میں خرابی ہے۔ ایسی زمینیں کوآپریٹوز کی تحویل میں دینے کا قانون تھا۔ زمین دار ٹیکس چوری کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ زرعی ٹیکس سے ہونے والی آمدنی کا ایک چوتھائی کوآپریٹوز کے اور ایک چوتھائی اس علاقے کے ترقیاتی کاموں کے لیے وقف تھا جہاں سے ٹیکس وصول ہوتا جبکہ نصف حکومت کے خزانے میں جمع ہو جاتا۔

ایمان علی کا خیال تھا اصلاحات کے نفاذ کا پہلا سال ہنگاموں کا اور دوسرا سال تجربات سے سیکھنے کا ہوگا، تیسرے سال میں نیا زرعی نظام مستحکم ہو جائے گا اور چوتھے سال میں نتائج سامنے آئیں گے۔ نتائج تیسرے سال میں سامنے آ گئے۔ کوآپریٹیوز کا تجربہ کامیاب رہا تھا، کسانوں میں کاشت کاری کے مشینی طریقے مقبول ہو رہے تھے۔ فصلیں اچھی ہوئی تھیں۔ ٹیکس بھی مقررہ ہدف سے زیادہ وصول ہوا تھا۔ بڑی وجہ اصلاحات کا سختی سے نفاذ تھا۔ پرانی اصلاحات میں بھی کوئی خرابی نہیں تھی، لیکن وہ ان حکومتوں نے نافذ کی تھیں جن پر جاگیرداروں کا غلبہ تھا، اس لیے وہ عملاً نافذ نہ ہوسکیں۔ ایمان علی کے دور میں جاگیرداروں کے پاس سیاسی اور ریاستی طاقت نہیں رہی تھی۔ نوکر شاہی کے پاس اب ان سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ کرم قریشی نے دیہی علاقوں میں ایسے اہل کار مقرر کیے تھے جن کا جاگیر داروں سے کوئی ناتا نہیں تھا۔ ان پر کڑی نگاہ رکھی گئی تھی۔ پٹواری، مختار کار اور تحصیل دار کوآپریٹیوز کے تابع کر دیے گئے تھے۔ سب جانتے تھے کہ ایمان علی رعایت کرنا نہیں جانتا تھا۔ سب کو اپنی ملازمتیں پیاری تھیں۔

۱۹۹۲ء کا جبری مشقت کے خاتمے کا ایکٹ سختی کے ساتھ نافذ کیا گیا تھا۔ زمین داروں

نے ہاریوں کو جو قرضے دے رکھے تھے وہ ایک قانون کے ذریعے سود سمیت معاف کر دیے گئے تھے۔ ہیومن رائٹس کمیشن کے رضا کار پولیس کی مدد سے جاگیرداروں کی نجی جیلوں اور خرکار کیمپوں پر چھاپے مار کر ہاریوں کو آزاد کرا رہے تھے۔ انھیں آزاد ہی نہیں' کوآپریٹیوز کی اسکیموں میں آباد بھی کیا جا رہا تھا۔ انھیں قید رکھنے والے جیلوں میں تھے اور ان پر مقدمے قائم کر دیے گئے تھے۔ زمین داروں نے عدالتوں میں درخواستیں دائر کر دی تھیں۔ ڈاکوؤں کی سرپرستی کر کے لوٹ مار شروع کرا دی تھی۔ ہاریوں کو باندھے رکھنے کے لیے دھونس' دھاندلی اور پیری مریدی کا سہارا لیا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایمان علی سے رشتے قائم کرنے کی کوشش ہو رہی تھی۔ سفارشیں لے جا کر گڑگڑایا جا رہا تھا کہ ان کے ساتھ بے انصافی ہوئی ہے۔ ایمان علی نے کہا تھا ہاریوں کے ساتھ برسوں سے جو ناانصافیاں ہوئی ہیں' قرضوں کی معافی ان کا بہت معمولی معاوضہ ہے۔ انھیں شکایت تھی کہ ان سے بلا معاوضہ زمینیں لے کر انھیں مفلس بنایا جا رہا ہے۔ ایمان علی نے کہا تھا پانچ سو زمین داروں کے غریب ہونے سے پانچ لاکھ ہاری خوش حال ہوتے ہیں تو یہ برا سودا نہیں ہے۔

ایمان علی نے جاگیرداروں کی مدافعت سختی سے کچل دی تھی۔ جنگلوں میں گھس کر ایک ایک ڈاکو کا تعاقب کیا تھا۔ زمین داروں کے خلاف ہاریوں کا جوش انتقام بھی قابو میں رکھا تھا اور ان کا ابال اچھی فصلیں اگانے کی طرف موڑ دیا تھا۔ فلک پیر نے جاگیرداروں کے جرگے کیے تھے' انھیں سمجھایا تھا کہ وہ اصلاحات کا عمل قبول کر کے اس کا حصہ بن جائیں نہیں تو اٹھارویں صدی کے شکستہ حال مغل جاگیرداروں کی طرح اپنی حویلیوں کے ملبوں پر گریبان تار تار کیے بیٹھے ماضی کی بوسیدہ روایتوں کا نوحہ پڑھ رہے ہوں گے۔ فلک پیر نے انھیں ڈرایا تھا کہ وہ نہ مانے تو ایمان علی ان سے ان کی باقی بچی ہوئی زمینیں بھی چھین لے گا۔ جاگیرداروں کی مدافعت جلد ہی دم توڑ گئی تھی۔

ایمان علی کو تین سال کے لیے حکومت ملی تھی۔ مسائل ایسے نہیں تھے کہ تین برسوں میں

حل ہو جاتے۔توڑ پھوڑ کر کے ملبہ جمع کرنے میں نصف صدی لگی تھی۔اسے تین برسوں میں سمیٹنا آسان نہیں تھا۔ایمان علی نے لیپا پوتی کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔وہ بنیادیں ٹھیک کر کے اداروں کی تعمیرِ نو کر رہا تھا۔مشکلات کے باوجود تین سالوں میں نئے پاکستان کا صاف ستھرا سا ڈھانچہ نظر آنے لگا تھا' جیسے قلعی کیا ہوا اجلا چمک دار برتن۔اجڑا ہوا چمن آرائش کے بعد ایک مزیّن باغ بننے لگا تھا۔ایمان علی کو پتا تھا باغ کی تزئین قائم رکھنے کے لیے ایک نئے پائے دار نظام کی ضرورت ہے۔نیا سیاسی ڈھانچہ بنا کر منظور کرانے اور نئے سیاسی نظام کے تحت انتخابات کرانے کے لیے سپریم کورٹ نے مزید چھ مہینوں کی مہلت دی تھی۔سیاسی ڈھانچہ تیار تھا' تین مہینوں کے اندر اس پر عوامی ریفرنڈم کرا کر اگلے تین مہینوں میں نئے سیاسی ڈھانچے کے تحت انتخابات منعقد ہونا تھے۔ایمان علی اور اس کے ساتھیوں نے طے کیا تھا کہ وہ انتخابات سے پہلے مستعفی ہو جائیں گے۔حکومت چیف جسٹس کے حوالے کر دی جائے گی جو فوج کی مدد سے انتخابات منعقد کرائیں گے۔ایمان علی اپنا دامن دھاندلی' جانب داری اور انتخابات میں حکومتی مشینری استعمال کرنے کی تہمتوں سے صاف رکھنا چاہتا تھا۔وہ جانتا تھا اس نے جن مفادات پر ضرب لگائی ہے وہ پوری طاقت کے ساتھ اس کے خلاف انتخاب لڑیں گے۔وہ بھی حکومت چھوڑ کر ساری توانائیاں انتخاب پر صرف کر دینا چاہتا تھا۔وہ نامزد نہیں' منتخب حکم ران بننا چاہتا تھا۔

آئینی اور قانونی ماہرین نے نیا سیاسی ڈھانچہ بند کمروں میں بیٹھ کر نہیں بنایا تھا۔نیا ڈھانچہ بنانے کے عمل میں عوام کو براہ راست شریک کیا گیا تھا۔ایمان علی نے بند پڑی ہوئی قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے دروازے کھول کر انھیں کھلی کچہریوں میں بدل دیا تھا۔شام کے دو گھنٹے عوامی سیشن کے لیے مخصوص تھے۔سب کو شرکت کی اجازت اور اظہار خیال کی آزادی تھی۔نیا سیاسی ڈھانچہ بنانے والے ماہرین کی کمیٹی کا کم از کم ایک رکن ہر سیشن میں شریک ہوتا اور وہی اجلاس کا نظم و نسق برقرار رکھنے کا ذمہ دار ہوتا۔پاکستان میں اس طرح کی کھلی جمہوریت

کی روایت نہیں تھی' اس لیے شروع میں ہنگامہ آرائیاں ہوئیں۔ سیاسی جماعتوں نے اسٹیج پر قبضے کیے' پورا اجلاس اغوا کرلیا۔ جو غیر سنجیدہ اور تفریح باز تھے' ہلڑ مچا کر خوش ہوتے رہے۔ صبر و تحمل کی کمی اور بحث کو جھگڑنے میں بدلنے کی عادتیں معقولیت کی راہ میں رکاوٹ تھیں۔ رکاوٹیں آہستہ آہستہ دور ہوئیں' سخت سے سخت بات کہنے اور اختلاف کرنے والا قابل تعزیر نہیں تھا لیکن کارروائی میں رخنے ڈالنے اور جسمانی یا مالی نقصان پہنچانے والے پولیس کے حوالے کردیے جاتے۔ قومی اور چاروں صوبائی اسمبلیوں میں ہونے والے اجلاس ہفتے کے ساتوں دن چھ مہینوں تک جاری رہے۔ لوگ آہستہ آہستہ عادی ہو گئے تھے۔ سب کو یقین ہو گیا تھا کہ انھیں اپنی بات کہنے کا موقع ملے گا۔ ان کی بات سنی جائے گی۔ شروع شروع کا ابال اور سیاسی عمل نہ ہونے سے جمع ہونے والی بھاپ نکل گئی اور بے چینی دور ہوگئی تو عوامی جلسوں میں نظم و نسق بحال ہو گیا تھا۔ ہنگامے کرنے والے روز روز کی پولیس' حوالات' سزاؤں اور جرمانوں سے تنگ آ کر الگ ہوئے تو ہنگاموں کے ڈر سے الگ تھلگ رہنے والے سنجیدہ لوگ شریک ہو کر اپنی رائے دینے لگے تھے۔ معقولیت راہ پا رہی تھی۔

ایمان علی کی بنائی ہوئی آئینی کمیٹی میں گلے سڑے پرانے نظام کے وہ محافظ نہیں لیے گئے تھے جو حکم رانوں کے مفادات کے مطابق آئین اور قوانین ڈھالنے میں کمال رکھتے تھے۔ کمیٹی میں اعلیٰ عدالتوں کے سابق جج' الیکشن کمیشن کے کئی سابق چیئرمین' سابق وزرائے قانون اور سپریم کورٹ میں وکالت کرنے والے ممتاز بیرسٹر شامل تھے۔ وہ آئینی معاملات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انھوں نے سیاسی ڈھانچے بنتے اور ٹوٹتے دیکھے تھے۔ وہ اس نظام کی کمزوریوں سے واقف تھے۔ چھ مہینوں کے دوران عوامی مشاورت کے عمل سے جو تجربہ حاصل ہوا تھا وہ بھی انمول تھا۔ وہ عدالتوں کے اعلیٰ ایوانوں میں پیچیدہ قانونی گتھیوں کو سلجھانے والے لوگ تھے' لیکن اسمبلیوں میں ہونے والی عوامی کچہریوں میں عوام نے جس سادگی سے سیاسی نظام کی خامیوں کی نشاندہی کی تھی اور جو سیدھے سادے حل پیش کیے تھے اس نے ان کی

نگاہوں کے زاویے بدل دیے تھے۔ نیا سیاسی ڈھانچہ بنانے والوں کو یقین تھا کہ ان کے بنائے ہوئے سیاسی ڈھانچے کو عوام کی اکثریت قبول کر لے گی۔

ایمان علی تین سال سے ایک با اختیار صدر کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا' اس لیے سب کا خیال تھا نئے سیاسی ڈھانچے کے ذریعے صدارتی نظام رائج کیا جائے گا۔ نئے سیاسی ڈھانچے میں پارلیمانی نظام حکومت برقرار رکھا گیا تھا لیکن بھارتی پارلیمانی جمہوریت کی مثال رد کر دی گئی تھی۔ ان کا خیال تھا بھارت نے نو آبادیاتی آقاؤں کی پارلیمانی جمہوریت کا جو چربہ اٹھایا تھا وہ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ توازنِ اقتدار بدل گیا تھا' ہندوستان کی مرکزیت علاقائیت کی نالیوں میں بہہ رہی تھی۔ اقتدار کی مصلحتوں کی وجہ سے قومی سطح کی پالیسیاں بھی چھوٹے اقلیتی گروپوں کے مفادات کی بھینٹ چڑھ رہی تھیں۔ ایک ارب کی آبادی کا غریب ملک بار بار ہونے والے انتخابات اپنے وسائل پر ضائع کر رہا تھا۔ ماہرین کا خیال تھا پاکستان میں جمہوریت کو مستحکم کرنے کے لیے پرانے سیاسی ڈھانچے کو جھاڑ پونچھ کر صاف کر کے نئی حقیقتوں کے تابع کرنا ضروری تھا۔

اسمبلیوں کی مدت چار سال مقرر کر دی گئی تھی۔ سیاسی جماعتیں کڑے قوانین کے تابع کر دی گئی تھیں۔ انھیں اپنے چندوں' چندہ دینے والوں اور اخراجات کا حساب رکھنا ضروری تھا۔ الیکشن کمیشن کی آڈٹ ٹیمیں ان کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال کر سکتی تھیں۔ سیاسی جماعت کی حیثیت سے رجسٹریشن کرانے اور سیاسی جماعت کی حیثیت سے انتخاب لڑنے کے لیے ضروری تھا کہ پارٹی کے کم از کم ایک ہزار باضابطہ ارکان ہوں۔ ہر دو سال بعد پارٹی کے انتخابات ہونا ضروری تھے۔ ملک کے انتخابات میں پارٹی کا ٹکٹ اسی امیدوار کو مل سکتا تھا جسے اپنے حلقے کے پارٹی اراکین کی اکثریت حاصل ہو اور جو کم از کم ایک سال سے پارٹی کا رکن ہو۔ آزاد حیثیت سے انتخاب لڑنے والے امیدواروں کی نامزدگی کے لیے حلقے کے کم از کم ایک فیصد ووٹروں کی تائید ضروری تھی۔ ہر امیدوار کے لیے لازمی تھا کہ وہ اپنے حلقے میں پچھلے

ایک سال سے رہتا ہو۔ انتخابی اخراجات کی حد مقرر تھی۔ الیکشن کمیشن آڈٹ ٹیمیں جانچ پڑتال کر سکتی تھیں۔ خلاف ورزی کی صورت میں نشست سے محروم ہونے کے علاوہ آئندہ انتخابات میں حصہ لینے پر پابندی لگ سکتی تھی۔ اپنا حلقۂ انتخاب چھوڑ کر دوسری جگہ سکونت اختیار کرنے اور پارٹی بدلنے کی صورت میں رکنیت ختم ہو سکتی تھی۔ ایک امیدوار صرف ایک نشست کے لیے انتخاب لڑ سکتا تھا۔

ووٹ دینا لازمی قرار دے دیا گیا تھا۔ ووٹ نہ دینے والوں کے لیے جرمانے کی سزا تھی۔ صرف کسی مجبوری یا ناگزیر وجہ سے ووٹ نہ دے سکنے والے جرمانے سے مستثنیٰ تھے۔ لازمی ووٹ کے مسئلے پر بہت بحث ہوئی تھی۔ یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ پاکستان جیسی گنجان آبادی والے ملک میں جہاں تعلیم کی شرح بہت کم ہے' لازمی ووٹ کے قانون کا اطلاق مشکل ہوگا۔ لازمی ووٹ کی تجویز پیش کرنے والوں نے کہا تھا انتخاب سے قبل ووٹ دینے کا شعور پیدا کرنے کے لیے مہم چلا کر' ووٹنگ کے طریقے کو سادہ اور زیادہ پولنگ سٹیشن قائم کر کے اور ووٹنگ کا وقت بڑھا کر مشکلات کم کی جا سکتی ہیں۔ جرمانے کا خوف بھی لوگوں کو ووٹ دینے پر آمادہ کرے گا۔ ایک دو انتخابات کے بعد لوگ عادی ہو جائیں گے۔ ماہرین کا خیال تھا انتخابی عمل میں سب کی شرکت ضروری ہے۔ اس طرح منتخب ہونے والی حکومت زیادہ مستحکم ہوگی۔ اسے یہ اعتماد ہوگا کہ وہ پچاس فیصد سے کم ووٹوں سے منتخب ہونے والی اقلیتی حکومت نہیں بلکہ اسے عوام کی اکثریت کی تائید حاصل ہے۔

صدر ملک کا آئینی سربراہ تھا' اسے انتخابی عمل سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا۔ صدر نامزد کرنے کا حق وزیراعظم کے پاس تھا جس کی تصدیق سینٹ سے حاصل کرنا ضروری تھی۔ صدر صرف اعلیٰ عدالتوں کے کسی موجودہ یا ایسے سابق جج کو چنا جا سکتا تھا جس کا کسی سیاسی جماعت سے تعلق نہ رہا ہو۔ آئین کی حفاظت کرنا صدر کی ذمہ داری تھی۔ اس کے خیال میں اسمبلیاں ایسا قانون بنا رہی ہیں جو آئین سے متصادم ہے یا حکومت تنبیہ کے باوجود حدود سے تجاوز کر رہی

ہے تو وہ سپریم کورٹ کو ریفرنس بھیج سکتا تھا۔ سپریم کورٹ کے ججوں کی اکثریت صدر کی رائے سے اتفاق کرے تو حکومت اور اسمبلی توڑ کر نئے انتخابات کرائے جا سکتے تھے۔ یہی ڈھانچہ صوبوں کے لیے بھی طے کیا گیا تھا جہاں وزیراعلیٰ کو اپنے صوبے سے تعلق رکھنے والے کسی موجودہ یا سابق جج کو گورنر مقرر کرنے کا حق تھا۔

ایمان علی کو یقین تھا نئے سیاسی ڈھانچے سے پاکستان کی جمہوریت مستحکم ہو جائے گی۔ وہ ماہرین سے متفق تھا کہ سیاسی جماعتوں میں جمہوریت لائے اور انھیں کڑے ضابطوں کا پابند کیے بغیر صحت مند جمہوری روایات نہیں پنپ سکیں گی۔ شخصیتوں کو اوتار سمجھنا ایشیائی نفسیات کا حصہ تھا، لیکن پارٹی میں کارکنوں کی طاقت بڑھا کر پارٹی کے اندر شخصی آمریت کے رجحانات کم کیے جا سکتے تھے۔ نئے سیاسی ڈھانچے میں مشروم کی طرح اگنے والی ایسی جماعتوں کی روک تھام بھی کر دی گئی تھی جو کارکنوں کے بغیر صرف اخباری بیانات کے ذریعے زندہ تھیں۔ ایمان علی نے اصلاحات کو آئین کا حصہ بنانے کے لیے ریفرنڈم میں شامل کر دیا تھا تاکہ آنے والی کوئی اور حکومت انھیں تبدیل نہ کر سکے۔ آئین میں ترمیم صرف ریفرنڈم ہی کے ذریعے ممکن تھی۔

ایمان علی کو انتخابات میں اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ اس کی اصلاحات نے ملک پر اچھا تاثر چھوڑا تھا۔ لوگ خوش تھے۔ خوش نہ ہونے والوں کی تعداد کم تھی۔ ناراض وہی تھے جن کے سیاسی عزائم، معاشی مفادات اور نسلی ورثوں کو نقصان پہنچا تھا۔ انھوں نے جو شورشیں برپا کی تھیں انھیں دبا دیا گیا تھا، لیکن یہ اندرونی طوفان تھے۔ ایمان علی نے ابھی ان طاقتوں کی مخالفت کا مزا نہیں چکھا تھا جن کے سامنے اقتدار اعلیٰ سرنگوں اور حکمران گھٹنوں کے بل کھڑے رہا کرتے تھے۔ اس چیلنج کا سامنا کرنا ابھی باقی تھا۔

8

نیویارک

ساحل نئے پاکستان کی سوچوں سے نکل کر دوبارہ چرچ سنٹر کی تیسری منزل کے ہال میں آ گیا۔ نئے پاکستان کے اس سفر میں اس نے شاید دس منٹ گزارے تھے۔ اس عرصے میں تکریم کی تقریر جاری تھی۔ اس کی باتوں میں ربط تھا۔ کبھی کبھی اپنی بات پر زور دینے کے لیے سر کو ذرا سا ٹیڑھا کر کے ہلاتی تو ساحل کے دل کی دنیا میں زلزلہ آ جاتا۔ اس کے رخساروں پر شفق کا بسیرا تھا۔ رخساروں کی ہڈیاں ذرا ابھری ہوئی تھیں جن کی وجہ سے بات کرتے ہوئے اس کے گالوں میں گڑھے پڑ جاتے تھے۔ ساحل ان گڑھوں کو بھرنے کی کوئی رومانی ترکیب سوچنے لگا۔ وہ بالوں کی ان لٹوں کے لیے بھی کچھ کرنا چاہتا تھا جو سر کی جنبشوں کے ساتھ بار بار تکریم کے ماتھے پر آ جاتیں۔ آگے کی صف میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے جماہی کے ساتھ

روح اللہ: اللہ کی ''روح''

انسانی روح کے اللہ کے ساتھ ''دوبارہ مل جانے'' سے متعلق صوفی عقیدے کی حمایت قرآن کی کچھ آیات تک سے غلط طور پر اخذ کر لی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ

''پھر (اللہ نے) اُس (آدمؑ) کو درست کیا اور اُس میں اپنی (طرف سے) روح پھونکی۔''[1]

اور:

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي

''پھر جب اُس (آدمؑ) کو بناؤں اور اُس میں اپنی روح (میں سے) پھونک دوں۔''[2]

کو اس عقیدے کی حمایت میں استعمال کیا گیا ہے کہ ہر انسان کے اندر اللہ کا کچھ حصہ موجود ہے۔ یعنی اللہ کی اُس ''روح'' کا کچھ حصہ جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں پھونکا تھا' فرض کر لیا گیا کہ تمام اولادِ آدم کو وراثت میں ملا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال بھی دی جاتی ہے جن کی والدہ کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ

''اور وہ خاتون (مریمؑ کو بھی یاد کرو) جس نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اُس میں اپنی روح پھونک دی اور اُس کو اور اُس کے بیٹے کو اہلِ عالم کے لئے نشانی بنا دیا۔''[3]

چنانچہ صوفی لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ خدائی لافانی روح جو انسان کے اندر موجود ہے اپنی

---

[1] سورۃ السجدہ ۳۲:۹ اور ۳۸:۷۲۔

[2] سورۃ الحجر ۱۵:۲۹ اور سورۃ ص ۳۸:۷۲

[3] سورۃ الانبیاء ۲۱:۹۱ اور سورۃ التحریم ۶۶:۱۲

اصل سے دوبارہ متحد ہونے کے لئے بے قرار رہتی ہے جہاں سے یہ آئی تھی۔ تاہم حقیقت یہ نہیں ہے، انگریزی کی طرح عربی میں ملکیت کے اسم ضمیر (میرا، تمہارا، اُس کا، ہمارا) کے دو عام معنی ہوتے ہیں جن کا مطلب اُن کے استعمال پر مبنی ہے۔ یہ کسی بھی ایسی صفت یا ملکیت کو بیان کرتے ہیں جو اُس کے مالک کی ذات کا حصہ ہو یا نہ ہو۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا:

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ

''اپنا ہاتھ اپنی قمیص کے اندر ڈالو، یہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا۔''[1]

اس میں 'ہاتھ' اور 'قمیص' دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملکیت تھیں لیکن اُن کا ہاتھ وہ ملکیت تھی جو اُن کے جسم کا حصہ تھا، جب کہ اُن کی قمیص وہ ملکیت تھی جو اُن کے جسم کا حصہ نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اُس کی تخلیق کے بارے میں بھی یہی صورت حال ہے۔[2] مثلاً اللہ کی رحمت کے بارے میں کہا گیا ہے:

وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِۦ مَن يَشَآءُ

''اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے۔''[3]

اللہ جل شانہٗ کی رحمت اُس کی صفات میں سے ایک ہے اور یہ اُس کی تخلیق کا حصہ نہیں ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ بعض اوقات تخلیق کی ہوئی چیزوں کو ''اپنی'' بیان کرتا ہے یہ تاکید کرنے کے لئے کہ وہ ہی اُن کا خالق ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ اوروں کو اللہ تعالیٰ نے ''اپنا'' کہا ہے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اُن کا اللہ کی نظر میں ایک خاص عزت والا مقام ہے۔ مثال کے طور پر اُس اونٹنی کے حوالے سے جسے اللہ نے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے لوگوں کے امتحان کے لئے بھیجا تھا جن کو ثمود کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صالح علیہ السلام کے الفاظ بیان فرمائے:

---

[1] سورہ طٰہٰ ۲۰:۲۲

[2] 'تیسیر العزیز الحمید' صفحہ ۸۴-۸۵

[3] سورہ البقرہ ۲:۱۰۵

هَٰذِهِۦ نَاقَةُ ٱللَّهِ لَكُمْ ءَايَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِىٓ أَرْضِ ٱللَّهِ

''یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے اللہ کی نشانی ہے تم اسے (آزاد) چھوڑ دو' اللہ کی زمین میں چرتی پھرے۔''[1]

یہ اونٹنی معجزانہ طور پر اہل ثمود کی طرف نشانی کے طور پر بھیجی گئی تھی جن کو اس کے چرنے سے منع کرنے کا کوئی حق نہ تھا کیونکہ ساری زمین اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ خانہ کعبہ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو حکم فرمایا تھا:

أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ

''یہ کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کریں۔''[2]

اسی طرح جنت کے متعلق متقیوں سے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔''[3]

جہاں تک روح کا تعلق ہے یہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ ۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

''اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں' کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کا ایک امر ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔''[4]

قرآن پاک میں کسی اور جگہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے:

---

[1] سورۃ الاعراف ۷:۷۳

[2] سورۃ البقرۃ ۲:۱۲۵

[3] سورۃ الفجر ۸۹:۳۰

[4] سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۸۵

إِذَا قَضَىٰٓ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ

''جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔''[1]

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

خَلَقَهُۥ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ

''اُس نے (پہلے) مٹی سے اُس (آدمؑ) کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔''[2]

تخلیق کے تمام عمل میں اللہ جل شانہٗ کا حکم ''ہو جا'' کارفرما ہے۔ اس لئے روح بھی اللہ کے حکم کے تحت تخلیق کی گئی ہے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کو بغیر جسم والی روح نہیں تصور کیا جاتا جیسا کہ بعض مذاہب جیسے عیسائیت میں کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نہ تو کوئی مادی جسم ہے اور نہ وہ بے شکل روح ہے۔ اُس کی ہیئت اُس کے شایانِ شان ہے' جس سے مشابہ نہ انسان نے کبھی کچھ دیکھا اور نہ تصور کیا' اور جسے صرف جنتی لوگ دیکھیں گے (اپنی فانی حدود میں رہتے ہوئے)۔[3] لہٰذا جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اُس نے اپنے پاس سے روح پیغمبروں آدم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام میں پھونک دی تو اس کا مطلب ہے کہ اُن کی تخلیق شدہ روحوں کو خاص عزت کا مقام دیا گیا ہے' کیونکہ آدم علیہ السلام کو تمام انسانوں کے مقابلے میں امتیازی حیثیت حاصل ہے' اور حضرت مریم علیہا السلام کے کنوارپن میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر جو لوگوں میں شکوک پیدا ہوئے اُن کو رفع کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا روح پھونکنے کے عمل کو اپنی طرف نسبت دینا بھی اُس کی مرضی اور اعلیٰ قوت کی وضاحت ہے' ورنہ حقیقت میں انسانوں میں روح داخل کرنا یا روح نکالنا فرشتوں کا کام ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اس حدیث مبارک میں اس حقیقت کی شہادت ملتی ہے جس میں اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً تمہاری تخلیق تمہاری ماں کے رحم میں چالیس دن کے لئے تیل کی طرح کے سیال مادے کی حالت میں

---

1 سورہ آل عمران ۳:۴۷

2 سورہ آل عمران ۳:۵۹

3 اس نکتے پر مزید تفصیل کے لئے ''اللہ کا دیدار'' والا باب اس کتاب میں دیکھئے صفحہ ۱۴۶

متحرک ہو جاتی ہے، پھر اتنے ہی عرصہ کے لئے ایک جونک جیسے جمے ہوئے مادے کی صورت میں، اور پھر اگلے اتنے ہی عرصے کے لئے گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں ہوتی ہے۔ پھر ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اُس میں روح پھونک دیتا ہے۔''[1] اس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہر انسان میں اپنے فرشتوں میں سے ایک کے ذریعے روح داخل کرتا ہے۔ یہ کہنا کہ 'اللہ نے روح پھونکی' اصل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں تاکید ہے کہ مخلوق میں جو کچھ ظہور پذیر ہوتا ہے اُس کا اصل بنیادی سبب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ

''اللہ ہی نے پیدا کیا ہے تم کو اور جو کچھ تم کرتے ہو۔''[2]

جنگ بدر شروع ہونے سے ذرا پہلے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سینکڑوں گز دور دشمن کی صفوں پر مٹھی بھر مٹی پھینکی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مٹی کے کچھ ذروں کو معجزانہ طور پر تمام دشمنوں کی آنکھوں میں ڈال دیا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کے متعلق یوں فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ رَمَىٰ

''اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جس وقت تُو نے پھینکا تھا تو وہ تُو نے نہیں پھینکا تھا بلکہ اللہ نے پھینکا تھا۔''[3]

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جب کسی خاص روح کو اپنے آپ سے منسوب فرمایا تو اللہ نے دوسری تخلیق کردہ روحوں کے مقابلے میں خاص طور پر اُس کی عزت افزائی فرمائی نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ایک روح ہے اور اُس کا کچھ حصہ اُس نے حضرت آدم علیہ السلام اور کچھ حصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں پھونک دیا تھا۔ اس نکتے کی مزید تاکید اِس سے ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت مریم علیہا

---

[1] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔انگریزی' جلد ۴' صفحہ ۲۹۰۔۲۹۱' نمبر ۴۳۰) اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۴' صفحہ ۱۳۹۱' نمبر ۶۳۹۰)

[2] سورہ الصّٰفّٰت ۳۷:۹۶

[3] سورہ الانفال ۸:۱۷

السلام کواطلاع دینے کے لئے جوفرشتہ بھیجا تھا اُس کو ''اپنی روح'' فرمایا:

فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا

''(اُس وقت) ہم نے اُس کی طرف اپنی روح بھیجی (اپنا فرشتہ بھیجا) جو اُس کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل میں ظاہر ہوئی (ہوا)۔''[1]

قرآن مکمل اور جامع ہے' اس کی آیات خود ہی اپنا مطلب بیان کر دیتی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور اعمال اس کے مطالب کی مزید وضاحت کر دیتے ہیں۔ جب آیات کو سیاق وسباق سے علیحدہ کر دیا جائے تو قرآن کے مطالب کو آسانی سے مسخ کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ الماعون کی چوتھی آیت ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ

''پس نماز پڑھنے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔''

اس آیت کا اپنے طور پر مطلب باقی قرآن اور اسلام کی بالکل ضد ہے۔ نماز کو تو قرآن مجید میں ہر جگہ فرض قرار دیا گیا ہے' مثلاً اللہ سبحانہ' وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِي وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكْرِيٓ

''بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر۔''[2]

پھر بھی گزشتہ آیت میں نماز پڑھنے والوں پر لعنت کی گئی ہے! حقیقت میں اِس کے بعد آنے والی آیات اصل مدعا کی وضاحت کرتی ہیں:

ٱلَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ٱلَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ وَيَمْنَعُونَ ٱلْمَاعُونَ

''وہ لوگ جو اپنی نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں' جو ریاکاری کرتے ہیں اور معمولی معمولی مہربانی بھی نہیں کرتے

---

[1] سورہ مریم ۱۹:۱۷

[2] سورہ طٰہٰ ۲۰:۱۴

(برتنے کی چیزیں عاریتاً نہیں دیتے)۔[1]

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی لعنت اُن نماز پڑھنے والوں پر ہے جو منافق ہیں، جو ایمان کا ڈھونگ رچاتے ہیں نہ کہ سب نماز پڑھنے والوں پر۔

اُس آیت کا جس میں فرمایا گیا ہے: ''پھر اللہ نے اُس کی (آدم علیہ السلام کی) تکمیل کی اور اُس میں اپنی (طرف سے) روح پھونک دی'' زیادہ مناسب ترجمہ یُوں ہوگا کہ ''پھر اللہ نے اُس کی تکمیل کی اور اپنی (قابل احترام) روحوں میں سے ایک کو اُس کے اندر داخل کر دیا۔'' لہٰذا صوفیوں کے اس عقیدے کی الہامی کتابوں میں کوئی بنیاد موجود نہیں ہے کہ انسانی روح اپنے اصلی منبع 'خدا' کے ساتھ دوبارہ ملنے کو بیتاب رہتی ہے۔ اسلام میں انسان کے حوالے سے عربی لفظ ''روح'' (جمع ''ارواح'') اور ''نفس'' (جمع ''انفس'') میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ جب یہ جسم کے ساتھ متحد ہوتی ہے تو اس کو عام طور پر نفس کہا جاتا ہے۔[2]

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا

''اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت اُن کی روحیں (انفس) قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں (اُن کی روحیں) سوتے میں (قبض کر لیتا ہے)۔''[3]

اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یقیناً جب روح نکال لی جاتی ہے تو نگاہیں اُسے دیکھتی رہ جاتی ہیں۔''[4]

کامیاب روحوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نیک روحوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

---

[1] سورہ الماعون ۱۰۷: ۵۔۷

[2] 'العقیدۃ الطحاویہ' صفحہ ۳۹۴

[3] سورہ الزمر ۳۹: ۴۲

[4] جمع کیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۴۳۷' نمبر ۲۰۰۵)

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي

"اے اطمینان پانے والی روح (نفس) اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل' تو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تُو میرے (ممتاز) بندوں میں داخل ہو جا' اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔"[1]

چنانچہ آخر کار نیک انسانی روح اللہ تعالیٰ میں بُجھ کر فنا نہیں ہو جائے گی اور نہ اُس اعلیٰ ہستی سے متحد ہو جائے گی' بلکہ ایک فانی روح ہی رہے گی جو اپنے فانی جسم کے ساتھ دوبارہ متحد ہو کر جنت کے مزے لے گی' جب تک اللہ جل شانہٗ چاہے گا۔

---

[1] سورہ الفجر ۸۹:۲۷-۳۰

گیارھواں باب

قبر پرستی

انسانی تاریخ کے بیشتر حصے میں مُردوں کی تعظیم وتکریم میں دفنانے کی تفصیلی رسوم، مزیّن مقبرے، سجائی ہوئی قبریں، گزرے ہوؤں کی یاد اور مدح سرائی میں منائے جانے والے میلوں اور تقریبات نے مذہب میں بہت گمراہی اور اُلجھاؤ پیدا کیا ہے۔ اِس کے نتیجے میں دنیا میں بہت سے لوگ کسی نہ کسی قسم کی قبر پرستی میں مبتلا ہوئے ہیں۔ درحقیقت چین کے زیادہ تر لوگوں، جو دنیا کی آبادی کا چوتھا یا تیسرا حصہ ہیں، کا مذہب آباواجداد کی پرستش ہے۔ اُن کی بیشتر مذہبی رسومات قبروں سے منسلک ہیں اور آباواجداد کی نمائندہ چیزوں کی پرستش ہیں[1]۔ ہندووں، بدھوں اور عیسائیوں کے نیک لوگوں کی قبریں، مزار اور درگاہیں بن گئی ہیں، جہاں عبادت کی رسومات مثلاً دعائیں، قربانی اور یاترائیں بڑے پیمانے پر کی جاتی ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان حکمران اور عوام اسلامی عقائد کے بنیادی اصولوں سے دور ہوکر بھٹک گئے اور اپنے اِردگرد کی غیر مسلم بت پُرست قوموں کے افعال کی نقل کرنے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبروں پر بڑے بڑے عالیشان مقبرے تعمیر کئے گئے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر، اور بڑے فقیہوں جیسے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی قبروں پر، اور ''صوفی ولی'' کا لقب دیئے گئے بزرگوں جیسے حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی قبروں پر۔

---

[1] آباواجداد کی عزت وتکریم (Pai Tsu) چینی مذہب اور روایتی چینی سوسائٹی کے قدیم ترین، مستقل اور بااثر موضوعات میں سے ایک ہے۔ اُن کے اعتقادات کے مطابق مرے ہوئے بزرگوں کی 'ہن' (انفرادی روح) اور 'Po' (مجموعی روح) اپنی بقا اور خوشی کے لئے ورثاء کی طرف سے پیش کی گئی دولت، خوشبو، خوراک اور مشروبات پر انحصار کرتی ہیں۔ اس کے بدلے میں 'ہُن روح' ایک جن (Shen) کی طرح اُس خاندان کے لئے اپنے مافوق الفطرت تعلقات کی بنا پر بہت سے فائدے حاصل کرتی ہے۔ عام لوگوں کے لئے ایسے تعلقات تین سے پانچ پشتوں تک قائم رہتے ہیں۔ اُس کے بعد نئی روحیں اُن کی جگہ لے لیتی ہیں۔ (Ancestor Cult Chinese' ڈکشنری آف ریلیجنز' صفحہ ۳۸)

زمانۂ قریب میں مزار بنانے کی اس روایت میں سماجی تحریکوں کے رہنماؤں کی قبروں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جیسے بانئ پاکستان محمد علی جناح اور محمد احمد سوڈان کا نام نہاد مہدی۔ آج کل بہت سے ناسمجھ مسلمان ان مزاروں پر طواف کی مذہبی رسوم ادا کرنے کے لئے لمبے لمبے سفر طے کرتے ہیں، حتیٰ کہ کچھ لوگ اُن کے اندر جا کر اور کچھ باہر سے دعائیں مانگتے ہیں اور کچھ اور لوگ بڑی پارسائی سے اپنے ساتھ قربانی کے لئے جانور بھی لے کر آتے ہیں اور ان قابل اعتراض مقامات پر قربانی کی رسم ادا کرتے ہیں۔ اُن لوگوں میں سے جو مزارات پر عبادت کی رسوم ادا کرتے ہیں زیادہ تر لوگ یہ باطل عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ فوت شدہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہیں کہ ان کے قریب عبادت کے افعال کی ادائیگی میں کسی اور جگہ عبادت کے مقابلے میں اللہ کی طرف سے قبولیت کا زیادہ احتمال ہے، یعنی چونکہ یہ متوفی بزرگ تو متبرک ہیں اس لئے ہر وہ چیز جو ان کے قریب ہے وہ بھی لازمی طور پر متبرک ہوگئی ہے۔ اُن کے مزار میں بلکہ اُس زمین میں بھی جس پر وہ تعمیر کئے گئے ہیں ضرور اُن کی چھلکتی ہوئی زائد برکت سرایت کئے ہوئے ہوگی۔ اس عقیدے کی وجہ سے قبر پرست اکثر قبروں کی دیواروں پر ہاتھ پھیر کر اپنے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہیں تاکہ زائد برکت حاصل ہو جائے۔ اکثر وہ لوگ قبروں کے قریب کی زمین سے مٹی اُٹھا لیتے ہیں، اس بے بنیاد عقیدے کے تحت کہ اُن دفن شدہ بزرگوں کی برکت کی بدولت اس مٹی میں بیماروں کے لئے شفا کی خاص قوت ہے۔ کچھ شیعہ فرقوں کے بہت سے لوگ کربلا، جہاں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تھے، کی مٹی لے کر اس کی چھوٹی چھوٹی ٹکیاں بنا کر پکا لیتے ہیں اور نماز پڑھتے وقت اُن پر سجدہ کرتے ہیں۔

فوت شدہ لوگوں سے دعائیں مانگنا

قبر پرستی میں مبتلا لوگ فوت شدہ لوگوں سے ان دو طریقوں سے دعائیں مانگتے ہیں:

۱۔ کچھ لوگ فوت شدہ لوگوں کو سفارش کرنے والوں کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اُن

سے اسی طرح دعائیں مانگتے ہیں جس طرح کیتھولک عیسائی اپنے پادریوں سے اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے کرتے ہیں اور پادری اُن کے لئے اللہ سے معافی کی دعا مانگتے ہیں۔ اس طرح پادری' لوگوں اور اللہ کے درمیان واسطے کا کام کرتے ہیں۔

قبل از اسلام عرب لوگ بھی اپنے بتوں سے اسی قسم کا کام لیتے تھے۔ اُن کے بتوں کو جس مقصد کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بت پرست عربوں کی زبان میں فرمایا ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى اللّٰهِ زُلْفَىٓ

''نہیں عبادت کرتے ہم اُن کی مگر اس غرض سے کہ پہنچا دیں وہ ہمیں قریب اللہ کے۔''[1]

مسلمانوں میں سے کچھ قبر پرست' مردہ لوگوں سے درخواست کرتے ہیں کہ اُن کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیں تا کہ وہ اُن کی حاجات پوری کرے۔ اُن کا یہ طریقہ اُن کے اس عقیدے پر مبنی ہے کہ بہ نسبت اُن کے اپنے آپ کے' نیک متوفی لوگ نہ صرف اللہ کے نزدیک ہیں بلکہ موت کے بعد بھی وہ کسی بھی آدمی کی دعا سننے کے اہل ہیں اور اُس کو پورا کرنے کے مختار بھی! اس طرح مُردہ لوگ سفارشی بُت بن جاتے ہیں جو زندہ لوگوں پر عنایتیں کرنے کے اہل ہیں۔

۲۔ بعض دوسرے لوگ' فوت شدہ لوگوں سے براہ راست مدد کے لئے دعا مانگتے ہیں' اُن سے اپنے گناہوں کی معافی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اس طرح کرنے سے وہ مردہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی صفت 'اَلتَّوَّابُ' وہ اکیلا توبہ قبول کرنے والا' منسوب کرتے ہیں' اور 'اَلْغَفُوْرُ' وہ جو واحد معاف کرنے والا ہے' کی صفت بھی۔ اُن کے طریقے میں اور عیسائیوں میں کیتھولک فرقے کے طریقے میں بہت زیادہ مماثلت ہے جو اپنی روزمرہ کی ضروریات کے لئے مخصوص سینٹوں کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے تو تھیبس (Thebes) کے سینٹ اینتھونی

---

[1] سورہ الزمر ۳۹:۳

سے اُس کو ڈھونڈ نکالنے میں مدد کی دعا کی جاتی ہے۔[1] اسی طرح جوڈ تھیڈ ایئس ناممکنات کا سرپرست سینٹ مانا جاتا ہے اور اُس سے ناقابل علاج بیماری میں' غیر متوقع شادی وغیرہ میں سفارش کے لئے دعا کی جاتی ہے۔[2] جب کوئی سفر پر روانہ ہونے لگتا ہے تو مسافروں کے سرپرست سینٹ کرسٹوفر سے اُس کی حفاظت کے لئے دعا کی جاتی تھی لیکن ۱۹۶۹ء میں پوپ کے فیصلے سے اُس کا نام سینٹوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا' جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ فرضی تھا۔[3] اس زمرے میں سب ہی عیسائی شامل ہیں کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مجسّم خدا مانتے ہیں۔ زیادہ تر عیسائی خُدا کے بجائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہی دعا مانگتے ہیں۔ ساری دنیا میں بہت سے ناسمجھ مسلمان ہیں جو اسی طریقے سے نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں مانگتے ہیں۔

یہ دونوں طریقے اسلام کی تعلیمات میں مکمل طور پر رد کئے گئے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات میں ہے کہ جو کوئی مرتا ہے وہ اُن حدود میں داخل ہو جاتا ہے جسے ''برزخ'' کہتے ہیں جس سے اُس کے تمام اعمال بند ہو جاتے ہیں۔ وہ زندہ لوگوں کے لئے کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوتا گو اُس کے اعمال کے نتائج زندہ لوگوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں' جن کی وجہ سے اُسے جزا یا سزا ملتی رہتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب انسان مرتا ہے تو اُس کے (نیک) اعمال اختتام کو پہنچ جاتے ہیں سوائے ان تین قسم کے کاموں کے' وہ خیرات جو اُس نے صدقہ جاریہ کے طور پر دی ہو' وہ علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے اور وہ نیک اولاد جو اُس کی بخشش کے لئے دعا مانگتی ہو۔''[4] پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی کوشش سے لوگوں کو یہ سمجھایا تھا کہ وہ خود (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اس زندگی میں کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے خواہ کوئی اُن کا کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ

---

[1] 'دی ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا' (شکاگو: ورلڈ بک انکارپوریٹڈ ۱۹۸۷) جلد ا' صفحہ ۵۰۹

[2] ایضاً جلد ا' صفحہ ۱۴۶

[3] ایضاً جلد ۳' صفحہ ۴۱۷

[4] [illegible] لیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۸۶۷' نمبر ۴۰۰۵)

وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اُمتیوں کو یہ بتا دیں:

قُل لَّآ أَمۡلِكُ لِنَفۡسِي نَفۡعٗا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُۚ وَلَوۡ كُنتُ أَعۡلَمُ ٱلۡغَيۡبَ لَٱسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ ٱلۡخَيۡرِ وَمَا مَسَّنِيَ ٱلسُّوٓءُۚ إِنۡ أَنَا۠ إِلَّا نَذِيرٞ وَبَشِيرٞ لِّقَوۡمٖ يُؤۡمِنُونَ ٥

''کہہ دو کہ نہیں اختیار رکھتا میں اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع کا یا کسی نقصان کو روکنے کا مگر یہ کہ چاہے اللہ۔ اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو ضرور حاصل کر لیتا میں بہت سے فائدے اور نہ پہنچتا مجھے کبھی کوئی نقصان۔ نہیں ہوں میں مگر خبردار کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں۔''[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت اُتری کہ ''اپنے نزدیک ترین رشتہ داروں کو خبردار کیجئے''[2] تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے قریش کے لوگو! اللہ سے اپنی نجات مانگو (نیک عمل کر کے) میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اے عبدالمطلب کے بیٹو! میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ اے (چچا) عباسؓ ابن عبدالمطلب! اے (پھوپھی) صفیہؓ! میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ اے فاطمہؓ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی! تم جو چاہے مجھ سے مانگو مگر اللہ کے مقابلے میں تمہارے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔''[3]

ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے ہوئے اس فقرے پر بات ختم کی: ''یہ اللہ کی مرضی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی۔'' اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اُن کو ٹوکا اور فرمایا: ''کیا تم مجھے اللہ کے برابر بنا رہے ہو؟ صرف یہ کہو یہ صرف اکیلے اللہ کی مرضی ہے۔''[4] اللہ

---

[1] سورہ الاعراف ۷:۱۸۸

[2] سورہ الشعراء ۲۶:۲۱۴

[3] جمع کیا مسلم نے اور البخاری نے۔ دیکھئے صحیح مسلم انگریزی ترجمہ' جلد ۱ صفحہ ۱۳۶' نمبر ۴۰۲ اور صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۴' صفحہ ۸-۹-۴' نمبر ۷۲۷ اور ۷۲۸

[4] جمع کیا احمد نے۔

کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرنے کی اس واضح مخالفت کے باوجود بہت سے مسلمان نہ صرف ایسا کرتے ہیں بلکہ ولیوں کے پورے نظام سے بھی دعا کرتے ہیں۔ یہ بدعتی طریقہ بعض صوفیوں کے اس دعوے کی بنا پر ہے کہ یہ کائناتی نظام ایک مقررہ تعداد میں متعین ولیوں، جنہیں رجال الغیب (نظر نہ آنے والی دنیا کے لوگ) کہتے ہیں، کی بدولت قائم ہے۔ اِن میں سے جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اُس کی جگہ فوراً اُس کے متبادل سے پُر کر دی جاتی ہے۔ اس نظام کی سب سے بڑی آسامی پر جو فائز ہے اُسے غوث (مصیبت میں مدد کرنے والا) یا قطب (صوفی دنیا کا محور) کہتے ہیں۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۶۶ء) کو عموماً ''الغوث الاعظم (غوث اعظم)، سب سے بڑا مدد کرنے والا'' کہا جاتا ہے، اور مصیبت کے وقت بہت سے لوگ مدد کے لئے اُنہیں پکارتے ہیں اور چلّا چلّا کر کہتے ہیں ''یا عبدالقادر اغثنی (اے عبدالقادر! مجھ کو بچا لے)۔'' ایسے غیر مبہم شرک کے نعرے عام ہیں اگرچہ باعمل مسلمان اپنی نمازوں میں ہر روز کم سے کم ہی سترہ دفعہ یہ آیت دہراتے ہیں۔ ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ'' (یا اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔''

فوت شدہ لوگوں سے دعا مانگنے کے یہ دونوں طریقے شرک کا گناہ عظیم ہیں، جس کی اسلام سختی سے مخالفت کرتا ہے، پھر بھی دونوں طریقے آج کل کے بہت سے مسلمانوں کے مذہبی عوامل میں کسی نہ کسی شکل میں داخل ہو گئے ہیں۔ ایسا کرنے سے وہ غیر ارادی طور پر اللہ تعالیٰ کے اس ڈرانے والے قول کی سچائی کی تصدیق کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُم بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ

''اور نہیں ایمان رکھتے اُن میں سے اکثر اللہ پر، مگر وہ شرک کرتے ہیں۔''[1]

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ کی بھی جو حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ''تم لوگ اپنے سے پہلے زمانے کے لوگوں کے اعمال کی نقل کرو گے، اِنچ بہ اِنچ اور گز بہ گز، یہاں تک کہ اگر وہ چھپکلی کے سوراخ میں گھس جائیں تو تم بھی اُن کے پیچھے گھس جاؤ گے۔'' جب

[1] سورہ یوسف ۱۲:۱۰۶

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہود ونصاریٰ سے ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ''اگر وہ نہیں تو پھر کون؟'' [1]

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آخری گھڑی اُس وقت تک نہیں آئے گی جب تک میری قوم میں سے کچھ گروہ بتوں کو پوجنا نہ شروع کردیں۔'' [2] اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آخری گھڑی اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک دوس قبیلے کی عورتیں اَلْخَلَشَابُت [3] کے مندر کے گرد کولھے نہیں مٹکائیں گی۔'' [4] اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی نقطہ نظر سے دین' اُس کے آغاز اور اُس کے تاریخی نشوونما کی واضح اور شفاف سمجھ ہو۔ ایسا کرنے کے بعد ہی اِن عوامل کو اُن کے صحیح سیاق وسباق میں سمجھا جا سکتا ہے اور ان پر اسلامی فیصلہ واضح ہوسکتا ہے۔

مذہب کے اِرتقاء کا نمونہ

ڈارون کے ارتقاء کے نظریے سے متاثر ہوکر بہت سے معاشرتی سائنسدانوں اور علم الانسان کے ماہروں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مذہب کا آغاز ابتدائی انسان کا کائنات اور خدا کو ایک سمجھتے ہوئے قدرتی طاقتوں کی پرستش کرنے سے ہوا۔ [5] ان کے کہنے کے مطابق قدیم انسان زیادہ انقلابات حیات اور تباہ کن قدرتی طاقتوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا جیسے بجلی کی چمک' گرج' آتش فشاں پہاڑ' زلزلے وغیرہ جن کو وہ مافوق الفطرت ہستیاں سمجھا۔ اس لئے انسان نے اِن کو

---

[1] جمع کیا البخاری نے ('صحیح البخاری' عربی۔انگریزی' جلد۹' صفحہ۳۱۴۔۳۱۵' نمبر۴۲۲) اور مسلم نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۴' صفحہ۱۴۰۳' نمبر ۶۴۴۸)

[2] ابوداؤد ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد۳' صفحہ۱۱۸۰۔۱۱۸۱' نمبر۴۲۳۹) ابن ماجہؒ اور الترمذیؒ۔

[3] ابن اثیر' 'النہایہ فی غریب الحدیث والاثر' (بیروت: المکتبہ الاسلامیہ ۱۹۶۳) جلد۱' صفحہ۶۴

[4] جمع کیا البخاری اور مسلمؒ نے۔ دیکھئے 'صحیح البخاری' عربی۔انگریزی' جلد۹' صفحہ۱۷۸' نمبر۲۳۲ اور 'صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۴' صفحہ ۱۵۰۶' نمبر۶۹۴۴

[5] ڈیوڈ ہیوم (۱۷۱۱۔۱۷۷۶ء) نے تامس ہابز (۱۵۸۸۔۱۶۷۹ء) کی تقلید میں یہ نظریہ قائم کیا 'نیچرل ہسٹری آف ریلیجن' ۱۷۵۷ء ('ڈکشنری آف ریلیجن' صفحہ۲۵۸)

خوش کرنے کے طریقے سوچنا شروع کر دیئے' بالکل اسی طرح جیسے وہ اپنے بزرگوں یا اپنے سے زیادہ طاقتور قبیلوں سے مدد مانگتا تھا۔ خیال کیا گیا کہ اس طرح ابتدائی پرستش کی رسومات جیسے دعا اور قربانی کو فروغ حاصل ہوا۔ شمالی امریکہ کے انڈین لوگوں کو جو دریاؤں اور جنگلوں وغیرہ کی بدروحوں پر یقین رکھتے ہیں مذہب کے ارتقاء کے اس ابتدائی دور کی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جس کو بے جان چیزوں میں روح کے موجود ہونے کے اعتقاد والا مذہب کہتے ہیں[1]۔ اس مرحلے میں' اُن کے دعوے کے مطابق' ہر فرد کے ذاتی دیوتاؤں کا گروہ ہوتا تھا۔ جب خاندان بڑے ہوتے گئے تو ذاتی دیوتاؤں کی جگہ خاندانی دیوتاؤں نے لے لی۔ اس مرحلے کی مثال ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننے والے ہندوؤں کی دی جاتی ہے جہاں ہر خاندان کا اپنا ذاتی دیوتا ہوتا ہے۔ معاشی ضروریات اور زندہ رہنے کے لئے جدوجہد کے باعث آخر کار خاندانی رابطوں میں وسعت آئی اور اس طرح قبیلے وجود میں آ گئے۔ پرانے خاندانی دیوتاؤں کی جگہ آہستہ آہستہ قبیلے کے دیوتاؤں نے لے لی اور ہر نئی آنے والی نسل میں قبیلے بڑے سے بڑے ہوتے گئے اور بتوں کی تعداد کم سے کم ہوتی گئی۔ بالآخر خیر وشر کے دیوتا کا فلسفہ سامنے آیا جس میں تمام مافوق الفطرت قوتیں صرف دو دیوتاؤں میں مرکوز کر دی گئیں' ایک خیر کا دیوتا اور دوسرا شر کا دیوتا۔ ارتقائی فلسفیوں کے مطابق اس مرحلے کی مثال فارس کے زرتشتیوں کے مذہب میں ملتی ہے۔ فارس کے "مصلح" زرتشت (یونانی میں زوروسٹر) کے ظہور سے پہلے' خیال کیا جاتا ہے کہ فارس کے لوگوں کا کائناتی بدروحوں' قبیلے کے دیوتاؤں اور خاندانی دیوتاؤں پر عقیدہ تھا۔ علم الانسان کے عالموں نے جو شواہد حاصل کئے اور اُن کی تشریح کی' اُس کے مطابق زرتشت کے زمانے میں قبیلے کے دیوتاؤں کی تعداد کم کر کے صرف دو کر دی گئی تھی' آہورامزدا' جو اُن کے مطابق دنیا میں تمام خیر کا خالق ہے' اور آنگرامینیو جو تمام شر کا خالق ہے[2]۔ جب قبیلوں سے قومیں وجود میں آئیں تو قبیلوں کے دیوتاؤں کے بجائے قومی خدا وجود میں آیا' اور فرض کیا گیا کہ اس طرح ایک خدا کا تصور ظہور میں آ گیا۔

---

[1] 'ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلیجن' صفحہ ۱۶' ۱۹۳

[2] 'ڈکشنری آف ریلیجنز' صفحہ ۳۱ اور ۴۲

یہودیوں کا خدا' جیسا کہ عہد نامہ قدیم میں ہے' قومی خدا ہے جو اُن کی جانب سے اُن کے دشمنوں سے لڑتا ہے۔ اسی لئے بنی اسرائیل کو اُس خدا کے پسندیدہ بچے کہا جاتا ہے۔ چودھویں صدی قبل مسیح کے مصری حکمران اخناتین جسے آمینھوتپ چہارم بھی کہا جاتا ہے' کو بھی مذہب کے ارتقائی تصوّر کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ ایک وقت جب مصر میں لوگ ایک سے زیادہ خداؤں کو مانتے تھے اُس نے ایک خدا کی پرستش کو رواج دیا جسے ''را'' کہا جاتا تھا اور جسے اُس نے سورج کی گول تھالی کی علامت میں پیش کیا۔[1]

اِس طرح معاشرتی سائنسدانوں اور علم الانسان کے ماہروں کے مطابق مذہب کی کوئی آسمانی بنیاد نہیں ہے۔ یہ محض شروع کے انسان کے سائنس کا علم نہ ہونے کی بنا پر توہمات کے ارتقاء کی ضمنی پیداوار ہے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ سائنس آخر کار قدرت کے تمام راز آشکار کرنے کے قابل ہو جائے گی اور اُس وقت' اُن کا مفروضہ ہے' مذہب باقی نہیں رہے گا۔

مذہب کے تنزل کا نمونہ

اسلام میں مذہب کا تصوّر اور اِس کی نشو ونما پہلے بیان کئے گئے نقطہ نظر کا بالکل برعکس ہے' یہ تو تنزل اور اصلاح کا عمل ہے نہ کہ ارتقاء کا۔ انسان کا آغاز ایک اللہ کی عبادت کرنے والے سے ہوا' لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہ کئی خداؤں کو ماننے کی مختلف صورتوں میں بھٹک گیا۔ کبھی تو خیر و شر کے دو خداؤں کو ماننے لگا' کبھی تین یا زیادہ خداؤں کو' اور کبھی کائنات اور خدا کو ایک اکائی سمجھتے ہوئے وحدت الوجود کو ماننے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے ہر قبیلے اور ہر قوم کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے تاکہ وہ اُنہیں واپس ایک اللہ کی عبادت کے سیدھے راستے پر لے آئیں۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہ پھر بھٹک گئے اور پیغمبروں کی تعلیم کو یا تو تبدیل کر دیا گیا یا ضائع کر دیا گیا۔ اس بات کا ثبوت اس حقیقت سے ملتا ہے کہ وہ سب قدیم وحشی کہلائے جانے والے قبیلے جواب تک دریافت ہوئے ہیں ایک رب الاعلیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔ ارتقائی فلسفے کے مطابق اُن کے

---

[1] 'ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلیجن' صفحہ ۱۴۳

مذہب کی ارتقائی حالت خواہ کسی بھی منزل میں ہو' زیادہ تر وہ قبیلے ایک ہی عظیم خدا کو باقی تمام دیوتاؤں اور روحوں سے اعلیٰ مانتے ہیں۔ ''اتزمنا'' (Itzamna) جو وسطی امریکہ کے ''میان'' [1] (Mayans) لوگوں کے مذہب کا خالقِ کائنات ہے' سے لے کر ''نگیوو'' (Ngewo) تک جو سیرالیون مینڈے [2] کا خالق کائنات وارواح ہے اور ہندومت میں ''برہما'' غیر مجسم مطلق العنان کائناتی روح [3] سے ''مردوک'' (Marduk) یعنی پرانے بابل شہر کے دیوتا اور بڑے مندر کے عظیم خدا' [4] تک سب میں رب عظیم صاف نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ خیر وشر کے دو خداؤں کا عقیدہ رکھنے والے زرتشتیوں میں بھی ''آ ہورامزدا'' جو خیر کا خدا مانا جاتا ہے ''انگرامنیو' سے بڑا ہے' اور اُن کے عقیدے کے مطابق فیصلے کا دن وہ ہوگا جب آ ہورامزدا' انگرامنیو کو شکست دے دے گا! لہٰذا آ ہورامزدا دراصل اُن کا بڑا خدا ہے۔ [5] ارتقائی نمونے کے مطابق یہ نہیں ہوسکتا' کیونکہ قیاس یہ کیا گیا کہ ایک عظیم خدا میں اعتقاد بہت سے خداؤں کی محدود ہوتی ہوئی تعداد سے پیدا ہوا اور اس طرح اس عقیدے کا بے جان چیزوں میں روح کی موجودگی کے عقیدے کے ساتھ یکجا ہونا ممکن نہیں۔ بہرحال ایک بڑے خدا کے تصور کا زیادہ تر مذاہب میں باقی رہنا اس بات کی شہادت ہے کہ لوگ ایک خدا کی پرستش کی اُس تعلیم سے جو پیغمبروں کے ذریعے دی گئی تھی' بھٹک کر اللہ کے کچھ اوصاف مخلوق میں سے بعض کو دینے لگے جن کو بعض معاملوں میں کم درجے کے خدا اور بعض میں خدا کے حضور سفارش کرنے والے بنالیا۔

مذہب میں تنزل کے نمونے کے درست ہونے کا ایک اور ثبوت اُس تاریخی تبدیلی میں ملتا ہے جو یہودیت میں ایک خدا کے ماننے والوں کی عیسائیت میں بہت سے خداؤں کے ماننے والوں میں تبدیل ہونے سے واقع ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سکھلائی ہوئی وحدانیت پہلے تو

---

[1] 'ڈکشنری آف ریلیجنز' صفحہ ۹۳

[2] ایضاً' صفحہ ۲۱۰

[3] ایضاً صفحہ ۶۸

[4] ایضاً صفحہ ۲۰۴

[5] ایضاً صفحہ ۲۸

تنزل پذیر ہو کر دو خداؤں کو ماننے کے عقیدے میں تبدیل ہوئی' جس میں لوگوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدائی باپ نہیں تھے بلکہ تخلیق کیے گئے خدائی بیٹا تھے۔ یونانیوں میں بھی یہی صورت حال تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو 'لوگوس' کی طرح سمجھنے لگے' جس کا ذکر انیکسا غورث سے لے کر ارسطو تک کے فلسفیوں کے نظریے میں ملتا ہے۔[1] بعد میں یہ عقیدہ اور بھی تنزل پذیر ہو کر رومیوں میں تین خداؤں کو ماننے والا عقیدہ بنا جنہوں نے تثلیث کے تصور کی سرکاری طور پر منظوری دے دی۔[2] آخرکار یہ مزید تنزل پذیر ہو کر رومن کیتھولک چرچ میں مکمل طور پر بہت سے خداؤں کو ماننے والا عقیدہ بنا' جب حضرت مریم علیہا السلام اور دیگر بہت سے نام نہاد سینٹوں کو اللہ کے حضور سفارش کرنے والوں اور مصیبتوں سے بچانے والوں کی طاقتیں منسوب کی گئیں۔ اسی طرح اگر ہم اسلام کے خالص اور آخری پیغام کو دیکھیں جیسا کہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اور اُس کا موازنہ آج کل کے بہت سے مسلمانوں کے عقیدوں سے کریں تو معلوم ہوگا کہ یہاں بھی عقائد اور اعمال میں تنزل ہوا ہے۔ اسلام کے ابتدا کی خالص ایک اللہ کی عبادت والی وحدانیت' وقت گزرنے کے ساتھ زوال کا شکار ہوگئی ہے۔ مختلف فرقے جو پیدا ہو گئے ہیں اُن میں اللہ کی صفات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو' اہل بیت کو اور اُن پرہیزگار اور ناپرہیزگار افراد کو دے دی گئی ہیں جنہیں بعد کی نسلوں میں ولی نامزد کیا گیا۔

ڈارون کے نظریہ ارتقائے حیات کے مطابق موجودہ زمانے کے سب جاندار ایک خُلیے والے 'امیبا' کی طرح کے جاندار سے ارتقاء کر کے بنے ہیں۔ پہلے سادہ جاندار بنے جو زندگی کی بقاء کی جدوجہد کی وجہ سے بتدریج زیادہ پیچیدہ حالت کے بنتے گئے۔ اگر اس نظریے کو براہ راست مذاہب کی نمو پر منطبق کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ نظریہ دراصل مذہب میں انحطاط کے نمونے کی حمایت کرتا ہے' جس کے تحت مذہب کا آغاز وحدانیت کی سادہ ترین شکل میں ہوا مگر

---

[1] ان فلسفیوں کے مطابق ''ناؤس'' کائنات کا غیر مادی محرک اصول تھا جب کہ ''لوگوس'' اس کا مادی ظہور تھا۔ ('ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلیجن' صفحہ ۳۱۴)

[2] تثلیث کا آخرکار قابل قبول ضابطہ جسے Cappadocians نے تیار کیا تھا اور قسطنطنیہ کی رومن کونسل نے ۳۸۱ء میں منظور کیا' کے مطابق خدا ایک ہے جو بیرونی طور پر تین شخصیتوں میں رہتا ہے' باپ' بیٹا اور مقدس روح (ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلیجن' صفحہ ۵۸۶)

وقت کے ساتھ اِس کی سادگی ختم ہوتی گئی اور یہ تیزی سے بڑھتی ہوئی بت پرستی کی پیچیدہ شکلیں اختیار کرتا گیا۔ مختلف سماجی اور معاشی حالات کے مطابق مختلف علاقوں میں دو خداؤں کا نظریہ' تین خداؤں کا نظریہ' بے شمار خداؤں کا نظریہ اور وحدت الوجود کا نظریہ پیدا ہو گئے۔

شرک کی ابتدا

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اَمر کو واضح تفصیل سے بیان فرمایا کہ حقیقت میں پہلے پہل بہت سے خداؤں کو ماننے کا عقیدہ انسانی زندگی میں کیسے داخل ہوا جب ایک اللہ کی عبادت جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی تھی کو طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سورہ نوح کی آیت نمبر ۲۳ کی تفسیر میں یہ صورتِ حال ہمارے لئے بیان کی ہے' جس میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ردِعمل اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے جب نوح علیہ السلام نے اُن کو صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی تھی:

وَقَالُو اَلَا تَذَرُنَّ ءَ الِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَ يَعُوقَ وَنَسرًا o

''اُنہوں نے ایک دوسرے سے کہا' اپنے خداؤں کو مت چھوڑو اور نہ چھوڑو ''وَد'' کو اور نہ ''سواع'' کو اور نہ ''یغوث'' اور ''یعوق'' اور ''نسر'' کو۔''

قرآن کریم کی اِس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بُت تھے جو زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ عربوں میں بھی پہنچ گئے۔ ''وَد'' کلب قبیلے کا خدا مانا جانے لگا جو دُوْمَۃُ الْجَنْدَل کے علاقے میں تھا۔ ''سواع'' کو حذیل کے قبیلے والوں نے اپنا خدا بنالیا۔ ''یَغُوث'' کو سبا کے قریب جرف میں غطیف کے قبیلے نے اپنا لیا۔ ''یعُوق'' کو قبیلہ حمدان والوں نے اپنا خدا بنا لیا اور ''نسر'' کو حمیر قبیلے کی ذوالکلا[1] شاخ نے اپنا خدا بنالیا۔ اِن سب بتوں کے نام حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں سے بعض نیک لوگوں

---

[1] یمن کا بادشاہ جو حمیری خاندان سے تھا (محمد ابن منظور' لسان العرب' بیروت: دار صادر' سن درج نہیں' جلد ۸' صفحہ ۳۱۲)

کے نام تھے۔ جب یہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو شیطان کے ورغلانے پر لوگوں نے بت بنا کر اُن کے نام ان بزرگوں کے نام پر رکھ دیئے۔ اِن بتوں کو لوگوں کی پسندیدہ ملنے جلنے کی جگہوں پر اس لئے رکھ دیا گیا تا کہ لوگ اُن کو دیکھ کر پرہیز گاری اور نیکی کو یاد رکھیں۔ اُس وقت اُس نسل کے لوگوں میں سے کوئی بھی اُن کی پرستش نہیں کرتا تھا۔ مگر جب یہ نسل فوت ہوگئی اور اُن بتوں کا مقصد لوگوں کو یاد نہ رہا (اُس وقت نئی نسل کے لوگوں کے پاس شیطان آیا اور اُن سے کہا کہ تمہارے آباو اجداد اِن بتوں کی پرستش کرتے تھے کیونکہ ان کی وجہ سے ہی بارش ہوتی ہے۔ وہ نئی نسل شیطان کے بہکاوے میں آ گئی اور اُن بتوں کی پرستش کرنے لگی۔) [۱] بعد میں آنے والی نسلیں ان کی پرستش کرتی چلی گئیں۔'' [۲]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس آیت کی تفسیر اس عمل کی واضح تصویر کشی کرتی ہے جس سے ہمارے آباو اجداد کے توحید پر مبنی ایمان میں بت پرستی داخل ہوئی اور ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننے کا نظریہ داخل ہوا۔ یہ تفسیر مذہب میں تنزل کے نمونے کی تصدیق بھی کرتی ہے اور آباو اجداد کی پرستش کے تاریخی آغاز کی شناخت بھی کراتی ہے' اور یہ بھی واضح کرتی ہے کہ اسلام میں انسانوں اور جانوروں کی شکلوں کی تصویریں اور مجسمے بنانے کی کیوں سختی سے ممانعت ہے۔ تصویریں اور عکس بنانے کی ممانعت اُن دس احکام الٰہی میں بھی شامل ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے اور عہد نامہ قدیم میں درج کئے گئے:

''تم اپنے لئے کندہ کر کے عکس نہیں بناؤ گے یا کسی ایسی چیز کی شبیہ جو اوپر آسمانوں میں پائی جاتی ہو یا زمین میں ہو یا جو زمین کے نیچے پانی میں ہو۔'' [۳]

شروع کی عیسائیت نے اس رویے کو قائم رکھا جب تک کہ یونانی اور رومی افکار کی یلغار نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو مکمل طور پر بگاڑ نہیں دیا۔ اس تبدیلی سے ہر طرف مجسمے

---

[۱] روایت کیا محمد ابن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور جمع کیا الطبریؒ نے۔

[۲] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ٦' صفحہ ۴۱۴۔۴۱۵' نمبر ۴۴۲)

[۳] Exodus 20:4

بنانے کی ایک دوڑ شروع ہوگئی جس میں شہیدوں' سینٹوں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں' حضرت مریم علیہا السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یہاں تک کہ خود خدا کی بھی صورت کشی کی گئی۔[1]

دوسری طرف نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو تصویریں اور مجسمے بناتے تھے اور اُن کو بھی جو نمائش کے لئے اُن کو لٹکائے رکھتے تھے' کہ اللہ تعالیٰ اگلی زندگی میں اُن کو بہت سخت سزا دے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: ''ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ اُس وقت میری الماری پر ایک اُونی کپڑے کا پردہ پڑا ہوا تھا جس پر پروں والے گھوڑوں کی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردے کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اے عائشہؓ جن کو روزِ محشر سب سے سخت سزا دی جائے گی وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے تخلیق کے کام میں اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اُن کو سزا بھی دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ یہ جو کچھ اُنہوں نے بنایا ہے اس میں جان بھی ڈالو۔' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: 'یقیناً فرشتے اُن گھروں میں داخل نہیں ہوتے جہاں تصویریں اور مجسمے موجود ہوں۔' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پھر فرمایا: ''پس ہم نے اُس پردے کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اُن ٹکڑوں سے ایک یا دو تکیے بنا لئے۔''[2]

صالحین کی حد سے زیادہ تعریف

حضرت نوح علیہ السلام کے لوگوں کے زمانے میں شرک کے رونما ہونے کا اُوپر بیان کیا

---

[1] نیسیا میں ہونے والی دوسری کونسل (۷۸۷ء) نے سرکاری طور پر اُن مجسموں کی توقیر وتکریم کی منظوری دے دی جو مجسم خدا کے عقیدے کو ماننے کی علامت کے طور پر بنائے گئے تھے۔ اُن کے مطابق خدائی لاگوس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں پورا انسان بن گیا تھا اس لئے اُن کی تصویر بنائی جاسکتی تھی۔ ('ڈکشنری آف ریلیجنز' صفحہ ۱۵۹)

[2] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۷' صفحہ ۵۴۲' نمبر ۸۳۸ اور صفحہ ۵۴۵۔۵۴۶' نمبر ۸۴۴) اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۳' صفحہ ۱۱۵۸' نمبر ۵۲۵۴)

گیا قصہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ صالح لوگوں کی حد سے زیادہ محبت اور تعریف نے ایک بنیاد فراہم کر دی جس پر بت پرستی قائم ہو سکتی تھی۔[1] بدھ مت اور عیسائیت میں گوتم بدھ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بُتوں کی پرستش نیک لوگوں کی حد سے زیادہ محبت اور تعریف کی بنا پر آج کل کی بُت پرستی کی واضح مثالیں ہیں۔ حد سے زیادہ تعریف کرنے میں موجود پوشیدہ خطرات کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور عام مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی تعریف ہونی چاہیے اُس سے بڑھ کر نہ کی جائے۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری بڑھا چڑھا کر تعریف نہ کیا کرو، جس طرح عیسائیوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے کی کی۔ یقیناً میں تو صرف ایک بندہ ہوں، تعریف کے بجائے مجھے عبداللہ (اللہ کا بندہ) اور اُس کا رسول کہا کرو۔''[2]

چونکہ اُس زمانے کے عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں یہ طریقہ رائج تھا کہ وہ اپنی عبادت گاہیں اُن قبروں پر بناتے تھے جہاں اُن کو پیغمبروں اور سینٹوں کے مدفون ہونے کا خیال ہوتا تھا، پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس عمل پر لعنت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں ایسا کرنے والوں پر بھی لعنت کی تاکہ یہ بالکل واضح کر دیا جائے کہ اسلام ایسے بت پرستانہ اعمال کا مکمل طور پر مخالف ہے، اور لوگوں کو صالح لوگوں کی حد سے زیادہ تعریف کرنے کے بڑے خطرے سے خبردار کر دیا جائے۔

ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا[3] نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ اُنھوں نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا تھا جس کی دیواروں پر تصویریں بنی

---

[1] 'تیکسیر العزیز الحمید' صفحہ ۳۱۱

[2] جمع کیا البخاریؒ اور مسلمؒ نے۔ دیکھیے 'صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۴' صفحہ ۴۳۵' نمبر ۶۵۴

[3] حضرت ام سلمہؓ کا پہلا نام ہند بنت ابی امیہ تھا اور وہ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپؓ نے اپنے خاوند ابوسلمہؓ کے ساتھ کفار قریش کی سختیوں سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی اور پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تو آپ دونوں مدینہ آ گئے۔ ہجرت کے چوتھے سال آپؓ کے خاوند فوت ہو گئے جس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ سے نکاح کر لیا۔ حضرت اُم سلمہؓ اپنے وقت کی بہت بڑی عالم خواتین میں سے تھیں۔ آپؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلامی شریعت کی تدریس کا سلسلہ اپنی وفات ۶۸۴ء (۶۲ھ) تک جاری رکھا۔ (ابن الجوزی 'صفۃ الصفوہ' قاہرہ: دار الوعی' پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء' جلد ۲' صفحہ ۴۰-۴۲)

ہوئی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اُن لوگوں میں سے جب کوئی صالح شخص فوت ہو جاتا ہے تو وہ لوگ اُس کی قبر پر عبادت خانہ بنا لیتے ہیں اور وہاں اُس قسم کی تصویریں بناتے ہیں۔ وہ لوگ اللہ کی نظر میں ساری مخلوق میں بدترین ہیں۔''[1]

یہ قابل غور بات ہے کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس گرجا کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس وقت کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستر مرگ پر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس کو تعمیر کرنے والوں کے متعلق یہ فرمانا کہ ''ایسے لوگ ساری مخلوق میں بدترین ہیں'' ظاہر کرتا ہے کہ اُن کے طریقے مسلمانوں کے لئے بغیر استثناء کے سختی سے منع ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں پر اتنی شدید لعنت فرمانے کی وجہ اس حقیقت کی بنا پر ہے کہ اُن کے اس عمل میں بت پرستی کی دو بڑی بنیادیں اکٹھی تھیں: (۱) قبروں سے روحانی فائدہ حاصل کرنا۔ (۲) تصویریں بنانا۔[2] یہ دونوں عمل آگے چل کر لازمی طور پر شرک کی طرف لے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کے بتوں والے قصے سے ظاہر ہے۔

قبروں کے متعلق پابندیاں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رخصت ہونے سے قبل جن باتوں کے خلاف آخری تنبیہات فرمائی تھیں اُن میں سے ایک قبروں کی پرستش تھی۔ یہ حقیقت ظاہر کرتی ہے کہ یہ عمل اُن کی اُمت کے لئے بہت بڑی آزمائش ثابت ہوگا۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو قبروں پر جانے سے ہی منع فرما دیا تھا اور جب تک مسلمانوں کا توحید (اللہ تعالیٰ کی وحدانیت) پر ایمان مضبوط نہیں ہوگیا تب تک یہ ممانعت قائم رہی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت کے مطابق فرمایا: ''میں تم کو قبروں پر جانے سے منع کیا کرتا تھا

---

[1] روایت کیا حضرت عائشہؓ نے اور جمع کیا البخاریؒ نے (صحیح البخاری' عربی۔انگریزی' جلد۱' صفحہ۲۵۱' نمبر۴۱۹ اور جلد۲' صفحہ۳۲۸' نمبر۴۲۶) اور مسلمؒ نے (صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۱' صفحہ۲۶۸' نمبر۱۰۷۶)

[2] ابن تیمیہؒ کا حوالہ درج ہے 'تیسیر العزیز الحمید' میں صفحہ۳۲۱

لیکن اب تم وہاں جایا کرو کیونکہ بے شک وہ آخرت کی زندگی کی یاد دلاتی ہیں۔"[1]

تاہم اس اجازت کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے کے لئے کچھ پابندیاں عائد کیں تاکہ آنے والی نسلوں میں یہ عمل بگڑ کر قبر پرستی نہ بن جائے:

(۱) قبر پرستی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لئے قبرستان میں روزمرّہ کی نماز پڑھنے سے مکمل طور پر منع فرمادیا گیا، خواہ نیت کچھ بھی ہو۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ساری زمین مسجد ہے سوائے قبرستانوں کے اور بیت الخلاؤں کے۔"[2] حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "گھروں کے اندر نماز پڑھا کرو، ان کو قبرستان نہ بناؤ۔"[3] گھر کے اندر نفلی نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ خاندان کے لئے مثال بن سکے۔ اگر وہاں کوئی نماز نہ پڑھی جائے تو وہ گھر قبرستان کے مشابہ ہوگا جہاں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگرچہ قبرستان میں اللہ کے حضور پڑھی جانے والی نماز بذات خود شرک نہیں ہے، مگر شیطان کے بہکانے پر نا سمجھ شاید یہ گمان کرنے لگیں کہ یہ نماز مُردوں کے حضور پڑھی جارہی ہے، ان کو ثواب پہنچانے کے لئے نہیں! لہٰذا بت پرستی کی طرف لے کر جانے والا یہ راستہ فیصلہ کن انداز میں بند کردیا گیا۔ ایک دفعہ خلیفہ دوم حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک قبر کے نزدیک نماز پڑھ رہے تھے تو آپؓ نے زور سے آواز دی: "قبر ہے! قبر ہے!"[4]

---

[1] روایت کیا حضرت بُریدہؓ ابن الحُسیب نے اور جمع کیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۲' صفحہ ۴۶۳-۴۶۴' نمبر ۲۱۳۱)' ابوداوُدؒ نے ('سنن ابوداوُد' انگریزی ترجمہ' جلد۲' صفحہ ۹۱۹' ۳۲۲۹)' النسائیؒ نے' احمدؒ نے اور البیہقیؒ نے۔

[2] جمع کیا الترمذیؒ نے' ابوداوُدؒ نے ('سنن ابوداوُد' انگریزی ترجمہ' جلد۱' صفحہ ۱۲۵' نمبر ۴۹۲) اور ابن ماجہؒ نے۔

[3] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد۲' صفحہ ۱۵۶' نمبر ۲۸۰) اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۱' صفحہ ۳۷۶' نمبر ۱۷۰۴)

[4] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد۱' صفحہ ۲۵۱' نمبر ۴۸)۔ یہ احادیث اس بات کا ثبوت ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستانوں میں نماز پڑھنے سے اس لئے منع نہیں فرمایا تھا کہ وہاں کی زمین کو ناپاک (نجس) سمجھا جائے۔ انبیاء علیہم السلام کی قبریں پاک ہوتی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اللہ نے زمین کو اُن کے جسموں کو کھانے سے منع فرمادیا ہے۔ نتیجتاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہیں بنانے پر لعنت فرمائی تھی وہ اس میں شامل شرک کی وجہ سے تھی نہ کہ جگہ کی ناپاکی کی وجہ سے ('تیسیر العزیز الحمید' صفحہ ۳۲۸)

(ب) دوسری پابندی اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عائد کی کہ دانستہ طور پر قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا منع فرما دیا' کیونکہ اس عمل سے بعد میں ناواقف لوگ یہ سمجھ سکتے تھے کہ مُردوں کے حضور ہی نماز پڑھی جا رہی ہے۔ حضرت ابومرثد الغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قبروں کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو اور نہ اُن پر بیٹھو۔''[1]

(ج) قبرستان میں قرآن کی تلاوت کی اجازت نہیں ہے' کیونکہ نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا کیا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایسا کرنے کی کوئی روایت ہے۔ خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ پوچھا کہ قبرستان میں جا کر کیا کہنا چاہئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلام کہو اور اُن کے لئے دعا کرو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ سورہ الفاتحہ یا قرآن کی کوئی اور سورہ پڑھو۔[2] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ' یقیناً اُس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے جہاں سورہ البقرہ کی تلاوت کی

---

[1] جمع کیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۴۶۰' نمبر ۲۱۲۲)' ابوداؤدؒ نے ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۹۱۷' نمبر ۳۲۲۳)' النسائیؒ نے اور ابن ماجہؒ نے۔ اس میں دعا (غیر رسمی عبادت) شامل ہے جو قبروں کی طرف منہ کر کے نہیں مانگی چاہئے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''دعا عبادت ہے''۔ (جمع کیا البخاریؒ نے 'الادب المفرد' میں)' ابوداؤدؒ نے ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ا' صفحہ ۳۸۷' نمبر ۱۴۷۴)' الترمذیؒ نے اور ابن ماجہؒ نے۔ دعا اُسی طرف منہ کر کے مانگنا چاہئے جس طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے (باقاعدہ رسمی نماز جو قبلہ رخ یعنی مکہ کی طرف منہ کر کے پڑھی جاتی ہے)۔

نوٹ: یہ بھی قابل توجہ ہے کہ اسلام میں نماز جنازہ قبرستان میں نہیں پڑھی جاتی بلکہ بڑے اجتماع والی نمازوں کے لئے بنائی ہوئی علیحدہ جگہ پر یا پھر مسجد میں پڑھی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کیونکہ جنازہ جماعت کے سامنے امام کے مقابل رکھا ہوتا ہے' اس لئے نماز جنازہ میں رکوع اور سجدہ نہیں ہوتا' تاکہ کسی کو یہ تاثر نہ ملے کہ نماز فوت شدہ کے حضور میں پڑھی جا رہی ہے نہ کہ اُس کے لئے' جیسا کہ نماز کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

[2] ناصر الدین الالبانی 'احکام الجنائز' (بیروت: المکتب الاسلامی' پہلا ایڈیشن' ۱۹۶۹ء) صفحہ ۹۱۔ دعا کے الفاظ یہ ہیں: '' **اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَ یَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَلْمُسْتَاْخِرِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ** '' ''سلامتی ہو اس بستی کے رہنے والوں میں کے اہل ایمان اور مسلمانوں پر' اور اللہ رحم فرمائے اُن پر جو ہم سے پہلے چلے گئے ہیں اور اُن پر بھی جو پیچھے آ رہے ہیں۔ اور ان شاء اللہ ہم بھی آپ کے ساتھ شامل ہونے والے ہیں۔'' ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۴۶۱۔۴۶۲' نمبر ۲۱۲۷)

جائے۔''[1] اس حدیث سے اور اِس جیسی دوسری حدیثوں سے، یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت قبرستانوں میں منع ہے اور گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی گئی ہے اور اُسے قبرستان کی طرح بنانا منع فرمایا گیا ہے' جہاں اس کی اجازت نہیں ہے۔[2]

(د) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر سفیدی کرنے' اُن پر عمارتیں بنانے'[3] اُن پر تحریر لکھنے[4] اور اُن کو زمین سے اُونچا کرنے[5] سے منع فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم بھی فرمائی کہ قبروں پر بنے ہوئے تمام ڈھانچے گرا دیئے جائیں اور قبروں کو زمین کی سطح کے ساتھ برابر کر دیا جائے۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکم دیا تھا کہ تمام بت جو اُن کے سامنے آئیں توڑ دو اور تمام قبروں کو جو ایک ہتھیلی کی چوڑائی سے زیادہ اُونچی ہوں اِردگرد کی زمین کے برابر کر دو۔[6]

---

[1] جمع کیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۱' صفحہ ۳۷۷' نمبر ۱۷۰۷)' الترمذیؒ نے اور احمدؒ نے۔

[2] جہاں تک سورہ یٰسین کی تلاوت کا تعلق ہے' اس کی قبرستانوں میں تلاوت کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی۔ فوت ہوتے ہوئے کے لئے اس کی تلاوت کی روایت ضعیف ہے۔ دیکھئے' احکام الجنائز' صفحہ ۱۱۱' ۱۹۲ حاشیہ ۲

[3] روایت کیا جابرؓ نے اور جمع کیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۴۵۹' نمبر ۲۱۱۶) اور ابوداوٗدؒ نے ('سنن ابوداوٗد' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۲۱۶۔ ۲۱۷' نمبر ۳۲۱۹' ۳۲۲۰)

[4] روایت کیا جابرؓ نے اور جمع کیا ابوداوٗدؒ نے ('سنن ابوداوٗد' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۲۱۶' نمبر ۳۲۱۹) اور النسائیؒ نے۔

[5] روایت کیا جابرؓ نے اور جمع کیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۴۵۹۔ ۴۶۰' نمبر ۲۱۱۶) اور ابوداوٗدؒ نے ('سنن ابوداوٗد' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۲۱۶' نمبر ۳۲۱۹) اور النسائیؒ نے۔

[6] جمع کیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۴۵۹' نمبر ۲۱۱۵)' ابوداوٗدؒ نے ('سنن ابوداوٗد' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۹۱۴۔ ۹۱۵' نمبر ۳۲۱۲) النسائیؒ نے اور الترمذیؒ نے۔ اس حدیث کا متن ابوالحیاج الاسدیؒ سے روایت ہے جس میں اُنہوں نے فرمایا کہ علیؓ ابن ابی طالب نے اُن سے کہا: ''کیا میں بھی تم کو اُسی طرح نہ بھیجوں جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا' تاکہ گھروں میں موجود تمام تصویروں اور بتوں کے چہروں کو مٹا دوں اور تمام اُونچی قبروں کو زمین کے برابر کر دوں؟''

نوٹ: بہت سے مسلمان ملکوں میں اِن احادیث کو بھلا دیا گیا ہے جہاں قبرستانوں میں دوسری قوموں کی نقل میں قبروں کے اوپر بنائی ہوئی طرح طرح کی عمارتوں کی بھرمار ہے۔ کچھ ملکوں میں جیسے مصر میں قبرستان شہروں کے مشابہ ہیں جن میں سڑکیں بڑے طریقے سے بنائی گئی ہیں' فوت شدہ لوگوں کے مقبرے مکانوں کی طرح نظر آتے ہیں یہاں تک کہ بعض جگہوں پر غریب خاندان اُن میں داخل ہو گئے ہیں اور مستقل رہائش اختیار کر لی ہے۔ ان مقبروں کو اور ان جیسے دوسرے مقبروں کو اِس حدیث کی بنا پر اور اس جیسی دوسری احادیث کے صریح متن کے تحت ضبط میں لایا جانا چاہیے۔ ایسا قدم اُٹھانے سے درگاہوں کے مجاوروں کا کردار بھی ختم ہو جائے گا جو زائرین کے فراخ دلانہ عطیات کی بدولت اچھی زندگی گزارتے ہیں کیونکہ زائرین یہ سمجھتے ہیں کہ مجاوروں کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کرنے سے ولیوں کو دعائیں پہنچانے میں آسانی ہوتی ہے اور اس کے نتائج کی ضمانت ملتی ہے۔

(ر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر مسجد بنانے سے خاص طور پر تاکید سے منع فرمایا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رحلت کے بہت قریب تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دھاری دار چادر اپنے چہرہ مبارک پر کھینچ لی اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی یہودیوں اور نصاریٰ پر لعنت ہو جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو اپنی عبادت گاہیں بنا لیا۔''[1]

(س) قبروں کی پرستش کو روکنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر پر بھی کوئی سالانہ یا موسمی اجتماع کرنا منع فرما دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری قبر کو عید (جشن کی جگہ) نہ بنا دینا اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بنانا۔ تم جہاں کہیں بھی ہو میرے لئے اللہ سے رحمت طلب کرنا کیونکہ اس کی رسائی مجھ تک ہوگی۔''[2]

(ص) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کے لئے سفر اختیار کرنے سے بھی منع فرما دیا۔ ایسا کرنا دوسرے مذاہب میں بُت پرستی پر مبنی زیارتوں کے لئے سفر کی بنیاد بنتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو سعید الخذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِن تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی جگہ کی زیارت کے لئے سفر نہ کرو' مسجد حرام (کعبتہ اللہ۔ مکہ مکرمہ میں)' مسجد نبویؐ اور مسجد الاقصیٰ۔''[3] ایک سفر سے واپسی پر حضرت ابو بصرہ الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] جمع کیا البخاریؒ نے (صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۱' صفحہ ۲۵۵' نمبر ۴۲۷)' مسلمؒ نے (صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۱' صفحہ ۲۶۹' نمبر ۱۰۸۲)' ابوداؤدؒ نے (سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۹۱۷' نمبر ۳۲۲۱) اور الدارمیؒ نے۔

[2] جمع کیا ابوداؤدؒ نے (سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۵۴۲۔۵۴۳' نمبر ۲۰۳۷) اور احمدؒ نے۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر سالانہ اجتماع سے منع کر دیا گیا ہے تو پھر مختلف موقعوں پر ولیوں کا لقب دیئے گئے بزرگوں کی قبروں پر تعمیر شدہ مزاروں پر جو بڑے بڑے اجتماع اور جشن منعقد ہوتے ہیں جیسے سالگرہ کے دنوں میں' وہ قطعی طور پر اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں۔ ان کو بند کر دینا چاہیے اور ان تعمیرات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس حکم کے مطابق ضبط میں لایا جانا چاہیئے' جسے چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ نے روایت کیا۔

[3] جمع کیا البخاریؒ نے (صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد ۲' صفحہ ۱۵۷' نمبر ۲۸۱)' مسلمؒ نے (صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۶۹۹' نمبر ۳۲۱۸)' ابوداؤدؒ نے (سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد ۲' صفحہ ۵۴۰' نمبر ۲۰۲۸)' الترمذیؒ نے' النسائیؒ نے اور ابن ماجہؒ نے۔

سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں سے آ رہے ہیں۔ حضرت ابوبصرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ وہ الطور سے واپس آ رہے ہیں جہاں اُنہوں نے دعا مانگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''کاش آپ کے روانہ ہونے سے پہلے میں آپ کو مِل جاتا کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: 'تین مسجدوں کے علاوہ کہیں اور زیارت کے لئے سفر نہ کرو'۔''[1]

'قبروں کو عبادت گاہیں بنانا'

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمام انسانیت میں سے بدترین وہ لوگ ہیں جو اُس وقت زندہ ہوں گے جب قیامت آئے گی اور وہ لوگ جو قبروں کو عبادت کی جگہیں بناتے ہیں۔''[2] حضرت جندب ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحلت سے پانچ دن پیشتر یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ''تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگ اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہیں بنا لیتے تھے۔ تم قبروں کو عبادت گاہیں نہ بنانا۔ یقیناً میں تم کو ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔''[3]

اِن احادیث کی روشنی میں یہ صاف طور پر معلوم ہو جانے کے بعد کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو عبادت گاہیں بنانا ممنوع قرار دیا ہے' یہ بات متعین کرنا ضروری ہے کہ 'قبروں کو عبادت گاہیں بنانے' سے کیا مراد ہے۔ عربی زبان کے اِس فقرے کے تین ممکن مطلب اخذ کئے جا سکتے ہیں:

۱۔ **قبر پر یا قبر کی طرف منہ کر کے' دعا یا سجدہ کرنا:** قبر پر نماز پڑھنے سے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کے مطابق بالکل منع کر دیا گیا ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ

---

[1] جمع کیا احمدؒ نے اور الطیالسیؒ نے اور الالبانیؒ نے اسے صحیح کہا۔ دیکھئے 'احکام الجنائز' صفحہ ۲۲۶

[2] جمع کیا احمدؒ نے۔

[3] جمع کیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد ۱' صفحہ ۲۶۹' نمبر ۱۰۸۳)

وسلم نے فرمایا: ''قبر کی طرف منہ کر کے یا قبر پر نماز نہ پڑھا کرو۔''[1] اور اسی طرح کی ایک اور حدیث جس کے راوی حضرت ابومرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پہلے بیان ہو چکی ہے۔

۲۔ **قبر کے اوپر مسجد بنانا یا مسجد کے اندر قبر بنانا:** قبر کے اُوپر مسجد بنانا حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت حدیث کے مطابق منع ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جو قبروں کے اوپر عبادت گاہیں بناتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مخلوق کے بدترین لوگ ہیں۔ مسجد کے اندر قبر بنانے سے بھی منع کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری بیان: ''اللہ کی لعنت ہو اُن لوگوں پر جو اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیتے ہیں۔''[2] کی وضاحت میں فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جب یہ تجویز آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد نبویؐ میں دفن کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری بیان کی بنا پر اس کی مخالفت کی۔

۳۔ **جس مسجد میں قبر ہو اُس میں نماز پڑھنا:** ایسی مسجد میں نماز پڑھنا منع ہے جو کسی قبر کے اوپر بنائی گئی ہو کیونکہ یہ تو اس حکم کا قدرتی نتیجہ ہے کہ قبروں کے اوپر مسجدیں بنانا ممنوع کر دیا گیا ہے۔ کسی راستے پر چلنے سے منع کرنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ راستہ جس جگہ کو جاتا ہے وہ ممنوع ہے۔ مثال کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوا اور تار سے بجنے والے ساز (معازف) بجانے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابو مالک الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ''میری اُمت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو زنا اور بدکاری، مردوں کا ریشمی لباس پہننا، نشہ آور چیزیں استعمال کرنا اور سازوں (معازف) کو حلال بنا لیں گے۔''[3] اس طرح اِن سازوں کا بجانا اور موسیقی سننا خود بخود ممنوع ہو گئے کیونکہ ساز تو اِن ہی مقاصد کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ اسی طرح نہ تو قبروں پر مسجد

---

[1] جمع کیا الطبرانیؒ نے۔
[2] جمع کیا البخاریؒ نے (صحیح البخاری، عربی۔ انگریزی، جلد۱، صفحہ۲۵۵، نمبر۴۲۷ اور جلد۲، صفحہ۲۳۲، نمبر۴۱۴)، مسلمؒ نے (صحیح مسلم، انگریزی ترجمہ، جلد۱، صفحہ۲۶۹، نمبر۱۰۸۲)، ابوداؤدؒ نے (سنن ابوداؤد، انگریزی ترجمہ، جلد۲، صفحہ۹۱۷، نمبر۳۲۲۱) اور احمدؒ نے۔
[3] جمع کیا البخاریؒ نے (صحیح البخاری، عربی۔ انگریزی، جلد۷، صفحہ۳۴۵، نمبر۴۹۴ب)

بنانے سے منع کرنے کا حکم اور نہ کسی اور جگہ مسجد بنانے کا حکم تعمیراتی کام سے متعلق ہے کیونکہ عمارت بنانے کے عمل کی تو اجازت ہے۔ اس حکم کا ہدف درحقیقت ان مساجد میں نماز کی ادائیگی ہے جو کہ مسجدوں کو بنانے کا مقصد ہوتا ہے۔ چنانچہ قبروں پر مسجد بنانے کی ممانعت کا حکم خود بخود ایسی مسجدوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت کا بھی حکم ہے۔

قبروں والی مسجدیں

ایسی مسجدیں اپنی ابتدا کے اعتبار سے دو قسم کی ہیں:

(ا) وہ مسجد جو قبر پر بنائی گئی ہو۔

(ب) وہ مسجد جس کے اندر تعمیر کے کچھ عرصے بعد قبر بنائی گئی ہو۔

ایسی دونوں مسجدوں میں نماز پڑھنے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں اگر قبروں کی طرف دھیان نہ بھی کیا جائے تب بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اگر قبروں کے لئے نماز کی نیت ہو تو وہ حرام ہے۔ تاہم ایسی مسجدوں کو صحیح کرنے کے طریقے اُن مسجدوں کی ابتدا کے مطابق مختلف ہیں:

(ا) قبر پر بنائی ہوئی مسجد کو گرا دینا چاہیے اور اگر قبر پر کچھ بنایا گیا ہو تو اُسے گرا کر قبر کو زمین کے ساتھ برابر کر دینا چاہیے۔ چونکہ ایسی مسجد ابتدائی طور پر قبر تھی اس لئے اس کو اپنی ابتدائی حالت میں لوٹا دینا چاہیے۔

(۲) وہ مسجد جس میں قبر بعد میں بنا دی گئی ہو اُس مسجد کو برقرار رکھا جائے البتہ اُس قبر کو وہاں سے ہٹا دیا جائے۔ اس صورت میں چونکہ یہ مسجد ابتدائی طور پر مسجد تھی قبر نہیں تھی' اس لئے اِس کو اس کی ابتدائی حالت میں لوٹا دینا چاہیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک

مسجد نبویؐ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی موجودگی اس کا جواز نہیں بن سکتی

کہ اور مسجدوں میں بھی قبریں بنالی جائیں یا قبروں پر مسجدیں بنائی جائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد نبویؐ میں دفن کیا جائے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک مسجد کے اندر بنائی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دانش مندی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین مقامی قبرستان میں کرنے سے پرہیز کیا' اس ڈر سے کہ آنے والی نسلوں کے لوگ ضرورت سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے عقیدت کرنے لگیں گے۔ حضرت غفرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ: ''جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے لئے جمع ہوئے تو اُن میں سے ایک نے کہا: 'آئیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اُس جگہ بنا دیتے ہیں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کیا کرتے تھے'۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: 'اللہ ہمیں اس سے بچائے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُت بنا دیں جس کی عبادت ہو'۔ دوسرے لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو البقیع (مدینہ منورہ کا قبرستان) میں دفن کر دیتے ہیں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے مہاجرین ساتھی بھی دفن ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: 'یقیناً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو البقیع میں دفن کرنا سخت نامناسب ہے کیونکہ کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست پناہ مانگنا شروع کر دیں گے جو صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا حق ہے اس لئے اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر قبرستان جائیں گے تو ہم اللہ تعالیٰ کے اس حق کو ختم کرنے کے ذمہ دار ہونگے خواہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کا کتنا ہی حفاظتی انتظام کیوں نہ کریں'۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: 'اے ابوبکرؓ آپ کا اِس بارے میں کیا مشورہ ہے؟' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: 'میں نے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی پیغمبر کی رحلت نہیں فرمائی سوائے اس کے کہ وہ وہیں دفن

کیے گئے جہاں وہ فوت ہوئے'۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا: 'اللہ کی قسم آپؐ نے جو کچھ کہا وہی پسندیدہ ہے اور قابل قبول ہے'۔ تب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کے گرد لکیر کھینچ دی اور وہیں قبر کھود دی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے دوسرے افراد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو تدفین کے لئے تیار کیا''۔[1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دیوار کے ذریعے علیحدہ تھا اور اُس میں ایک دروازہ تھا جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس دروازے کو مکمل طور پر بند کر دیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور مسجد کو مکمل طور پر علیحدہ کر دیا جائے۔ لہٰذا اُس وقت قبر مبارک پر جانے کے لئے صرف ایک راستہ تھا جو مسجد کے باہر سے جاتا تھا۔

مسجد نبویؐ کی توسیع کا کام دوسرے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ہوا۔ لیکن اُن دونوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر یا دوسری اُمہات المومنین کے گھروں میں سے کسی کو مسجد کے اندر شامل کرنے سے بڑی احتیاط سے اجتناب کیا۔ اگر اُمہات المومنین کے گھروں کی طرف توسیع ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک خود بخود مسجد کے اندر شامل ہو جاتی۔ تاہم جب مدینہ منورہ میں رہنے والے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وفات پا گئے[2] تو خلیفہ الولید ابن عبدالملک (حکومت ۷۰۵ تا ۷۱۵ء) پہلے شخص تھے جنہوں نے مشرق کی طرف مسجد کی توسیع کی۔ اُنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کو مسجد کے اندر شامل کر لیا لیکن باقی اُمہات المومنین کے گھر گرا دیئے۔

---

[1] جمع کیا ابن زنجویہ نے اور تحریر کیا الالبانیؒ نے 'تحذیر الساجد' میں (بیروت: المکتب الاسلامی۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۲) صفحہ ۱۳۔۱۴

[2] آخری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آپؓ کی وفات ۶۹۹ء خلیفہ عبدالملک کی خلافت (۶۸۵۔۷۰۵ء) کے زمانے میں ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ یہ توسیع خلیفہ الولید کے گورنر عمر ابن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہوئی۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کو مسجد میں شامل کیا گیا تو اس کے گرد گول اُونچی دیوار اُٹھا دی گئی تاکہ یہ مسجد کے اندر سے بالکل نظر نہ آ سکے۔ بعد میں گھر کے شمال کی طرف کے دو کونوں سے دو اضافی دیواریں زاویہ بناتی ہوئی اس طرح اُٹھائی گئیں کہ وہ ایک مثلث بناتی ہوئی ایک دوسرے سے ملتی تھیں۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ نماز کے دوران قبر مبارک کی طرف براہ راست منہ نہ ہو۔[1]

بہت سال بعد موجودہ معروف سبز گنبد مسجد کی چھت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے عین اوپر بنا دیا گیا۔[2] بعد میں قبر مبارک کے گرد پیتل کی جالی بنا دی گئی جس میں کھڑکیاں اور دروازے رکھے گئے اور قبر مبارک کے گرد دیواروں پر سبز رنگ کا کپڑا چڑھا دیا گیا۔ باوجود اس کے کہ بہت سی رکاوٹیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے گرد قائم کر دی گئی ہیں، تاہم تصحیح کے لئے دیواریں دوبارہ بنا دینی چاہئیں جن سے قبر مبارک مسجد سے علیحدہ ہو جائے تاکہ کوئی بھی قبر مبارک کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھ سکے اور مسجد کے اندر سے اس کی زیارت نہ ہو۔

مسجد نبوی ؐ میں نماز

جن مسجدوں کے اندر قبریں ہوں اُن میں نماز پڑھنے کی ممانعت تمام مسجدوں کے لئے ہے سوائے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے، یہ اس لئے کہ اس مسجد میں نماز پڑھنے کی کچھ ایسی خوبیاں بیان کی گئی ہیں جو کسی اور قبر والی مسجد میں نہیں ہیں۔[3] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اوصاف خود

---

[1] بیان کیا حضرت القرطبیؒ نے اور درج ہے 'تفسیر العزیز الحمید' میں صفحہ ۳۲۴

[2] سلطان قلاؤون الصلاحی نے ۱۲۸۲ء میں پہلا گنبد مزار پر تعمیر کیا اور سلطان عبدالحمید کے حکم سے ۱۸۳۷ء میں پہلی بار اسے سبز رنگ کیا گیا۔ دیکھئے علی حافظ کی کتاب 'Chapters from the History of Madina' جدہ: المدینہ پرنٹنگ اینڈ پبلیکیشن کمپنی، پہلا ایڈیشن ۱۹۸۷، صفحہ ۷۸۔۷۹

[3] اس قصے میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ کعبۃ اللہ کے ساتھ کھلی جگہ جسے حجر اسمٰعیل کہا جاتا ہے، میں اللہ کے نبی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ یا پیغمبروں میں سے کوئی اور دفن ہیں۔

بیان فرمائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی اور جگہ زیارت کے لئے سفر نہ کرو سوائے ان تین مسجدوں کے: المسجد الحرام' المسجد الاقصیٰ اور میری یہ مسجد۔''[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: ''میری اس مسجد میں ایک نماز کسی اور جگہ پڑھی جانے والی ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد الحرام کے۔''[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد کے ایک حصے کی خاص اہمیت بھی بیان فرمائی ہے: ''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''[3] اگر مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنا مکروہ سمجھا جاتا تو اس کے خاص اوصاف کی نفی ہو جاتی اور یہ تمام دوسری مسجدوں کے برابر ہو جاتی۔ جس طرح بعض اوقات میں نفل نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے مگر خاص مقصد کی بنا پر اجازت بھی دی گئی ہے (مثلاً نماز جنازہ) اسی طرح مسجد نبویؐ میں بھی اس کی خاص اہمیت کے پیش نظر نماز پسندیدہ ہے۔[4] اگر خدانخواستہ مسجد الحرام یا مسجد الاقصیٰ میں کوئی قبر بنا دی جائے تب بھی ان مسجدوں میں نماز پڑھنا پسندیدہ ہوگا اس لئے کہ ان مسجدوں کے خاص اوصاف ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں ان کا عزت والا مقام ہے۔

---

[1] روایت کیا حضرت ابو ہریرہؓ نے اور جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد۲' صفحہ ۱۵۷' نمبر ۲۸۱) 'مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۲' صفحہ ۶۹۹' نمبر ۳۲۱۸) اور ابوداؤدؒ نے ('سنن ابوداؤد' انگریزی ترجمہ' جلد۲' صفحہ ۵۴۰' نمبر ۲۰۲۸)

[2] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد۲' صفحہ ۱۵۷' نمبر ۲۸۲) اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۲' صفحہ ۶۹۷' نمبر ۳۲۰۹)

[3] جمع کیا البخاریؒ نے ('صحیح البخاری' عربی۔ انگریزی' جلد۳' صفحہ ۶۱۔۶۲' نمبر ۱۱۲) اور مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۲' صفحہ ۶۹۶' نمبر ۳۲۰۴)

[4] 'تحذیر الساجد' صفحہ ۱۹۶۔۲۰۰

اختتامیہ

اس معیار کے سچے ایمان کا' جو اللہ تعالیٰ کو قبول ہو' شرک سے پاک توحید پر مبنی ہونا لازم ہے' جیسا کہ کتاب کے گزشتہ ابواب میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس سے کچھ بھی کم ہو تو وہ بت پرستی یا (اور) بے دینی کے کسی پہلو کی علامت ہے' قطع نظر اس کے کہ اللہ کے ساتھ ساجھی مقرر کرنے والے لوگ کتنی ہی مضبوطی سے اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا دعویٰ کریں یا کتنی ہی ہنر مندی سے اپنے ناجائز اعمال کو عقلی یا استدلالی بنائیں۔ اللہ جل شانہٗ کی وحدانیت کو روحانی' عقلی اور عملی طور پر انسانی زندگی کے ہر پہلو میں قائم کرنا اور برقرار رکھنا لازم ہے' جن کی حدود کے اندر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تلاش کی جاتی ہے۔ ایک اللہ پر ایمان (توحید)' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے بتایا' صرف ایک نظریہ نہیں تھا جسے فلسفیانہ طور پر اچھا سمجھا جائے یا جس کی فقط جذباتی حمایت کی جائے بلکہ قادر مطلق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مرضی کے تابع انسانی وجود کے لئے یہ ایک عملی دستاویز ہے۔ اس حقیقت کی اہمیت انسان کی تخلیق کے مقصد میں ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

''نہیں تخلیق کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر فقط اپنی (اللہ کی) عبادت کے لئے۔''[1]

تاہم انسان کی تخلیق بذات خود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے کامل اوصاف کی مظہر ہے۔ وہ خالق ہے (اَلْخَالِقُ) پس انسان کو عدم سے وجود میں لایا گیا۔ وہ نہایت رحم کرنے والا ہے (اَلرَّحْمٰنُ) اور اس طرح اِس جہان کی لذتیں انسان کو عنایت کی گئیں۔ وہ نہایت ہی دانا ہے (اَلْحَکِیْمُ) اور اس طرح اُس نے وہ تمام اشیاء اور اعمال جو انسان کے لئے نقصان دہ ہیں حرام کر دیئے اور جو نقصان دہ نہیں وہ جائز کر دیئے ہیں۔ وہ نہایت معاف کرنے والا ہے (اَلْغَفُوْرُ) اور اس لئے جو صدق دل سے توبہ کرتے ہیں اُنہیں وہ معاف کر دیتا ہے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہاری ہستی کو نیست و نابود کر دیتا اور تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آتا جو گناہ

[1] سورہ الذاریات ۵۱:۵۶

کرتے' اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگتے اور وہ اُن کو معاف کر دیتا۔''[1] اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مرضی سے انسان کی تخلیق میں اللہ کے تمام دوسرے ربّانی اوصاف کا ظہور ہے۔ دوسری طرف انسان کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا خود انسان کے اپنے فائدے کے لئے ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو تو انسان کی عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انسان اچھائی کے تمام پہلوؤں کے لئے اپنی مادّی اور روحانی دونوں صلاحیتوں سے آگاہی حاصل کرتا ہے اور اس کے باعث وہ اس مختصر دنیاوی زندگی کے سفر کے اختتام پر ہمیشہ رہنے والی خوشیوں سے بھرپور زندگی میں اپنے لئے پرمسرت مقام حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا طرز زندگی 'اسلام' وہ ذریعہ مہیا کرتا ہے جس سے انسان کا ہر عمل' خواہ وہ کتنا ہی معمولی یا دنیاوی کیوں نہ ہو' اللہ کی عبادت کے عمل میں تبدیل ہو جاتا ہے' جب تک کہ یہ دو بنیادی شرائط پوری ہوتی رہیں:

۱۔ وہ عمل شعوری طور پر صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہی کیا جائے۔

۲۔ اسے لازماً اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق بھی کیا جائے۔

انسان کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی مکمل تابعداری میں گزر سکتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَٰلَمِينَ

''(اے نبیؐ) کہہ دو بے شک میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔''[2]

تاہم اس کیفیت کو حاصل کرنا اُسی وقت ممکن ہے جب توحید کا علم حاصل ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ کے سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق دانستہ طور پر اور احتیاط سے عمل کیا جائے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ پر سنجیدہ اور مخلص ایمان رکھنے والے ہر مرد و زن کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے

---

[1] جمع کیا مسلمؒ نے ('صحیح مسلم' انگریزی ترجمہ' جلد۴' صفحہ۱۴۳۶۔۱۴۳۷' نمبر۶۶۲۰۔۶۶۲۲)

[2] سورہ الانعام ۶:۱۶۲

ثقافتی تجربات اور خاندان' قبیلے اور قوم کے ساتھ جذباتی رشتوں سے بالاتر ہو اور توحید کا مناسب درجے کا علم حاصل کرے جو ایمان کی بنیاد ہے' کیونکہ صرف اس علم کو کام میں لا کر ہی انسان کو نجات حاصل ہو سکتی ہے۔

اشاریہ احادیث (تراجم)

کتابیات

Abdul-Wahhaab, Sulaymaan ibn, Tayseer al-'Azeez al- Hameed, (Beirut: al-Maktab al-Islaamee, 2nd ed., 1970).

Albaanee, Naasirud-Deen al-, Silsilah al-Ahaadeeth as Saheehah, (Kuwait: ad-Daar as- Salafeeyah and Amaan: al- Maktabah al-Islaameeyah. 2nd. ed., 1983), vol. 4.

..........., Ahkaam al-Janaaiz, (Beirut: al-Maktab al-Islaamee, 1st ed., 1969).

..........., Mukhtasar al-'Uloo, (Beirut: al-Maktab al-Islaamee, 1st ed., 1981).

..........., Sahih Sunan at-Tirmidhee, (Riyadh: Arab Bureau of Education for the Gulf States, 1st ed., 1988).

..........., Tahdheer as-Saajid, (Beirut: al-Maktab al-Islaamee, 2nd. ed., 1972).

Ali, A. Yusuf, The Holy Qur'an (Trans), (Beirut: Daar al-Qur'aan al-Kareem. n.d.)

Arberry, A.J., Muslim Saints and Mystics, (London: Routledge and Kegan Paul, 1976)

Ash'aree, Abul-Hasan 'Alee al, Maqaalaat al-Islaameeyeen, (Cairo: Maktabah an-Nahdah al-Misreeyah, 2nd ed., 1969).

Asqalaanee, Ahmad ibn 'Alee Ibn Hajar al-,Tahdheeb at- Tahdheeb, (Hyderabad, 1325-7).

Ashqar, 'Umar al, al-'Aqeedah fee Allah, (Kuwait: Maktabah al-Falaah 2nd ed., 1979).

Baghdaadee, 'Abdul-Qaahir ibn Taahir al-,Al-Farq bain al-Firaq, (Beirut: Daar al-Ma'rifah, n.d.)

Bayhaqee, Ahmad ibn al-Husain al-, Kitaab al-Asmaa was-Sifaat, (Beirut: Daar al-Kutub al-'Ilmeeyah, 1st ed., 1984).

Cowan, J.M., The Hans Wehr Dictionary of Modern Written Arabic, (New York: Spoken Language Services Inc., 3rd ed., 1976).

Essien-Udom, E.U., Black Nationalism, (Chicago: University of Chicago Press, 1962).

Ghunaimaan, 'Abdullaah Aal, Sharh Kitaab at-Tawheed min Saheeh al-Bukhaaree, (Madeena:Maktabah ad-Daar, 1985).

Gibb, H.A.R., Shorter Encyclopedia of Islam, (Ithaca, New York: Cornell University Press, 1953).

Hafiz, Ali, Chapters from the History of Madina, (Jeddah: Al-Madina Printing and Publication Co., 1st ed., 1987).

Hasan, Ahmad, Sunan Abu Dawud, (English trans.), (Lahore: Sh. Muhammad Ashraf Publishers, 1st ed., 1984).

Hinnells, John, Dictionary of Religions, (England: Penguin Books, 1984).

Hitching, Frances, The Neck of the Giraffe, (New York: Ticknor and Fields, 1982).

Holy Bible, Revised Standard Version (Nelson, 1951).

Hujweeree, 'Alee ibn 'Uthmaan al-,Kashf al-Mahjoob, trans. by Nicholson, (London: Luzac, rep. 1976).

Ibn Abil-'Ezz al-Hanafee, Sharh al-'Aqeedah at- Tahaaweeyah, (Beirut: al-Maktab al-Islaamee, 8th ed., 1984).

Ibn Atheer, An-Nihaayah fee Ghareeb al-Hadeeth wa al-athar, (Beirut: al-Maktabah al-Islaameeyah, 1963).

Ibn al-Jawzee, Sifah as-Safwah, (Cairo: Daar al-Wa 'ee, 1st ed., 1970).

Ibn Hanbal, Ahmad, Ar-Radd 'alaa al-Jahmeeyah, (Riyadh: Daar al-Liwaa, 1st ed., 1977).

Ibn Taymeeyah, Ahmad, at-Tawassul wal-Waseelah, (Riyadh: Daar al-Iftaa, 1984).

Johnson-Davies, Denys, An-Nawawi's Forty Hadith, (English trans.), (Damascus, Syria: The Holy Koran Publishing House, 1976).

Khan, Muhammad Muhsin, Sahih Al-Bukhari, (Arabic-English),(Riyadh: Maktabah ar-Riyaad al-Hadeethah, 1981).

Khoemeini, Aayatullah Musavi al-,al-Hukoomah al-Islaameeyah, (Beirut: at-Talee`ah Press, Arabic ed., 1979).

Lane, Edward William, Arabic-English Lexicon, (Cambridge, England: Islamic Texts Society, 1984).

MandHoor, Muhammad ibn, Lisaan al-Arab, (Beirut: Daar Saadir, n.d.).

Muhammad, Elijah, Our Saviour Has Arrived, (Chicago: Muhammad's Temple of Islam no. 2,1974).

Muzaffar, Muhammad Rida al-,Faith of Shi'a Islam, (USA: Muhammadi Trust of Great Britain and Northern Ireland, 2nd ed., 1983).

Philips, Abu Ameenah Bilal, Ibn Taymeeyah's Essay on the

Jinn, (Riyadh: Tawheed Publications, 1989).

Rahimuddin, Muhammad, Muwatta Imam Malik (English Trans.), (Lahore: Sh.Muhammad Ashraf, 1980)

Readers Digest Great Encyclopedic Dictionary, (New York: Funk & Wagnalls Publishing Company, 10th ed., 1975).

Reese,W.L., Dictionary of Philosophy and Religion, (New Jersey: Humanities Press, 1980).

Rizvi, Sayed Saeed Akhtar, Islam, (Teheran: A Group of Muslim Brothers, 1973).

Shahrastanee, Muhammad ibn 'Abdul-Kareem ash-, Al-Milal wan-Nihal, (Beirut: Daar al-Ma'rifah, 2nd ed., 1975).

Siddiq, Abdul Hamid, Sahih Muslim, (English Trans.), (Lahore: Sh. Muhammad Ashraf Publishers, 1987).

Tabaree, Ibn Jareer at-, Jaami' al-Bayaan 'an Ta'weel al-Qur'aan (Egypt: al-Halabee Publishing Co., 3rd ed., 1968).

Wakeel, Abdur-Rahmaan al-,Haadhihee Heya as-Soofeeyah, (Makkah: Daar al-Kutub al-'Ilmeeyah, 3rd ed., 1979).

Wilson, Colin, The Occult, (New York: Random House, 1971).

Ziriklee, Khairuddeen az-, al-A'laam, (Beirut: Daar al - 'Ilm lil-Malaayeen, 7th ed., 1984).

"یہ کتاب اللہ کی یکتائی کے مستند اسلامی تصور کی نہایت تفصیل سے وضاحت کرتی ہے کیونکہ اس کا تعلق ایمان اور مذہبی فرائض کے اعمال سے ہے۔ یہ اُن بڑے موضوعات پر بھی بحث کرتی ہے جن کے تحت اسلامی وحدت پرستی (توحید) کو یا تو کالعدم قرار دیا جاتا ہے یا پھر اسے بُت پرستانہ تصورات کے ساتھ مِلا دیا جاتا ہے' جن کو مجموعی طور پر شرک کہتے ہیں۔ اس کتاب کی انفرادیت صرف اِس کی رواں اور غیر پیچیدہ انگریزی طرزِ تحریر میں موضوع پر مکمل بحث میں ہی نہیں ہے بلکہ مستند مذہبی مسائل کو جدید انداز میں پیش کرنے میں بھی ہے۔

"مَیں نے 'توحید کے بنیادی اصول' کو علم سے بہت زیادہ روشناس کرنے والی کتاب پایا ہے اور میرا خیال ہے بلاشبہ یہ اپنے پڑھنے والے مسلم اور غیر مسلم لوگوں کو اسلامی مذہب کی بنیاد کا بہت صاف تصور قائم کرنے میں رہنمائی کرے گی۔ علاوہ ازیں شرک کے مختلف پہلوؤں پر دیئے گئے بے شمار تفصیلی حوالہ جات' بڑی حد تک گھناؤنے بُت پرستانہ اعتقادات اور اعمال کی وضاحت کرتے ہیں جو دُنیا کے زیادہ تر مذاہب میں اور اسلامی دنیا کے بہت سے حصوں میں رائج ہیں۔"

ایڈیٹر مذہبی مضامین

سعودی گزٹ' جدہ۔ 1991ء